اخبار سرفراز لکھنؤ

کے قدیم شماروں سے ٹائپ مضامین

فہرست مضامین

۱۔آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور فخر قوم

عالی جناب سید سبط احمد نقوی قمرؔ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۴۸، صفحہ نمبر ۱، ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء

۲۔امام باڑہ جانی میاں پھلواری کا ایک جلسہ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۵، ۱۱ر صفر ۱۳۴۴ھ

۳۔چند ہندو اہیروں کی تعزیہ داری کی بابت دلچسپ گفتگو

عالی جناب سید محمد اکبر رضوی سیتاپور،

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱۔شمارہ ۱۱، صفر ۱۳۴۴ھ

۴۔کارروائی انجمن اطبائے لکھنؤ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۷، ۲۲ر صفر ۱۳۴۴ھ، مطابق ۱۴ر ستمبر ۱۹۲۵ء، ص ۴

۵۔شیعہ اوقاف

عالی جناب فخر قوم سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۷، ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء، ص ۵

۶۔ شیعوں کے تنظیم کی صدا

عالی جناب شیخ ممتاز حسین جونپوری

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ، جلد ۱، شمارہ ۷، ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء، ص ۵

۷۔ اخبار سرفراز کا خیر مقدم

عالی جناب سید اصغر حسین صاحب

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۷، ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء، ص ۷

۸۔ آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ

عالی جناب مرزا قاسم حسین قزلباش

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۸، ۲۱ ستمبر ۱۹۲۵ء، ص ۵

۹۔ کمیٹی تحفظ آثار متبرکہ کی تقریروں پر ایک نظر

عالی جناب احمد حسنین پریانواں

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۱۳، ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء، ص ۳

۱۰۔ شیعیان ہند اور ان کا آئندہ پروگرام

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۱۴، ۱۵ نومبر ۱۹۲۵ء، ص ۲

بتیاراج کی طرف سے تعمیر امام باڑہ

عالی جناب سید ازہر حسین کھجوہ بہار

۱۱۔ دستور العمل آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ

مرتبۂ جنرل کمیٹی یتیم خانہ فروری ۱۹۲۶ء

۱۲۔ شاہی امام باڑے، امام باڑہ سلطان عالم موسوم بہ قصر العزا

عالی جناب شیخ تصدق حسین

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۲۷، شمارہ ۱۲، ۲۸ دسمبر ۱۹۴۹ء، ص ۱۱

۱۳۔ امام باڑہ سبطین آباد لکھنؤ

عالی جناب شیخ تصدق حسین حنفی ایڈوکیٹ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۲۶، شمارہ ۱۴، ۹ جنوری ۱۹۵۰ء، ص ۵

۱۴۔ شیعہ وقف اور اوقاف شاہی

عالی جناب فخر قوم سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۷ ۲، شمارہ ۳۵، ۲۵ رجون ۱۹۵۰ء، ص ۱۰

۱۵۔ باب العلم کے فدائیوں سے

عالی جناب مولانا ابرار حسین پاروی صاحب

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۷ ۲، شمارہ ۲۸، ۲ رمئی ۱۹۵۰ء، ص ۲۳

۱۶۔ صدر محترم آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی خدمت میں

عالی جناب مولانا سید نصیر حسین پاروی صاحب

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۷ ۴، شمارہ ۳۲، ۲۵ رنومبر ۱۹۶۹ء، ص ۹

۱۷۔ شیعہ حضرات عبرت حاصل کریں

عالی جناب مصطفےٰ حسن رضوی اڈیٹر سرفراز

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۷ ۴، شمارہ ۳۴، ۹ ردسمبر ۱۹۶۹ء، ص ۶

۱۹۔ شیعوں میں صنعت وتجارت

عالی جناب ریاض حیدری چیف آرگنائز شیعہ اقتصادی بورڈ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۷ ۴، شمارہ ۱۹، ۱۷ راگست، ۱۹۶۹ء، ص ۱۲

۲۰۔ شیعہ کالج کی سکریٹری شپ کا مسئلہ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۱۴، ۵ رنومبر ۱۹۲۵ء، ص ۷

۲۱۔ شیعہ قوم کیسے ترقی کر سکتی ہے

عالی جناب باقر علی نجفی، لندن

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱، شمارہ ۱۸، ۳ ردسمبر ۱۹۲۵ء، ص ۳

۲۲۔ سرفراز کی پالیسی کی حمایت میں دو مراسلے

عالی جناب نصیر حسین پاروی صاحب

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۴ ۴، شمارہ ۳۰، ۹ ردسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۲

۲۳۔ سرفراز کی تائید میں دوسرا مراسلہ

عالی جناب حکیم مرزا محمد علی بارہ بنکی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۴ ۴، شمارہ ۳۰، ۹ ردسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۳

۲۴۔ وقف ناصریہ لاہور کی بربادی اور پردہ پوشی کی ناکام کوشش

عالی جناب مرزا مصطفےٰ علی ہمدانی، لاہور

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۹، شمارہ ۲۹، ۲۱/ اگست ۱۹۳۳ء، ص ۵

۲۵۔ سرفراز کی عملی اعانت

عالی جناب نصیر حسین پاروی صاحب

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۸، شمارہ ۶۳، /فروری ۱۹۳۳ء، ص ۲

۲۵۔ یتیم خانۂ نسواں

عالی جناب سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۸، شمارہ ۷۶، ۲۵/ مارچ ۱۹۳۳ء، ص ۲

۲۶۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور مرزا عطا حسین لاہوری

عالی جناب فخر قوم سردار اعجاز حسین قزلباش، پشاور

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۸، شمارہ ۷۶، ۲۵/ مارچ ۱۹۳۳ء، ص ۳

۲۷۔ مدرسہ ناظمیہ کی کہانی اسی کی زبانی

عالی جناب ابرار حسین پاروی صاحب

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۸، شمارہ ۷۴، ۱۷/ مارچ ۱۹۳۳ء، ص ۵

۲۸۔ شہادت حسین کا منشاء اور انسانی سیرت کی تعمیر

عالی جناب مولانا حامد حسین رضوی عشروی، بہرائچ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۱، شمارہ ۱، /۱۹۵۲ء، ص ۱۷

۲۹۔ سرمایہ شیعہ کالج سے قرض کی ضرورت

عالی جناب سید سعید حیدر زیدی، سہارنپوری

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۹، شمارہ ۳۷، ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۳ء،

۳۰۔ شیعہ کالج کا سرمایہ

عالی جناب محمد مہدی حسن رضوی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۹، شمارہ ۳۷، ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۳ء، ص ۳

۳۱۔ امام حسینؑ کے اصحاب کو کس نے دفن کیا

عالی جناب محسن الملت مولانا سید محسن نواب رضوی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۶، شمارہ ۹، /۱۷ ستمبر ۱۹۵۸ء،

۳۲۔ شہداؑ کی حیات کا فلسفہ

عالی جناب مولانا شفیع حیدر ضیاء بہرائچی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۰، شمارہ ۱، ۱۷/ ستمبر ۱۹۵۲ء، ص ۸

۳۳۔ حقیقت کا انکشاف اور شیعہ کانفرنس کو ہمدردانہ مشورہ

عالی جناب سید رضا قاسم مظفر پور، بہار

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۹، شمارہ ۷۶، ۲۸/ فروری، ۱۹۳۴ء، ص ۴

۳۴۔ شیعہ کالج، شیعہ یتیم خانہ اور دیگر قومی ادارات اور ارباب ملت

عالی جناب فخر قوم سید کلب عباس نقوی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۱، شمارہ ۳۷، ۲/ جولائی ۱۹۵۴ء، ص ۴

۳۵۔ شیعہ کالج لکھنؤ

عالی جناب مصطفےٰ حسن رضوی ایڈیٹر سرفراز

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۱، شمارہ ۳۷، ۲/ جولائی ۱۹۵۴ء، ص ۶

۳۶۔ مدیر شیعہ گزٹ کا مجوزہ لائحہ عمل

عالی جناب فخر قوم سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۱، شمارہ ۳۷، ۲/ جولائی ۱۹۵۴ء، ص ۲

۳۷۔ گذارش احوال واقعی

عالی جناب سید معجز حسین صاحب ایڈوکیٹ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۹، شمارہ ۱۳، ۲۱/ جون، ۱۹۳۴ء، ص ۳

۳۸۔ منظور ہے گذارش احوال واقعی

عالی جناب سید شبیہ الحسن صاحب

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۱، شمارہ ۳۶، ۲۵/ جون ۱۹۵۴ء، ص ۹

۳۹۔ حالیہ شیعہ پولیٹکل کانفرنس اور میں

عالی جناب فخر قوم سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۱، شمارہ ۳۶، ۲۵/ جون ۱۹۵۴ء، ص ۹

۴۰۔ حالیہ شیعہ پولیٹکل کانفرنس

عالی جناب شفیق نصیر آبادی، الہ آباد

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۱، شمارہ ۳۹، ۲۵/ اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۷

۴۱۔ اثنا عشری اور سرفراز

عالی جناب اعجاز حسین صاحب، پشاور

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۸، شمارہ ۸۷، یکم اپریل ۱۹۳۳ء، ص ۵

۴۲۔ شریکۃ الحسین

عالی جناب ممتاز الواعظین مولانا ابرار حسین پاروی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۱، شمارہ ۱، محرم نمبر ۱۳۷۳ھ، مطابق ۱۹۵۳ء، ص ۴۸

۴۳۔ حضرات زینبؑ اپنے والد کے دار الخلافہ میں

عالی جناب مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۳۰، شمارہ ۷، ۹ر نومبر ۱۹۵۴ء، ص ۲

۴۴۔ ایام عزا کے ختم ہونے کے بعد شیعیان ہند کے لیے لمحۂ فکریہ

عالی جناب امیر الامراء راجہ محمد امیر احمد خان محمود آباد، اودھ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱۶، شمارہ ۳۳، ۱۰ر فروری ۱۹۴۰ء، ص ۲

۴۵۔ نواب آصف الدولہ اور عزاداری

عالی جناب شیخ تصدق حسین حنفی ایڈوکیٹ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۲۸، شمارہ ۱، ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۰ء، ص ۱۷

۴۶۔ ردولی کا محرم

عالی جناب غضنفر علی خان صاحب

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۲۸، شمارہ ۱، ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۰ء، ص ۸۴

۴۷۔ انسان کامل حضرت امام حسینؑ

عالی جناب علامہ ہندی سید احمد نقوی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱۳، شمارہ ۱، ۱۵ر مارچ ۱۹۳۷ء، ص

۴۸۔ حسینی کارنامے کے خصوصیات

عالی جناب علامہ سید علی نقی النقوی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ۔ محرم نمبر ۱۳۶۱ھ، مطابق ۲۲ر جنوری ۱۹۴۲ء ص ۹

۴۹۔ ہندستان کے مغل بادشاہوں کی عزاداری

عالی جناب مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، پاکستان

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ۔ محرم نمبر ۱۳۷۱ھ

۵۰۔ شیعہ اور عزاداری

عالی جناب فخر قوم سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ۔ محرم نمبر ۱۳۸۲ھ

۵۱۔ عزاداری اور شاہان اودھ

عالی جناب صادق حسین خنداں لکھنوی

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ۔ محرم نمبر ۱۳۸۷ھ

آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور فخر قوم پینتالیس سالہ دور منصرمی کا تنقیدی جائزہ

(ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ، جلد ۱ شمارہ ۴۸ صفحہ نمبر ایوم دوشنبہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء مطابق ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ)

۱۹۳۵ء میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی عنان منصرم فخر قوم کے ہاتھ میں آئی تھی۔ یہ وہ زمانہ کہ تین سال سے اس کے سالانہ اجلاس نہیں ہوئے تھے اور اس کے دفتری اخراجات اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ تحویل میں گنتی کے کے چند روپئے رہ گئے تھے۔ مرکزی کمیٹی کے جلسوں کا کورم اکثر پورا نہیں ہوتا تھا۔ شیعہ یتیم خانہ، سرفراز پریس اور دیگر قومی اداروں میں بدنظمی کا دور دورہ تھا۔ ایسے نازک وقت میں فخر قوم نے رائے بریلی جیسے مقام پر جہاں شیعوں کی تعداد مشکل سے دوسو تک پہنچتی تھی آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس کو مدعو کیا یہ صرف انہیں کی غیر معمولی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ کانفرنس کا اجلاس رائے بریلی میں نہایت شاندار اور کامیاب عنوان سے ہوا جس میں علاوہ یوپی کے بہار بنگال، مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش تک کے نمائندے شریک ہوئے

فخر قوم نے ادارے کی مالیات کی درستی کے لیے پہلا اقدام یہ کیا دفتر کو رائے بریلی میں اپنی کوٹھی کے بالائی حصہ میں منتقل کر کے پچاس روپیہ ماہوار کرایہ کے بار سے کانفرنس کو بچایا اور عملہ میں تخفیف کر کے صرف ایک ہیڈ کلرک اور ایک منشی سے بجائے ڈیڑھ سو روپئے کے صرف ساٹھ روپیہ ماہوار میں کام چلایا۔

دوسری کامیابی موصوف کے دور میں یہ ہوئی کہ راجا صاحب محمودا آباد جو بعض وجوہ سے شیعہ کانفرنس کے پلیٹ فارم پر اس سے قبل نہیں آئے تھے محض فخر قوم کی جادو بیانی کے اثر سے اس کے صدر اجلاس لکھنو ہو گئے اور عین اس زمانہ میں جب فخر قوم کا کونسل کا الیکشن درپیش تھا فخر قوم کی منصری میں مدح صحابہ کمیونک کے خلاف راجہ صاحب محمودا آباد کی صدارت میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے قومی پلیٹ فارم سے احتجاجی تجویز پاس ہوئی، تنظیم فنڈ کھلا اور سرفراز اخبار ہفتہ وار سے روزنامہ ہوا۔ شیعہ کانفرنس کی مراسلت کی ریکارڈ شاہد ہے کہ کئی ہزار خطوط آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی جانب سے تحفہ انجمنوں صوبہ کانفرنسوں، عمائدین اور اکابرین ملت کے نام تبراً ایجی ٹیشن کے زمانہ میں اس تحریک کو تقویت پہنچانے کے لیے جاری کیے گئے۔

فخر قوم نے کونسل میں احتجاجی تحریک التوا پیش کی جیل میں تبراً ایجی ٹیشن کے قیدیوں کے ساتھ مراعات کا مطالبہ کیا اور دھواں دھار اور گھن گرج تقریریں کیں جنہوں نے کونسل اور اسمبلی کے جوائنٹ سیشن میں ہل چل مچادی بالآخر وزیر انصاف ڈاکٹر کاٹجو اور وزیر اعلیٰ پنڈت گوبند بلب پنتھ کو شیعہ قیدیوں کے ساتھ مطلوبہ مراعات کا وعدہ کرنا پڑا۔ فخر قوم جیلوں کے معائین مقرر ہوئے موصوف نے جیٹھ کی سخت گرمی میں ایک ایک دن میں تین تین اور چار چار جیلوں معائنہ اپنی

جیب خاص سے خرچ کر کے کیا اور اس طرح تقریباً پورے صوبے کا دورہ کیا۔

فخر قوم کے عہدہ منصرمی میں سر رضا علی صدر کانفرنس اجلاس پٹنہ ہوئے۔ اس اجلاس میں رضا کاروں کا وہ یادگارہ مظاہرہ ہوا جو آج تک شرکائے اجلاس کے ذہنوں میں تازہ ہے اسی اجلاس میں مسٹر محمد علی جناح بھی شریک ہوئے تھے۔

سر رضا علی کے بعد فیض آباد کے اجلاس میں مہاراج کمار آف محمود آباد صدر کانفرنس ہوئے ان کے عہد میں رضا کار تحریک کو چار چاند لگے۔ گورا کھال میں ٹریننگ کیمپ کھلا۔ یوپی کے تقریباً سب ہی اضلاع سے رضا کار گئے اور ان کو باقاعدہ ٹرینڈ کیا گیا۔ فخر قوم خود ایک ماہ تک گورا کھال میں مقیم رہے۔ فخر قوم اور مہاراجہ کمار موصوف نے فیض آباد، اعظم گڑھ، غازی پور، جونپور اور دیگر اضلاع کا دورہ کیا۔ جس میں ان رضا کاروں نے بڑی تنظیم کے ساتھ کام کیا۔

مدھیہ پردیش میں جہاں اب تک کانفرنس کا کوئی اجلاس نہیں ہوا تھا وہاں 1946 میں بمقام دموہ لسان القوم مولانا صفی مرحوم کے زیر صدارت اجلاس ہوا۔ اس کے بعد صوبہ مدراس میں کانفرنس کی آواز بڑھی اور اس کے اغراض ومقاصد کی اشاعت ایسی ہوئی کہ مسولی پٹم کے مقام پر بڑے آب وتاب کے ساتھ اس کا اجلاس زیر صدارت مسٹر حسین بھائی لال جی منعقد ہوا۔ اس کی اہم تجاویز وفد کے ذریعہ پریمیئر آف انڈیا کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ گورنر بنگال کو

ہگلی کے امام باڑہ میں لاکر اس کے وقف کے متعلق فخر قوم نے شیعوں کا مطالبہ پیش کیا۔

تقسیم سے قبل جو 1947ء میں لداخ، گلگٹ اور بلتستان میں شیعوں پر زیادتی کی تحقیقات کرنے کی غرض سے فخر قوم کشمیر گئے تھے مگر اس وقت کشمیر کے وزیر اعظم رام چندر کاک کے کالا قانون سے مجبور ہو کر آپ نے لداخ جانے کا فیصلہ ترک کر دیا۔ کشمیر میں فخر قوم کی آمد کی خبر سن کر سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں غریب کشمیری شیعہ آپ کے جائے قیام پر ملنے کی غرض سے اکٹھا ہوئے۔ سری نگر میں فخر قوم نے شیعوں کے ایک جلسہ کو خطاب کیا اور امامیہ ہائی اسکول کے طالب علموں نے آپ کو شاندار گارڈ آف آنر دیا۔

تقسیم ہند کے بعد جنوری 1947ء میں کانفرنس کا یادگار اجلاس ہوا جس میں فخر قوم نے جو اس وقت انکم ٹیکس ٹریبیونل کے جوڈیشل ممبر بھی تھے کشمیری شیعوں کے مطالبات پر تقریر کرتے ہوئے کشمیر میں ''امامستان'' کے امکانات پر بلیغ اشارہ کیا تھا اور جسے پٹنہ کے انگریزی روزنامہ انڈین نیشن اور سرچ لائٹ'' نے جلی حرفوں میں خود ساختہ سرخی کے ساتھ چھاپ کر پٹنہ میں موجود مرکزی وزیر داخلہ آنجہانی سردار پٹیل کو شیعوں کی مفروضہ دھمکی سے باخبر کیا تھا۔

تقسیم کے بعد جب کہ اقلیتی فرقے کے بیشتر ادارے ختم ہو گئے۔ آل

انڈیا شیعہ کانفرنس کے سالانہ اجلاس تمام اقطاع ہند میں برابر اسی کامیابی کے ساتھ ہوتے رہے اور مذہبی ،اقتصادی ،معاشی ،تعلیمی مسائل پر تجاویز پاس ہوتی رہیں ۔اوقاف شیعہ کے تحفظ کے لیے قوانین بنوانے اور ان کے نگراں بورڈ قائم کرانے میں فخر قوم کی انتھک کوششوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ الہ آباد، لکھنؤ، جانسٹھ، دلی ، میرٹھ ،کلکتہ، مدراس ،حیدرآباد اور جونپور کے اجلاس تک فخر قوم نے اکپنی منصرمی کے پینتیس سال اور اپنی قومی وملی خدمات کے باسٹھ سال پورے کیے ہیں۔سترہ سالہ نوعمر کالج کا طالب علم اپنے محبوب قومی ادارہ سے ایسے نیک اور صالح جذبہ کے ساتھ منسلک ہوا تھا کہ آج تک صرف ایک اجلاس میں (فلاکت کے باعث) شرکت نہ کرسکا۔حق کی بات تو یہ ہے کہ آج بھی اس متقی سالہ قومی رہبر کا موازنہ اگر اس سترہ سالہ نوعمر کلب عباس سے کیا جائے تو جوش وانہماک ، ہمت واستقلال میں سرِ موفرق نہ ملے گا۔فخر قوم کی باسٹھ سالہ بیش قیمت قومی وملی خدمات اور قوم پر ان کے عظیم احسانات کے پیش نظر جونپور کے اجلاس میں افراد ملت نے موصوف کے قومی خدمات کی ڈائمنڈ جوبلی آئندہ اجلاس کے ساتھ منانے کا فیصلہ کیا ہے۔میں بہ حیثیت کنوینر فخر قوم ڈائمنڈ جوبلی کمیٹی محررہ بالا اتفاق سطور کے ساتھ تمام عمائدین واکابرین ملت شرکائے کار صاحبان استطاعت اور تمامی افراد ملت سے فخر قوم کی ڈائمنڈ جوبلی کے لیے دامے، درمے، قدمے، سخنے ہمدردی اعانت، سہارا

،امداد اور تعاون کی اپیل کرتا ہوں اس تحریک کو عملی جامہ پہنا کر کامیاب بنانا آپ کا اہم ملی فریضہ ہے۔

امام باڑہ جانی میاں صاحب پھلواری میں ایک جلسہ

سرفراز لکھنؤ۔ جلد ایک شمارہ پانچ ۱۱ صفر ۱۳۴۴ھ

جناب سید عبدالحمید صاحب بذریعہ ایک مراسلہ کے مطلع فرماتے ہیں کہ ۲۵ محرم محرم الحرام کو امام باڑہ مذکور میں ایک جلسہ بصدارت صاحبزادہ شاہ غلام حسنین صاحب پھلواری منعقد ہوا جس میں مقامی حضرات کے علاوہ بانکی پور اور پالی کے اکثر معزز حضرات بھی شریک تھے جناب صدر کی ایک موثر تقریر کے بعد حسب ذیل تجویز پیش ہوکر باتفاق آرا منظور ہوئی۔

مسلمانان پھلواری شریف کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ امام باڑہ جانی میاں صاحب کو جو گردش زمانہ سے اب مسمار ہو رہا ہے از سر نو تعمیر کیا جائے اور اس غرض کے لیے ایک کمیٹی بنام ''کمیٹی تعمیر امام باڑہ جانی میاں صاحب'' منتخب کی جائے جو اس کام کے لیے ایک سرمایہ فراہم کرے اور اپنے اہتمام سے تعمیر کا کام انجام دے کمیٹی کا سرمایہ گورنمنٹ سیونگ تک ڈاکخانہ پھلواری شریف میں صدر کمیٹی کے نام سے جمع رہے گا اور کمیٹی کی تجویز کے مطابق صدر بقدر ضرورت روپیہ برآمد کر کے منتظم خاص کے حوالے کیا کرے گا جس کو کمیٹی اس کام کے لیے منتخب کرے گی۔ کمیٹی کے عہدہ داران حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

صدر۔ مولوی سید آل حسن صاحب اعجاز فرزند ارجمند مولانا سید خورشید

حسین صاحب وکیل ناظم جناب حافظ نظام الدین صاحب نائبین ناظم مولوی محمد؟؟؟ صاحب مولوی فضل حق صاحب وسید عبدالحمید صاحب۔

ڈیڑھ سو روپیہ چندہ کا بروقت وعدہ ہوا جس میں پچاس روپیہ جناب صدر کمیٹی یعنی حضرت اعجاز نے اپنی جانب سے اور مبلغ پچاس روپیہ انجمن حسینی پالی (جس کا تذکرہ مراسلہ میں درج ہے) کی طرح ایسے کاموں میں حصہ لیتی ہو مراسلہ مذکور کے دوناموں کو پڑھ کر جناب کی تغفی ہوجائے گی کہ ایک معتبر جماعت نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ جلسہ کے صدر حضرت مولانا قاری سید شاہ محمد سلیمان صاحب قبلہ مدظلہ پھلواروی کے منجھلے صاحبزادے تھے اور کمیٹی کے مستقل صدر صوبہ بہار کے مشہور اثنا عشری لیڈر مولانا حاجی سید خورشید حسین صاحب کے فرزند ارجمند ہیں اس زمانہ میں وہابیت اور دیوبندیت کی آندھیوں کے پس پردہ ناصبیت پھیل رہی ہے ایسے وقت میں ایسے امام باڑے اور ایسی مجلسیں جو شیعہ اور محب اہل بیت سنیوں کا لفظ اتحاد ہوں خاص طور سے توجہ کے لائق ہیں اور اسی کے ذریعہ پھیلتی ہوئی ناصبیت کو روکا جاسکتا ہے۔

سرفراز لکھنؤ۔ جلد ایک شمارہ پانچ ۱۱ صفر ۱۳۴۴ھ

چند ہندو اہیروں کی تعزیہ کی بابت دلچسپ گفتگو

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ آج کل ہندوؤں میں تعزیہ داری کا بڑا اہتمام ہو رہا ہے کیونکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ دیہات کے کروڑوں مسلمانوں میں صرف تعزیہ داری ہی ایک ایسی چیز ہے جو ان کے اسلامی جوش کو ہر سال تازہ کرتی رہتی ہے اور اپنے دائرہ اسلامی سے نکلنے نہیں دیتی اور شدھی کی حکمت عملی چلنے نہیں پاتی اس لیے یہ پالیسی اختیار کی گئی ہے کہ تعزیہ داری بند کرا کے دیہاتی مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کر دو تا کہ کارروائی شدھی میں آسانی ہو جائے اور مسلمانوں کا پرجوش گروہ مفقود ہو جائے۔ غالباً اسی خیال کا اعلان اس طریقہ پر ہو رہا ہے جس سے مسٹر ہردیال صاحب نے اسلامی دنیا کو بے چین کر دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہ بندش تعزیہ داری مختلف طریقوں سے کی جا رہی ہے منجملہ ان طریقوں کے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ ہندو زمینداروں کے ذریعہ سے ان کی رعایا پر ناجائز ڈالا جاتا ہے۔ گذشتہ عشرہ سے قبل ہمارے ضلع کے ایک بڑے ہندو زمیندار صاحب نے اپنی ہندو مسلمان رعایا کو بلا بلا کر تعزیہ داری کی ممانعت کی۔ ایک گاؤں کے اہیر ذات کے لوگ بھی جو پشتہا پشت سے تعزیہ اداری کرتے چلے آئے ہیں طلب ہوئے ان سے رئیس صاحب نے کہا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کا جھگڑا ہے تم کو اپنے دھرم کے موافق چلنا چاہئے، تعزیہ داری چھوڑ دینا چاہئے۔ جب رئیس صاحب نے دیکھا کہ یہ لوگ رضامند نہیں ہیں تو انہوں نے ان سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں حضور ہم ہندو ہیں۔

پوچھا کہ پھر تم مسلمانوں کے دیوتا کو کیوں مانتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ

''مسلمانوں نے کیا اس دیوتا کو مول لے لیا ہے جو دیوتا ہوتا ہے وہ سارے سنسار کا ہوتا ہے ہمارا بھی ہے اور مسلمان کا بھی ہے۔''

رئیس صاحب نے ترش رو ہو کر دریافت کیا کہ مسلمان تمہارے کئی دیوتاؤں کو مانتے ہیں جواب دیا کہ

''مسلمان بے دھرم ہیں وہ نہیں مانتے تو نہ مانیں اپنے کرموں کا پھل پائیں گے۔ ہم کیوں بے دھرم ہو جائیں۔ آخر کار رئیس صاحب نے ان کو دھمکی دی کہ ہم تم سے اپنا گاؤں خالی کرا لیں گے انہوں نے کہا کہ ''تعزیہ داری نہ چھوڑیں گے گاؤں چھوڑ دیں گے۔

مرسلہ سید محمد اکبر رضوی

آنریری سکریٹری انجمن رضویہ سیتاپور

ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۱ شمارہ ۱۱ صفر ۱۳۴۴ھ

کارروائی انجمن اطبائے لکھنؤ ۲۴/اگست سنہ ۱۹۲۵

آپ کو معلوم ہوگا کہ یوپی گورنمنٹ نے ازراہ مہربانی قدیم علم آیورویدک وطب یونانی کی ترقی واصلاح کا ارادہ کیا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں اطبا سے مشورہ طلب کیا ہے کہ ترقی واصلاح کے لیے کونسی تدابیر مناسب ہیں۔ چنانچہ ان سوالات کا جواب دینے کے لیے انجمن طبیہ صوبہ جات متحدہ کا اجلاس بتاریخ ۱۴۔۱۵۔۱۶/اگست بمقام رفاہ عام لکھنؤ منعقد ہوا۔ انجمن نے سوالات مرسلہ گورنمنٹ کے جو جواب تجویز کیے تھے ان سے اطبا لکھنو کی ایک موقر ومقتدر جماعت کو اختلاف تھا اور اس اختلاف کو انہوں نے اپنی خاص انجمن کے جلسہ میں بتاریخ ۱۰/اگست ۱۹۲۵ باتفاق ظاہر کر کے ایک جداگانہ مسودہ جوابات ترتیب دیا انجمن طبیہ صوبہ جات متحدہ کی سلیکٹ کمیٹی نے ان اختلافات کو تسلیم کرلیا باوجود تسلیم کر لینے کے اپنے تیار کیے ہوئے مسودہ کو بغیر ان ترمیموں کے اجلاس کو ۱۴، ۱۵، ۱۶/اگست میں پیش کر دیا۔ انجمن مذکور کے پیش کیے ہوئے مسودہ میں جن امور سے انجمن اطبائے لکھنؤ کو اختلاف ہے وہ ذیل کے رزولیوشن میں مندرج ہیں۔ یہ رزولیوشن بتاریخ ۲۲/اگست ۱۹۲۵ عام جلسہ انجمن میں بصدارت عالی جناب خان بہادر حکیم مرزا نظیر حسین خان صاحب سپرنٹنڈنٹ شفاخانہ شاہی

وآنریری مجسٹریٹ لکھنؤ پاس ہوئے۔ جلسہ چار بجے شروع ہوا اولاً تحریک صدارت حکیم ممتاز حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ نے کی اور عالی جناب حکیم محمد وہاج الحق صاحب پرنسپل وہاجیہ کالج فرنگی محل لکھنؤ نے تائید کی اس کے بعد حکیم سید دلدار حسین موہانی نے اپنی تقریر میں غرض انعقاد جلسہ کی توضیح کی۔

۱۔ اس جلسہ میں لکھنؤ کے بیشتر نامی وگرامی اطبا باستثنائے بعض شریک تھے مثلاً جناب حکیم محمد وہاج الحق صاحب پرنسپل طبیہ کالج فرنگی محل لکھنؤ، جناب حکیم مظفر حسین صاحب، حکیم سید احمد حسین صاحب مدرسین طبیہ کالج لکھنؤ وجناب حکیم مرزا محمد نقی صاحب عرف مجن صاحب طبیب ریاست رام پور وجناب حکیم مرزا محمد جعفر حسین خان صاحب طبیب اول شفاخانہ شاہی وجناب حکیم مرزا حسن رضا خان صاحب عرف چھٹن صاحب وجناب حکیم مرزا محمد علی صاحب عرف اغن صاحب، پروفیسر طبیہ کالج وجناب حکیم سید محمد قاسم صاحب عرف صاحب عالم صاحب مالک دواخانہ معدن الادویہ وجناب حکیم سید محمد عباس صاحب مرادآبادی وغیرہ ودیگر اطبائے کرام جن کی تعداد تقریباً ۶۰ تھی تشریف فرما تھے۔

سرفراز لکھنؤ جلد ایک شمارہ ۷۔ ۲۲ صفر ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۴/ستمبر ۱۹۲۵ صفحہ نمبر ۴

شیعہ اوقاف

فخر قوم مولوی سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ

وقف حسین آباد۔ ڈاکخانہ جپلا۔ ضلع پلامون بہار

قصبہ حسین آباد میں ۶ مسلم مواضعات کا ایک وقف جناب واصلہ بیگم صاحبہ زوجہ نواب غلام حسین خان صاحب مرحوم نے بفرض پرورش امداد غربا و مومنین و نیز کارہائے خیر کے لیے کیا ہے جس کا انتظام ایک عرصہ سے ابتری میں ہے اس کے متعلق سابق میں بھی کئی مقدمات ہو چکے ہیں اور اب صاحب جوڈیشیل کمشنر بہادر اس کے نگرانِ اعلیٰ ہیں۔ بوجہ بدنظمی مقامی مومنین تقریباً کئی سال سے اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہیں۔

سب سے پہلی کارروائی مومنین حسین آباد نے یہ کی کہ صاحب جوڈیشیل کمشنر بہادر چھوٹا ناگپور سے متواتر استدعا کر کے وقف مذکور کے حسابات کی جانچ ڈپٹی کمشنر بہادر پلامون کے متعلق کرادی۔ اسی بنا پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے ایک ڈپٹی کلکٹر کو حساب کی جانچ کے لیے جنوری ۱۹۲۵ء میں تعین کیا ڈپٹی صاحب موصوف حسین آباد تشریف لائے اور بعد جانچ واپس پلامون گئے۔

موصوف کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ آمدنی وقف کا مصرف جائز نہیں ہو رہا ہے اور وہ بیجا طور پر ضائع و برباد کی جا رہی ہے۔ موصوف نے اپنی رپورٹ میں عام مومنین پلامون کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے حسب ذیل تجاویز اصلاح پیش کی۔

۱۔ بدنظمی کو روکنے کے لیے اور روپیہ کو ضائع ہونے اور بیجا صرف سے بچانے کے لیے اور نیز اس لیے کہ موجودہ متولی کے کاروبار متعلق وقف کی کافی دیکھ بھال کی جائے اور اس خیال سے بھی

کہ متولی خیرات اور وظائف پانے والوں کے نام تبدیل کرنے میں بلا کسی خوف کے ان پر اختیارات کو کام میں لا سکے کسی نہ کسی قسم کی نگرانی کی اشد ضرورت ہے۔

۲۔ یہ کہ حسین آباد اور اس کے قریب کے شیعہ فرقہ کے مسلمانوں کی ایک مشورہ کی کمیٹی کا تقرر فوراً کیا جائے اور اس کی منظوری لی جائے جو متولی کو ضروری امور میں اور خصوصاً اختیار کے موقعوں پر یا ان موقعوں پر جہاں اصطلاحات کی یا مواضعات وقف میں درستی اور ترقی کی ضرورت ہو ہمیشہ مدد کر سکے۔

۳۔ یہ کہ اختیارات متولی بابت عطیہ زر خیرات و وظائف و اخراجات مسافران جو بکثرت شہر کی ہر گلی میں پھرتے ہیں و مصارف تجہیز و تکفینی محدود کر دیئے جائیں یہ مجلس مشورہ ایک سہ ماہی (میٹنگ) یا نشست متولی کو صدر بنا کر اختیارات دے دیئے جائیں۔

متولی صاحب خود نہیں آئے البتہ ان کے والد جو کہ ان کے مختار عام بھی ہیں اور متولی کے خسر صاحب بھی آسودہ تھے اور طرفداران متولی بھی موجود تھے۔ جائے ساتھ ہمارے فخر قوم و ہمدرد وقف مولوی سید مختار حسین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ دربھنگہ (جو ان دنوں زیر رخصت تھے) تشریف لے گئے تھے۔ متولی کے وکیل نذیر احمد صاحب نے عدالت سے استدعا کی کہ مجھے بھی منجانب متولی حاضر عدالت رہنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ عدالت نے ان کو موجودگی کی اجازت دی۔

چونکہ ہم خواستگاران اصلاح وقف کی ناداری کی وجہ سے کوئی وکیل ہماری طرف سے نہ تھا بڑا اندیشہ ہم لوگوں کو پیدا ہو گیا تھا سوائے یاد الٰہی کے کیا چارہ کار تھا۔ شکر خداوند عالم کا کہ ان سے ہم حق کو شیعوں کی سنی اور داد دی اتفاقیہ مسٹر سید اظہر حسین بیرسٹر ایٹ لا ہائی کورٹ ایک مقدمہ سیشن میں آ گئے بیرسٹر صاحب ممدوح ہمارے سید مختار حسین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے کالج فیلو علی گڑھ میں تھے۔

جناب ڈپٹی صاحب موصوف نے بیرسٹر صاحب ممدوح کو تمام کاغذات دکھلائے۔

باوجود تکان سفر کے اور کار عدالت کے بھی جناب بیرسٹر صاحب ممدوح نے نہایت کشادہ پیشانی سے کل کاغذات ملاحظہ فرمائے ادھر ڈپٹی صاحب موصوف نے صاحب جوڈیشیل کمشنر بہادر کو اطلاع کرائی کہ میں مع گیارہ اشخاص کے بحیثیت مدعی حاضر در عدالت ہوں اس پر صاحب جوڈیشیل بہادر نے جواب دیا کہ اس وقت میں مقدمہ ششن میں مشغول ہوں آپ لوگ فریقین پانچ بجے شام کو سرکٹ ہاؤس میں آئے اور بہتر ہوگا کہ باہم تصفیہ کر لیجئے۔ اس جواب کے ملنے پر جائے ہمدرد ومہربان بیرسٹر صاحب ممدوح نے بعد معائنہ کاغذات مندرجہ ذیل چھ شرطیں بغرض باہمی تصفیہ کے لکھی اور ہم لوگوں کے ساتھ سرکٹ ہاؤس از خود جانے کی زحمت گوارہ فرمائی اور بروقت ملاقات صاحب جوڈیشیل کمشنر بہادر سے کہا کہ چونکہ آپ کا منشا باہمی تصفیہ کا ہے لہٰذا ہم لوگ بھی بدل صلح پر آمادہ ہیں۔ اسی بنا پر چھ شرطیں میں نے لکھی ہیں اگر آپ بھی پسند فرمائیں تو انہیں میں سے کسی ایک کو بھی متولی منظور کر لیں۔

صاحب جوڈیشیل بہادر نے بعد ملاحظہ ان شرائط کو پسند فرمایا اور وکیل متولی سے کہا کہ ان میں سے کسی ایک شرط کو منظور کیجئے کیونکہ یہ شرائط نیک نیتی پر مبنی ہیں وکیل متولی نے یہ کہہ کر ٹالا کہ حضور یہ لوگ تیار ہو کر آئے ہیں ہم کو غور کا موقع دیا جائے۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ آپ بھی کل صبح تک تیار ہو کر جواب دیجئے یا اگر کچھ شرائط کرنا ہے تو کل ہی پیش کیجئے۔ وکیل متولی نے کہا کہ مجھ کو شرائط کوئی پیش کرنا نہیں البتہ یہ عذر ہے کہ متولی اس وقت موجود عدالت نہیں ہے اس کو منظوری وعدم منظوری کے لیے کافی موقع دیا جائے۔

جب تاریخ پیشی گذر گئی اور میرے تار کا کوئی جواب نہ ملا تو میں نے دفتر وقف سے ایک خط سید محمد عسکری صاحب رضوی موصوف کو بھجوا دیا اس کا جواب موصوف نے دیا وہ مجھے ۲۹/اگست ۱۹۲۵ء کو موصول ہوا اس کا ضروری جز ہدیۂ ناظرین ہے۔ دو اول آپ کا تار اور بعد ۵ خط مورخہ ۱۸/اگست ۱۹۲۵ء کو ملا۔ ۱۹/جولائی کو مقدمہ پیش ہوا مگر تاریخ بڑھا دی گئی۔ اب تاریخ پیشی ۷/

نومبر ۱۹۲۵ء مقرر ہوئی ہے۔ تاریخ پیشی کے قبل مع کل کاغذات کے میں رائے بریلی آپ کی خدمت میں آؤں گا اور جناب کو زحمت دوں گا کہ اس پیشی پر ضرور آئیں۔ اگر مناسب سمجھا جائے تو اس وقت تک کے حالات وقف اخبارات میں دے دیجئے۔

حضرات! اس معاملہ میں بغرض تحفظ وقف مومنین حسین آباد ہر طرح کی واقعی اعانت کے مستحق ہیں خداوند عالم ان حضرات کی مدد فرمائے اور حق کو حق و باطل کو باطل جلد ظاہر و روشن فرما دے۔ میں بحیثیت سکریٹری صیغہ وقف شیعہ کانفرنس آپ حضرات سے مومنین حسین آباد کی ہر قسم کی خصوصاً مالی مدد کے لیے اپیل کرتا ہوں۔

آپ کا صیغہ وقف انہی کم مائیگی سے تاوقتیکہ آپ حضرات توجہ نہ فرمائیں اس وقف کی کیا کسی وقف کی بھی درستگی میں مالی امداد نہیں کر سکتا۔

میں بحیثیت سکریٹری صیغہ وقف شیعہ کانفرنس و نیز ذاتی طور پر ابھی ہم پیشہ و محسن قوم مسٹر سید اظہر حسین بیرسٹر کا اس معاملہ خاص کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حافظ حقیقی ہمیشہ موصوف کو ہر امر میں فائز و کامیاب کرے۔ ساتھ ہی جناب موصوف سے یہ بھی استدعا کروں گا کہ براہ مہربانی جب آپ نے اس کار خیر میں ہاتھ ڈالا ہے تو تا اختتام اس مرحلہ سے نظر لطف وعنایت نہ پھیریئے گا۔ کاش ہمارے دیگر ہم پیشہ حضرات بھی وہ خواہ کہیں ہوں تھوڑی سی توجہ فرمائیں تو تمام شیعہ اوقاف اپنے اپنے مقامات پر غالباً درست ہو جائیں اور خائن و غاصب متولیان کے دست برد سے نکل آئیں۔

حضرات! اصلاح اوقاف میں مومنین حسین آباد قابل تقلید ہیں جو باوجود اپنی عسرت کے ان کے کارنامے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

حد ہستی بہت کچھ نیستی تک کھینچ لائے ہیں
ملا دیں گے کسی دن دیکھنا منزل کو منزل سے

راقم

خادم قوم:۔احقر سید کلب عباس نقوی بی اے، ایل ایل بی۔وکیل سرکار

آنریری سکریٹری صیغہ وقف آل انڈیا شیعہ کانفرنس، لکھنؤ

سرفراز لکھنؤ جلد ایک شمارہ ۷۔ ۲۲ صفر ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ نمبر ۵

شیعوں کے تنظیم کی صدا

شیخ ممتاز حسین جونپوری صاحب جونپوری

کسی قوم یا فرقہ یہاں تک کہ ایک گھر کے رہنے والوں کی ترقی کا راز صرف یہ ہے کہ اس کے تمام افراد چاہے ایک جگہ نہ بھی ہوں مگر جہاں کہیں ہوں ایک خاص مشترکہ اور مقررہ اصول اور ضابطہ کے تحت میں ہو کر اپنے ایک رہبر یا لیڈر کے چشم وابرو کے اشارہ سے کام کریں یہی تنظیم ہے اور اس کی بڑی ضرورت اس جماعت کو ہے جو مثل شیعوں کے قلیل التعداد ہو اور جس کو اپنے مذہبی اصول اور دنیاوی زندگی کے بسر کرنے میں غیروں سے مقابلہ کی سخت ضرورت پڑتی ہو شیعوں میں تنظیم نہ ہونے سے طرح طرح کی دشواریاں ہیں اور ان کا سارا وقت اور ساری قوتیں آپس کے نزاعات میں میں صرف ہو جاتی ہیں۔ایک بہت چھوٹی سی مثال لیجئے کہ شیعوں میں اکثر افراد انما المشرکون نجس و پر عمل پیراہن اور کچھ نہیں بھی ہیں جس طرح اس عنوان کے مسئلہ میں غیروں کے یہاں تنظیم ہے وہ ان میں نہ ہونے سے عملی اثر ہوتا ہے اور ہوا کہ اکثر افراد ایسے پرہیز گار شیعوں اور ان کے فرقہ سے ایک قسم کا مخصوص جذبہ عناد دل میں پیدا کیے بغیر نہ رہ سکے اور ایک شیعہ کی مخالفت اس غلط فہمی کے بنا پر سب اوقات کی جاتی ہے کہ اس کا یہ فعل احکام مذہب کی پابندی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ بر بنائے تعصب خیال کر لیا گیا ہے غیروں کی اچھی حتی کہ بری باتیں بھی تنظیم کی وجہ سے ایسی صورت اختیار کر چکی کہ اس کے خلاف کچھ کہنا بھی گناہ ہے اور شیعوں کی اچھی باتیں بھی بری ہو گئیں۔شیعوں کے دنیاوی زندگی میں بہت سی مثالیں تنظیم کے سراسر خلاف ملتی ہیں اور برے نتائج ظاہر ہیں۔ایک غریب شیعہ سے ملاقات اس سے ہمدردی اس کے موت وزیست کے بے شمار کاموں اور اس کے دیگر حقوق اور معاملات سے ایک بلند پایہ شیعہ کو کمتر دلچسپی ہوتی ہے اور اس کو یہ

کھٹکا لگا رہتا ہے کہ اس اخلاقی اور مذہبی فرض کے پورا کرنے میں لوگ اس کو کسی خاص لقب سے کہیں یاد نہ کرنے لگیں۔ دوسرے جو کچھ چاہیں کریں لیکن ہم کو اپنے حال پر آنسو بہانے اور فریاد کرنے کا بھی حق نہیں بقول شخصے

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

انگریزی درسگاہیں، دفاتر، کچہریاں اور مختلف صیغے ایک ایک مرقع ذہن جہاں اکثر قلیل التعداد فرقوں کی نیابت کرنے والا کوئی نہیں۔ میونسپلٹی کے انتخاب اور اور کونسل کے نیابت میں جانے مانے اکثر قابل ترین افراد صرف اس وجہ سے ناکام رہے کہ ہم میں تنظیم نہیں اور ہمارے خلاف جو کچھ کہہ دیا گیا اس پر یقین کر دیا گیا۔ تنظیم کی آرزو ہمیں اس لیے نہیں ہے کہ کسی ناجائز جنگ اور جہالت کا پروپیگنڈہ کرنے کا کوئی خیال دل میں رکھتے ہیں بلکہ ہمیں تنظیم کی ضرورت اس لیے کہ ہم مل کر ہم اپنے جائز حقوق کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوں اور ان جائز حملوں کو روکیں جس کی وجہ سے نفاق کے شرارے تیز ہو جاتے ہیں اور نہ صرف شیعوں میں باہم دگر اور نہ صرف اسلامیوں میں باہم دگر بلکہ مختلف اقوام ہند باہم دگر اعتدال قائم کرنے میں تنظیم کے اثر سے کام لیا جا سکتا ہے اس وقت کی یہ حالت ہے کہ ایک اس گوشہ میں پٹ رہا ہے تو دوسرے پر ادھر حملہ ہے۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ دوسرے سے ہمدردی کرے۔ انفرادی حقوق کے ساتھ قومی حقوق بھی پامال ہو جائیں مگر کوئی صدائے احتجاج بلند کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں اگر کوئی انجمن ہو تو اس سے یہ کام اچھی طرح لی جا سکتا ہے اگر اس کی آواز بھی دبا دی جائے تو انجمن اپنے نمائندوں کے ذریعے سے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے صدائے احتجاج بلند کر سکتی ہے۔

اس کے سمجھنے کے لیے کشمیر کی انجمن امامیہ کی مثال سے سبق لیا جا سکتا ہے یعنی کشمیر میں ذوالجناح روکا گیا۔ وہاں ایک انجمن بھی اس نے پوری قوت سے کام لیا، ناکامی ہوئی۔ اس کے

نمائندوں نے شیعہ کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں صدائے احتجاج بلند کی اور شیعہ کانفرنس اور اس کی مرکزی کمیٹی نے مسلسل اور لگاتار سعی کی بالآخر حسب دلخواہ کامیابی ہوئی۔ یہ محض مقامی انجمن کے وجود کا اثر تھا کہ اس نے اس طرح کام کیا اور اپنے قوم کی تمام قوتوں سے کام لے لیا اور وہی ہوا جو شیعوں کی خواہش تھی۔

یہ ہماری داستان غم کا ایک پھٹا ہوا ورق تھا جس سے دو ایک باتیں سنا دی گئیں ورنہ یہ قصہ بہت طولانی ہے نہ اس کو ہم کھل کر کہہ سکتے ہیں اور نہ آپ سن سکتے ہیں۔

میرے کہنے کی نہ پوچھو اپنے سننے کی کہو
ورنہ میری داستان غم ہے طولانی بہت

ایک وہ وقت تھا کہ قریہ قریہ میں ہم جا کر چھپے۔ اپنے کو بدلتے بدلتے ایسا بدل دیا کہ اب ہم وہ ہم ہی نہیں رہے۔

ایک ہم ہے کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تقدیر بنا آتی ہے

اب اس کا ماتم تا کجا اور اس تقدیم پارینہ کی ورق گردانی کب تک۔ ہر شیعہ جانتا ہے کہ اس کو اب دنیا میں اور قوموں کے دوش بدوش ترقی کرنا ہے تنازع للبقا کا وقت ہے اور یہی وقت ہے جد و جہد میں جو سنبھل جائے گا وہی اس سیلاب حوادث سے بچ کر اپنی ہستی قائم رکھ سکے گا ورنہ پدرم سلطان بود اور شریعت ما اکمل است کا ترانہ کچھ کام نہ آئے گا ہم محض فخر و مباہات پر فرضی خوشی مناتے رہ جائیں گے اور دنیا کی قومیں ہم کو کچلتی ہوئی آگے بڑھ جائیں گی۔

تنظیم میں مدد کے لیے اخبار ایک زبردست آلہ ہے بحمداللہ اخبار سرفراز آپ کے کام اور آپ کے ارادہ میں مدد کے لیے خود آپ کے قومی ارادہ نے جاری کر دیا اس کو ہاتھوں ہاتھ لیجئے اور اپنی قوت آپ بڑھایئے۔ اس کے ذریعہ سے قریہ قریہ تک اپنی صدا پہنچایئے۔ تسبیح کے بکھرے

ہوئے دانہ کی طرح اپنے دور افتادہ بھائیوں کو ایک سلک خیال میں پرو دیجئے۔

سب سے بڑا کام جو آپ کو کرنا ہے وہ یہ بات سمجھ لینا ہے کہ آج کل جمہور کہ متفقہ آواز سے جو صدا بلند کی جاتی ہے اس پر زیادہ توجہ کی جاتی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ قریہ قریہ میں شیعوں کی انجمن وہاں کے حضرات مل کر قائم کریں اور جہاں انجمنیں قائم ہیں وہاں کے نظام عمل کو اور تقویت و مستحکم بنایا جائے۔ مقامی انجمنیں اپنے جوار کے حالات اور ضروری باتوں سے دفتر شیعہ کانفرنس کو مطلع کر دیا کریں۔ یہ اتنی مدد اپنے آپ خود ہے۔ اگر ہر جگہ کے حضرات اس کام پر تیار ہو جائیں تو جس طرح اور اقوام کی انجمنوں نے بڑے بڑے کام اپنی شیرازہ بندی سے کر لیا ہے تو ممکن نہیں کہ آپ اس سے محروم رہ جائیں۔ غور کیجئے کیا اب اور اس سے زیادہ دردناک اور المناک وقت آ سکتا ہے کہ ارض حجاز میں اسلام کے مقدس مقامات اور زیارت گاہوں کو نجدیوں اور ابن سعود کی فوج مسمار کر چکی۔ روضہ رسول صلعم پر بھی گولہ باری ہو چکی کیا اب بھی آپ تنظیم کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ یہ وقت ہے کہ انجمن اگر قائم نہیں ہے تو قائم کی جائے اور جلسے کیے جائیں اور اس حادثہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جائے اور اپنے حقوق طلب کرنے میں حصہ لیا جائے۔ باہمی اختلافات کو بالائے طاق کر کے اس وقت تمام مسلمان متفقہ آواز سے صدائے احتجاج بلند کریں ہر فرقہ اور طبقہ کے مسلمان مل کر اور فرقہ وار بھی الگ الگ جلسے کریں اور اس مقصد میں متحد ہو کر ہم خیال اور ہم آواز ہو جائیں۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ یہ ہماری خاموشی اور غفلت کا نتیجہ ہے کہ آج یہ روز بد دیکھنے کی نوبت آئی۔ ابھی آپ کو بہت کچھ کرنا ہے اس لیے یہ عاجزانہ اپیل ہر قریہ اور ہر شہر کے برادران ملت سے ہے کہ آپ ایک ایک مقامی انجمن قائم کر کے تنظیم میں مدد دیں اور اپنے ضروریات سے مطلع فرماتے رہیں۔

اخبار سرفراز اور شیعہ کانفرنس تمام مقامی انجمن کے لیے ہر امکانی امداد کو تیار ہے اور امید کی جاتی ہے کہ اس صدا پر اس زمانہ میں ہر جگہ کے حضرات دل سے توجہ فرمائیں گے۔

سرفراز لکھنؤ جلد ایک شمارہ ۷۔ ۲۲ صفر ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ نمبر ۵

اخبار سرفراز کا خیر مقدم

جناب من! موجودہ زمانہ میں جبکہ جدید تمدن نے زندگی کے ہر شعبہ کو قریب قریب اپنا دست نگر بنا رکھا ہے اس کا اظہار مشکل سے کیا جا سکتا ہے کہ اچھے اخبارات سے قومی نشوونما کے لیے نہایت ضروری عناصر ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قوم کو اخبار بینی کا شوق نہیں ہوتا اس کے ملی احساسات نہایت کمزور ہوتے ہیں اس کے سیاسی خیالات ناآشنائے ترتیب ہوتے ہیں۔ اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہوتا جو اس کے سیاسی افکار و اعمال میں پختگی پیدا کر سکے۔ اگر حسن اتفاق سے اس قوم میں کچھ ایسے افراد نکل آئیں جنہیں کسی نہ کسی طرح اخبار بینی کا ذوق پیدا ہو گیا ہے تو انہیں مجبوراً دوسرے اخبار کی طرف اپنی ''اخباری تشنگی'' بجھانے کے لیے جھکنا پڑتا ہے اور اس کا ایک واضح نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ستر فیصدی افراد غیر محسوس طریقہ سے تمام سیاسی و قومی معاملات کو اس نقطہ نظر سے دیکھنے لگتے ہیں جسے ان کے مذہبی و قومی مفاد سے نہ صرف اجنبیت بلکہ مخالفت ہوتی ہے اور اس طرح اس قوم کے بہت سے کارآمد افراد چھن جاتے ہیں اور اس کا قومی شیرازہ ضعیف ہوتا چلا جاتا ہے۔

شومی طالع سے ہماری شیعہ قوم کی یہی حالت ہے اس کے پاس کوئی اچھا اخبار نہیں ہے۔ عام طور سے اس کے افراد ملکی و قومی سیاسیات سے بے خبر ہیں۔ اس کے اچھے خاصے پڑھے لکھے دماغ ان امور میں قریب قریب غیر ترتیب یافتہ ہیں ان سے چند منٹ کسی مسئلہ پر گفتگو کیجئے ناممکن ہے کہ ان کی سادگی فہم کا یقین نہ ہو جائے یہ قابل افسوس حالت کیوں ہے صرف اس لیے کہ ان کی

نگاہوں میں اخبار بینی نامشکور اور ایک لاحاصل مشغلہ ہے۔

میرے دل میں عرصہ سے تمنا تھی کہ شیعوں کے مرکز لکھنؤ سے کوئی روزانہ، روزانہ نہ سہی ہفتہ وار ایسا اخبار نکلے جو عام شیعہ دماغوں میں سیاستی تربیت ان کے قلوب میں مذہبی جوش وقومی ولولے ان کے دست بازو میں قوت عمل پیدا کرے۔ اس کے دامن پر غیر ضروری باہمی آویزشوں کا بدنما داغ نہ ہو شرافت خیال ومتانت تحریر کی حدود میں رہ کر ہر قومی وسیاسی معاملہ پر تبصرہ کر سکے۔ ذاتی اغراض وانفرادی فوائد ان کے فیصلوں کو جادۂ مستقیم سے نہ ہٹا سکیں۔ اس کی رائیں کسی ممتاز شخصیت یا کسی مقتدر جماعت سے مرغوب ہونے کی عادی نہ ہوں غرضیکہ وہ قوم کے ہر طبقہ کا سچا ترجمان اس کی ملی ومذہبی مفاد کا صحیح معنوں میں نگہبان ہو۔

میری یہ دیرینہ آرزو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے اب جا کر پوری ہوئی یعنی ہفتہ وار ''سرفراز'' سربلندی وسرفرازی کے تمام لوازم اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ''برسوں کے خواب کی صحیح تعبیر بن کر'' 'عدم' کے نازک پردوں سے نکل کر 'وجود' کے نورانی عرش پر جلوہ آرا ہوا ہے۔ شیعوں کے تمام سیاسی وقومی مورچے ان کی غفلتوں کے ہاتھوں کمزور ہو رہے تھے اور وہ اپنی بے دست وپائی کی وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ کسی ملکی یا اسلامی تحریک میں اپنے ہمسایوں اور بھائیوں اور؟؟؟ کا ساتھ دے سکیں مگر 'سرفراز' کے چار نمبر دیکھ کر یہ یقین ہو چلا ہے کہ البتہ ہمارے محاذ جنگ سے یہ کمزور مورچے کامیابی کے ساتھ غنیم کے جارحانہ حملوں کی مدافعت کر سکیں گے۔

اس مرتبہ ''سچ'' جس عنوان سے عزائے غریب بے نوا کے متعلق دروغ بافیوں کا سلسلہ چھیڑا تھا اور اپنے محرم کے نمبروں میں جس بیباکی کے ساتھ زہر افشانیاں کی تھیں ان کا توڑ مختصر طریقہ سے ہمارے سرفراز نے جو کچھ کیا وہ قابل قدر ہے۔ اس موقع پر میں جن معزز حقیقت لکھنؤ کی فراخ دلی کا اعتراف کیے بغیر رہ سکتا اس کے کالموں میں حمایت عزاداری کے متعلق مختلف مضامین نظر آتے رہے۔ میں ایسے زمانہ میں جبکہ 'وہابیت' کا جال ہر چہار طرف پھیلا ہوا ہے ان معاملات میں برادران

اہل تسنن کی شرکت عمل کو نظر امتنان سے دیکھتا ہوں۔ یہ ایک جملہ مقرضہ تھا۔ بہر حال ہمارا سرفراز حمایت عزاداری میں بہت زیادہ مستعد رہا اور یہ اس کے ہونہار ہونے کی پرزور علامت ہے۔

اس طرف سرفراز کے قابل تدبیر نے مدینہ پر گولہ باری کے عنوان سے جو مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا ہے وہ خصوصیت سے میرے آئندہ کی توقعات کو خوشگوار بنا رہا ہے اس مضمون میں جس خوبی سے تمام اہم نقاط بحث کو دیا گیا ہے اور ہر ایک کے متعلق مختصر طور سے جو کچھ کہا گیا ہے اس کی داد نہ دینا صریحی ناانصافی ہے۔ محض جذبات پر جن تحریروں کی بنیاد رکھی جاتی ہے ان میں استواری نہیں ہوتی۔ خوشی کا مقام ہے کہ ہمارا سرفراز بڑی حد تک اس خامی سے بھی پاک ہے اس کے مضامین دلائل سے پر ہوتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ سرفراز آئندہ اسی کامیابی کے ساتھ ان اہم قومی مباحث سے بھی جو بعض غیر مناسب حالات کی وجہ سے شیعوں کی دو جماعتوں میں پوری؟؟؟؟ پیدا کر چکے ہیں اپنی شان متانت اور عالی ظرفی قائم رکھے گا اور اپنے لوث تبصروں کی تہذیب اور شائستگی کی وجہ سے کسی جماعت کو بڑی نظر ڈالنے یا تیوری چڑھانے کا موقع نہ رہے گا۔ مختصر یہ کہ اب تک جو نمبر دیکھے ہیں وہ اس کے مستقل نمبر کے اعلیٰ ہونے کی غمازی کر رہے ہیں۔

قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنے اس اخبار کو ہاتھوں ہاتھ لے اور اس کی کوشش کرے کہ وہ ملک کے اخبارات کی مجلس میں سرفراز رہے۔ والسلام

سید اصغر حسین (صاحب)

تلہر شاہجہانپور

یہ مراسلہ ہم کو آج سے قریب دو ہفتہ قبل موصول ہو چکا تھا لیکن اکثر ضروری مضامین کی وجہ سے ہم اس مراسلہ کو شائع نہ کر سکے۔ ایک خیال جو اس مضمون کی اشاعت سے ہم کو روک رہا تھا وہ یہ تھا کہ مبادا یہ خیال نہ کیا جائے کہ ہم نے محض اپنی اور اپنے اخبار کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے

اس مضمون کو شائع کیا۔ لیکن جیسا کہ ہم اس کے قبل عرض کر چکے ہیں ہم ان غیر ضروری مراسلوں کو جس میں محض 'سرفراز' کی قصیدہ خوانی کی گئی ہے شائع کرنا قطعاً بیکار سمجھتے ہیں اور خودستائی کے مرتکب ہونا نہیں چاہتے بلکہ اس سے زیادہ خوشی کے ساتھ اپنی جائز نکتہ چینی کے لیے جو آئندہ کے واسطے ہمارے لیے مشعل ہدایت ہو سکے سننے کے لیے تیار ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ وہ مضامین جن میں قوم کو اس کی ضروریات پر متوجہ کیا گیا اور ضمناً کچھ الفاظ سرفراز کے متعلق بھی آ گئے ہوں اس زمرہ میں نہیں آ سکتے۔ (اڈیٹر)

سرفراز لکھنؤ جلد ایک شمارہ ۷۔ ۲۲ صفر ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ نمبر ۷

آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ

اعلان

جو یتیم لڑکے اپنا وقت یتیم خانہ میں پورا کرتے ہیں اور کوئی کام سیکھ لیتے ہیں ضرورت ہے کہ ان کو حضرات مومنین یہاں سے نکلنے کے بعد تلاش معاش میں سرگرداں پھرنے کے بجائے حسب ضرورت خود اپنے یہاں موقع ملازمت کا دیں۔ مثلاً اگر کارتحریر کر سکتا ہے تو حضرات وکلاء اپنے یہاں کارتحریر میں لگائیں اور حضرات تعلقہ دار صاحبان اپنے یہاں زمینداریوں کا کام لے کر کارآمد بنائیں۔ حضرات تجار و کارخانہ دار صاحبان اپنے کاروبار میں کام کرنے کا موقع دیں۔ اس وقت مسمی لال محمد ولد بندہ علی شیخ ساکن موضع ظہور آباد ضلع غازی پور بوٹ سازی کا کام قریب قریب سیکھ چکا ہے۔ بوٹ سازی کے لیے کارآمد ہے جو صاحب اپنے کارخانہ میں بمشاہرہ مناسب لینا چاہیں مجھ سے خط و کتابت کریں۔ ابھی کچھ وقت اس کا یتیم خانہ میں باقی ہے۔

قاسم حسین خان بہادر مرزا قزلباش

آنریری سکریٹری شیعہ یتیم خانہ

۱۷ اگست

اخبار سرفراز لکھنؤ، جلد ایک، شمارہ ۸، ۲ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ نمبر ۵

مضامین خاص

کمیٹی تحفظ آثار متبرکہ کی تقریروں پر ایک نظر

کمیٹی تحفظ مقامات متبرکہ حجاز ۲۸ ستمبر ۱۹۲۵ء کو بمقام لکھنؤ منعقد ہوئی تھی اس میں شریک ہونے کا شرف مجھے بھی حاصل ہوا۔ چونکہ مقاصد کمیٹی کے متعلق جو تحریکیں اور تقریریں کی گئیں ان پر رائے زنی کا حق ہر مسلمان کو ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر میں بھی اس باب میں کچھ عرض کرنے کی جرأت کروں تو بے جا نہ ہوگا۔

مجھے ان تمام تجویزوں اور تقریروں سے کامل اتفاق ہے جو ابن سعود نجدی کے خلاف اور اس کی ظالمانہ و مرتدانہ کارروائیوں سے نفرت دلانے کے متعلق کی گئیں اور جن سے یہ بات بخوبی واضح ہوگی کہ نجدی مذکور ہرگز حکومت مجاز کا اہل نہیں ہو سکتا۔ البتہ بعض دوسری تجویزوں اور تقریروں سے مجھے اختلاف ہے۔ چنانچہ اولاً میں اس تجویز سے متفق نہیں ہوں کہ ''حنفی مسلمان کا ایک وفد جس میں ایک شیعہ عالم بھی شامل ہو بایں مقصود حجاز بھیجا جائے کہ وہ وہاں کے موجودہ معاملات و مہمات کی تحقیق کر کے ان پر رائے قائم کرے۔''

اس لیے اول تو ہمارے وفود ضعیفۃ الوجود کا اثر اعیان حجاز پر اتنا بھی نہیں ہو سکتا جتنا ہماری غائبانہ جدوجہد کا ہو سکتا ہے۔ دوسرے اس بات کا قوی احتمال ہے کہ حجاز پہنچ کر بلکہ

وہاں پہنچتے پہنچتے ارکان وفد میں ایسے اختلافات پیدا ہو جائیں جن کا نتیجہ مفید ہونے کے عوض میں مضر ثابت ہو۔ ثانیاً کمیٹی کی اس تجویز سے بھی مجھے اتفاق نہیں ہے کہ حکومت حجاز کا چارج اس حجازی شخص کو دیا جائے جس کا تقرر بذریعہ انتخاب عمل میں آئے۔ اس لیے کہ ایشیائی حکومتوں کا (خواہ وہ سیاسی ہوں یا مذہبی) ری پبلک اور جمہوری دستور کے مطابق قائم کرنا ہی اس کے زوال کی دلیل ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے مسلم لیڈر سرسید احمد خان نے ''ایشیاء کے طرز حکومت'' کے عنوان سے جو مضمون علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شائع کیا تھا اس کے بعض فقرے میں اس موقع پر نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ؎

''شاید اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے کہ ایشیاء کے تمام ملکوں میں ہمیشہ حکومت شخصیہ ہوتی آئی ہے جن کو یورپ کی زبان میں مونارکی (Monarchy) کہتے ہیں۔ یعنی وہ حکومت جس میں حکومت کی اعلیٰ قوت ایک شخص کے ہاتھ میں ہو جس کو بادشاہ یا راجا سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ بات غور کے لائق ہے کہ جزیرہ عرب میں بہ زمانہ جاہلیت یعنی قبل اسلام طرز حکومت کیا تھا اور اسلام نے اس میں کچھ تبدیلی کی اور اگر تبدیلی کی تو کیا طرز حکومت قرار دیا۔ زمانہ جاہلیت کی تاریخ بہت کم ملتی ہے مگر جس قدر ملتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں شیوخ یعنی سردارانِ قبائل کے ہاتھ میں ہر ایک قبیلہ کی حکومت ہوتی تھی۔ جو شخص بہ سبب دولت یا کسی صفت کے تمام قبیلہ میں اعلیٰ گنا جاتا تھا وہی اس قبیلہ پر حکومت کرتا تھا اور مجموع شیوخ تمام قبائل کے جزیرہ عرب پر اسی طرح حکومت کرتے تھے۔ صلح و جنگ و انفصال خصومات بالکلیہ انہیں شیوخ کے ہاتھ میں تھا۔ اس طرز حکومت کو یورپ کی زبان میں الی گار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس میں اعلیٰ قوت

حکومت چند عالی رتبہ نام آور یا امراء کے ہاتھ میں ہوتی ہے زمانہ اسلام میں آنحضرت صلعم کے وقت تک یہی طرز حکومت قائم رہا۔ تمام قبائل جزیرہ عرب کے اسلام لا چکے تھے اور عرب کے قبائل میں جو جدا جدا شیوخ ہوتے تھے ان کا تعداد اسلام کے توحد نے سنا دیا تھا اور صرف ذات پاک آنحضرت کو کل قبائل نے اپنا شیخ اور پیغمبر قبول کر لیا تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ رسالت کے ساتھ جزیرہ عرب کے کل قبائل کی حکومت بھی لازماً حسب دستور جزیرہ عرب آنحضرت صلعم سے از خود منضم ہو جائے اور مثل ایک شہنشاہ یا شیخ الشیوخ کے ملکی و تمدنی امور کا انتظام بھی آنحضرت صلعم کے ہاتھ میں آئے یہاں تک جو طرز حکومت عرب یا شیوخ زمانہ جاہلیت میں تھا اس کے اصول میں کچھ فرق نہیں آیا تھا کہ جدا جدا قبیلوں کے جو جدا جدا شیوخ تھے بہ سبب متحد ہو جانے قبائل کے رہ تعدد معدوم ہو گیا اور ایک ہی شیخ تمام قبائل کا ہوگا۔ جس کے ہاتھ میں کل جزیرہ عرب کی حکمرانی تھی بیشک اس طرح کل قبائل کا جو مختلف مذاہب رکھتے تھے اور ان کے آپس میں نسلاً بعد نسلٍ عداوتیں چلی آتی تھیں متحد ہو جانا ایک کرشمہ ربانی تھا۔ مگر اب بحث اس میں ہے کہ آیا اسلام نے کوئی کاف حکومت قرار دیا اور اگر دیا تو اس پر کیا عمل درآمد ہوا۔ اس زمانہ کے تعلیم یافتہ جو بے سمجھے ری پبلک اصولوں پر رجحان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے طرز حکومت انتخاب کے اصول پر چھوڑا تھا یعنی سب لوگ جس کو منتخب کریں وہی حاکم یا امیر یا خلیفہ یا سلطان قرار پائے۔ اور اعلیٰ قوت حکومت کی اس کے ہاتھ میں ہو جمہوری پبلک کا اصول ہے۔ لیکن اس اصول کا اسلام سے متعلق کرنا کچھ نہیں ہے کیونکہ کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہو کہ میرے بعد لوگ جس کو انتخاب کریں وہی میرا جانشین ہوگا۔ اگر فرض کیا جائے کہ آنحضرت

صلعم نے امر جانشینی کو بلا کسی ہدایت کے چھوڑا تھا تو یہ کہا جائے گا کہ جانشینی کی نسبت کوئی ہدایت نہیں کی تھی نہ بذریعہ استخلاف نہ بذریعہ انتخاب۔

اہل سنت و جماعت بجائے ری پبلک کے لفظ اجماع امت استعمال کرتے ہیں مگر کلام اس میں ہے کہ اسلام نے یہ طرز حکومت قرار دیا تھا یا نہیں۔ اگر ہم تسلیم کریں کہ یہی طرز حکومت اسلام نے قرار دیا تھا تو اس میں کی شکلیں پیش آتی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر کو اپنی اخیر زندگی میں اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا اور ان کی ولی عہدی خلافت کا فرمان جاری کیا۔ بس اگر اسلام نے اگر خلافت کو انتخاب پر چھوڑا تھا تو حضرت ابوبکر اپنا ولی عہد مقرر نہ کرتے۔''

ثالثاً اڈیٹر صاحب اخبار رسالت بمبئی کی اس تقریر سے مجھے سخت اختلاف ہے کہ اماکن مقدسہ کی تباہی و بے حرمتی کے متعلق جو ناشائستہ اور وحشیانہ افعال ابن سعود نجدی سے صادر ہوئے ان کی باقی در پردہ سلطنت برطانیہ ہے۔ فاضل مقرر نے اپنی اسپیچ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا جواب الزامی تو یہی ہوسکتا ہے کہ اگر ابن سعود نجدی کی مدد و معاون گورنمنٹ برطانیہ ہے تو ان مسلمانوں کو گورنمنٹ برطانیہ کا منت پذیر ہونا چاہئے جو ابن سعود کی مدح سرائی کر کے اس کو حکومت حجاز کی ترغیب دے رہے تھے اب رہا جواب تحقیقی وہ اس سے زیادہ صریح و صحیح کیا ہوسکتا ہے کہ نان کوآپریشن کے برقی جذبات ہمارے بھائیوں کے دماغ میں اس قدر سرایت کر گئے ہیں کہ اب جو بلائے آسمانی و سلطانی نازل ہوتی ہے بلا تامل اس کا نازل کنند برطانیہ کو قرار دیتے ہیں۔ پچھلے واقعات کو جانے دیجئے۔ ابھی حال میں شریف حسین پر محسن گورنمنٹ برطانیہ کے زیر اثر ہونے کا الزام لگا کر اس قدر لعنت ملامت

کی بوچھار کر دی کہ کبھی شیطان پر بھی نہ کی ہوگی اور ابن سعود نجدی کے قدین و دینداری کی مدح سرائی کر کے اس کو خلافت تک مستحق قرار دیتے رہے لیکن افسوس ہے کہ اس طرز عمل پر بھی قائم نہ رہے اور جب ان کی وہی خواہش کے مطابق ابن سعود نے بجانب مجاز سعود کیا تو وہ پھر بمقتضائے جوش نان کوآپریشن اس کی لشکر کشی اور جنگ آزادی ثانیہ کا کرشمہ بتانے لگے آخر اس بدگمانی کی کوئی حد بھی ہوسکتی ہے۔

یک عاشق صادق است تنہا
یک تو دہزار بدگمانی

کیا اس تلون پر فریفتہ ہونے والے حضرات سے مخلصانہ طور پر میں دریافت کرسکتا ہوں کہ جس برطانیہ سے نان کوآپریشن ایجی ٹیشن کے پرآشوب موقع پر ہندستان ایسے مقام میں جہاں مسلمانوں کی ایک مخالف قوت بھی موجود ہے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ذرہ برابر بھی صدمہ پہنچایا ہو وہ عرب میں جہاں مسلمان ہی مسلمان ہیں ابن سعود ایسے شخص سے جو مستحق حکومت حجاز سمجھا جائے مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کرانے کی باعث ہوسکتی ہے جو سراسر ایک وحشیانہ فعل اور جس کا صدور برطانیہ ایسی دانشمند اور مدبر سلطنت کے ہاتھوں مستبعد ہی نہیں بلکہ درحقیقت محال ہے۔

مجھ کو زیادہ تر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے بعض بھائیوں کی وہم کا نتیجہ مسلمانوں کو کہیں کا نہ رکھے گا بالخصوص اس نازک وقت میں جبکہ ہمارے ملکی بھائیوں نے شدھی سنگھٹن کا طوفان برپا کر رکھا ہے ایسے نظام حکومت کو خواہ مخواہ بدنام کرنا جس سے مسلمانوں کے حقوق ہمیشہ محفوظ رہے اور رہ سکتے ہیں سراسر عقل سلیم کے خلاف ہے۔

من آنچہ حق بلاغ است صاف می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

راقم احمد حسنین (پریانوان ضلع پرتاپ گڈھ)

اخبار سرفراز جلد ایک شمارہ ۱۳، ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ، مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء، ص ۳

شیعیان ہند اور ان کا آئندہ پروگرام

آمادہ گشتہ ام دگر امشب نظارہ را
پیوند کردہ الم جگر پارہ پارہ را

گزشتہ چار ماہ کے اندر یعنی جب سے اخبار سرفراز کا اجرا ہوا ہے حجاز میں بعض ایسے افسوسناک اور دلگداز معاملات پیش آئے جس کی وجہ سے ہمارے ہفتہ وار اخبار کے محدود کالموں کا بہت بڑا حصہ انہیں معاملات کے لیے وقف رہا اور ہم اس اضطراب انگیز عالم میں قوم کو اس کی دیگر ضروریات پر متوجہ کرنے سے بہت حد تک قاصر رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ حجاز اس وقت خاص طور پر شیعوں کے لیے دیگر فرقہ ہائے اسلام کے بہ نسبت بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اس موقع پر ہم شیعوں کو جو کچھ اضطراب و پریشانی لاحق ہوئی وہ بالکل حق بجانب تھی اس لیے کہ علاوہ روضۂ رسول کی بے حرمتی کے اس وقت تک جس قدر بھی معابد و مقابر مٹائے گئے ہیں ان میں زیادہ ایسے تھے جن سے ہم شیعوں کو خاص دلی محبت اور تعلق تھا۔

ظاہر ہے کہ ہم شیعوں نے ہمیشہ اپنے مذہب کو تمام مفاد دنیاوی پر مقدم رکھا اور یہی

وہ آثار متبرکہ ہیں کہ جن کے شوق زیارت میں ہزاروں شیعوں کے سر تن سے جدا کیے گئے ان کو سخت سے سخت مصیبتوں کا سامنا ہوا لیکن انہوں نے تمام صعوبتیں برداشت کیں مگر ان مقامات مقدسہ کی محبت ان کے دلوں سے محو نہیں ہوئی اور وہ اپنے روحانی پیشواؤں کی آخری استراحت گاہ کی زیارت کے عزم و ارادہ سے باز نہ آئے ایسی صورت میں آج جب کہ انہیں آثار مقدسہ کے بے نشان کرنے اور خصوصاً نشانات مزار ہائے اہلبیت علیہ السلام کے مٹائے جانے کی کوشش کی جارہی تھی ہم کیونکر مجرمانہ سکوت سے کام لے کر تمام تر توجہ دیگر معاملات کی طرف پھیر سکتے تھے۔ چنانچہ ہم نے ان مظالم کے خلاف اس وقت اپنی قوم کی متحدہ مخالفت کا اعلان کر دیا جبکہ خود ہماری قوم کے بہت سے ارباب حل وعقد اس غور و فکر میں تھے کہ اس طوفان نجدیت کا کیونکر مقابلہ کرنا چاہئے اور قوم کے لیے کیا طرز عمل صحیح و درست ہوگا۔

بہر حال اس وقت کا موقع یہ ہے کہ اس حق و باطل کی جنگ میں جو آج ہمارے پیش نظر ہے عام طور پر اسلامی اخبارات اور حامیان سعود و علمبرداران وہابیت و ناصبیت صحیح اسلامی جذبات و حیات کا کوئی پاس و لحاظ نہیں کر رہے ہیں اور بعض نام نہاد قومی لیڈران نے جو ہمارے گزشتہ چند سال کے سکوت سے فائدہ اٹھا کر اپنے کو سات کروڑ مسلمانان ہند کا واحد ٹھیکہ دار ظاہر کرنے لگے ہیں اپنی حد سے گذر کر اس وقت اس پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ ہمارے فرقہ کے وجود کو کوئی اہمیت نہ دیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ شیعہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے اور وہ سوا رونے کے جانتے ہی کیا ہیں وہ اپنا ایک علم اور اپنی ایک مجلس اور بڑھا لیں گے۔

بہر حال اخبار کا یہ خیال صحیح ہو یا غلط لیکن اس وقت ہم اپنی شیعہ قوم سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ الفاظ جو نہایت بلند آہنگی کے ساتھ بہ تکرار سیتاپور کی کانفرنس میں کہے

گئے ہم شیعوں کے لیے سبق آموز اور بیدار کن نہیں اور کیا ہمارے شیعہ بھائی اس طعن کو سننے کے بعد بھی اپنے قوت عمل وارادہ کا مظاہرہ کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔''

یہ واقعہ ہے کہ کچھ عرصہ کی ہماری خاموشی اور آپس کے اختلافات وجمود نے آج ہم کو یہ روز بد دکھایا کہ غیر بھی ہماری حالت کا آج مضحکہ اڑا رہے ہیں اور ہم من حیث القوم اس طرح ذلیل کیے جارہے ہیں۔

اگر ہم میں پورا پورا اتحاد جذبہ عمل، ایثار، قومی ضرورتوں کا احساس، تعلیم، زمانہ شناسی اور حوصلہ وترقی موجود ہوتا تو آج روز بد ہم کو کاہے کو دیکھنا ہوتا اور اس طرح ہم کیوں ذلیل کیے جاتے سچ ہے۔ از ماست انچہ بہ ماست'' سکھ ہم سے تعداد میں بہت کم ہیں لیکن ہندو اور مسلمان دونوں ان کو اپنے ساتھ لینے اور اپنا شریک بنانے کے لیے ان کی خوشامد کررہے ہیں اس کی وجہ اور ظاہر وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں اتحاد، تعلیم، قومی ضرورتوں کا احساس اور جذبہ عمل موجود ہے۔ لیکن شیعوں کا باوجود یکہ ان کی آبادی دو کروڑ کی ہے لیکن ایک انتشار وجمود کے عالم میں ہیں کوئی پرسان حال نہیں اور ان کے وجود واہمیت سے سے انکار کیا جاتا ہے۔

عبرت اور شرم!!!!

ان حالتوں کی موجودگی میں ہم اپنی قوم سے صرف ایک سوال کرنا چاہتے ہیں اور وہ صرف یہ ہے کہ کیا وہ اب بھی اپنے وجود اور اہمیت کو اپنی مسلسل جدوجہد اور قوت عمل وارادہ سے ثابت وقائم کردینا چاہتی ہے یا اسی طرح ذلیل ہونے اور مٹ جانے کے لیے تیار ہے ظاہر ہے کہ کوئی صحیح الدماغ انسان اس دوسری صورت کو پسند نہ کرے گا لیکن اگر یہ صورت پسند نہیں ہے تو ہم اپنی قوم سے سوال کریں گے کہ وہ احساس اور قوت عمل سے کب کام لینا

شروع کرے گی اور اس نے اپنا لائحہ عمل کیا تجویز کیا ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو اس وقت شیعہ ہونا ہی ایک جرم ہے ہندو بہ حیثیت ہمارے مسلمان ہونے کے ہمارے خلاف وہی سنگھٹنی جوش اور جذبہ رکھتے ہیں جو انہیں بحیثیت عمومی عام مسلمانوں سے ہے دیگر فرق اسلامی ہمارے وجود اور اہمیت کو نظر انداز کررہے ہیں۔ چنانچہ اس کی ایک ادنیٰ مثال سیتاپور کانفرنس کا یہ چیلنج اور ڈاکٹر کچلو کا یہ طرز عمل ہے کہ انہوں نے تشریف آوری لکھنؤ کے موقع پر جو کہ ہندستان کا سب سے بڑا شیعی مرکز ہے علمائے کرام یا کارکنان کانفرنس کسی سے یہ بھی دریافت نہ کیا کہ آخر شیعہ چاہتے کیا ہیں اور وہ ہمارے ساتھ کس طرح اتحاد عمل کرنے کے لیے تیار ہیں۔

ہر شیعہ نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ کون سے اسباب تھے جنہوں نے ان لوگوں کو جو ہر مشترکہ اسلامی تحریک ہیں سب سے پہلے خواہ وہ رسماہی کیوں نہ ہو ہماری طرف دوڑتے تھے اس بے اعتنائی اور بے توجہی پر آمادہ کیا؟ وہ ہمارا انتشار اور ہماری بے حسی ہے۔

جب تک ہم میں قومی زندگی کی لہر کام کررہی تھی ہمارے وجود اور اہمیت سے کسی کو اغماض وعدم توجہی کا موقع نہ ملا اور وہ اس کے لیے مجبور تھے کہ وہ ہماری طرف ہماری معاونت حاصل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھائیں لیکن جب ہماری تمام قوتیں آپس کی لڑائیوں اور اپنی اسی مجلس ملی کی بنیاد ڈھانے میں صرف ہونے لگیں احباب مایوس اور اغیار بے نیاز ہوگئے۔

بہر حال یہ حالتیں زیادہ عرصہ تک قائم رہنے والی نہیں ہیں زمانہ سبق دے رہا ہے اور ایسا سبق دے گا کہ آنکھیں کھل جائیں گی لیکن اچھا ہو اگر زمانے کے سبق دینے سے پہلے

ہم خود ہوا کا رخ پہچان کر قومی ضرورتوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی منتشر قوتوں کی شیرازہ بندی و تنظیم پر متوجہ ہوجائیں۔

قبل اس کے کہ کوئی لائحہ عمل تجویز کریں یا قوم کے سامنے کوئی اسکیم پیش کریں ہم ضرورت سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم اپنی قوم سے یہ سوال کرنے کی جسارت کریں کہ آیا اب بھی آپس کے اختلافات کو طے کرنا کا وقت نہیں آیا؟ دشمن ہماری آپس کی لڑائیوں سے بہت فائدہ اٹھا چکے۔ حامیان تخریب خلیج اختلافات کو وسیع کرنے میں کافی سے زیادہ دراندازیاں کر چکے۔ دوست اور دشمن کی تمیز ہوگئی۔ الزامات کے تعین کا وقت گذر گیا۔ خدارا اب بھی اتحاد اور مشترکہ پلیٹ فارم کی ضرورت محسوس کیجئے اور آپس کے اختلافات کو طے کر کے متحدہ متحدہ اور متفقہ قوت کے ساتھ میدان عمل میں آیئے۔

تبلیغ، تعلیم عطائے وظائف، تنظیم اور بہت سے کام اشتراک عملی نہ ہونے کی وجہ سے رکے پڑے ہیں بلا قوم کی متحدہ تائید کے کوئی کام تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ قوم کو موجود مصیبتوں سے نجات دلانے کا سبب نہیں ہوسکتا۔ یا تو کانفرنس کے قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور اگر قوم نے ایک مشترکہ پلیٹ فارم قائم کیا تو اسے باقی رکھنا اور تقویت دینا قام کا کام ہے۔

کیا یہ افسوسناک نہیں کہ ایک شیعہ کالج دم توڑ رہا ہے۔ دوسری طرف یتیم خانہ پیسہ فنڈ اور عطائے وظائف کا اہم کام کرنے والوں کی قلت اور عدم توجہی کا شکار ہے۔

اخبار سرفراز جلد ایک شمارہ ۱۴، ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ، مطابق ۵ نومبر ۱۹۲۵ء، ص ۲

سابق اڈیٹر کا شکریہ

از سکریٹری اخبار کمیٹی

جناب بادشاہ مرزا صاحب ثمر سکریٹری صیغہ ممبران عمومی آل انڈیا شیعہ کانفرنس نے جو ابتداء اجراء سرفراز سے اس کے آنریری اڈیٹر تھے اس وجہ سے کہ ممبران عمومی کے صیغہ کا کام بحمد اللہ بہت بڑھ گیا ہے اور ان کو ادائیگی فرائض ادارت کے لیے کافی وقت نہیں مل سکتا تھا۔ گذشتہ جلسہ اخبار کمیٹی میں بدرجہ مجبوری اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ ممبران عمومی کی اسکیم کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے جناب ثمر صاحب کے استعفیٰ کو کمیٹی نے منظور کرلیا اور اخبار سرفراز کی عنان ادارت ایک قابل اہل قلم مرزا احمد حسین صاحب بی اے علیگ کے سپرد کی۔ ممدوح حالات زمانہ سے باخبر روشن خیال اور نہایت ہونہار نوجوان ہیں ہمیں یقین واثق ہے کہ جناب ممدوح کا زمانہ ادارت نہایت کامیاب ثابت ہوگا اور سرفراز کی خصوصیات بدستور قائم رہے گی۔ آخر میں ہم جناب ثمر صاحب کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے تہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اخبار سرفراز جلد ایک شمارہ 14، ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ، مطابق ۵ نومبر ۱۹۲۵ء، صفحہ ۵

بتیارج کی طرف سے تعمیر امام باڑہ

یہ خیال غلط ہے کہ ہنود یا نصاریٰ یا اہل سنت مخالف عزائے حسین ہیں۔ مظلوم کے ساتھ ہمدردی کرنا فطری امر ہے۔ حسینؑ سا صاحب منزلت جس کے وسیلہ سے مرادیں برآتی ہیں ایسی بیکسی سے شہید ہوا کہ لامحالہ ہر صاحب دل متاثر ہو کر اس کی جانب مائل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کربلا کو عجب دردناک الفاظ میں جرمنی کے مشہور مورخ مسٹر مسیو مارپین اور

فرانس کے ڈاکٹر جوزف ودیگر مورخین یورپ نے لکھا ہے۔ ہندوؤں کے بزرگان ملت نے بھی اس میں بہت حصہ لیا ہے۔ دوہے، نظم کہے ہیں واقعی یہ ایسا ہی حسرت ناک واقعہ ہے لیکن اسی بنی نوع انسان میں بعض ایسے مفقر الطبع ہوئے ہیں جو لامحالہ فساد کرنے پر ہر وقت کمر بستہ رہتے ہیں نقل مشہور ہے کہ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے اگر عقل سے کام لیا جائے اور واقعی اصلاح مدنظر ہو تو ہرگز فساد نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ اس سال اترولہ ضلع گونڈہ میں ہندو، شیعہ سنی سب محرم میں متفق رہے بلکہ ایک سے دوسرے کا جذبہ بڑھا رہا اور ماتم حسینؑ باحترام وباوقار کرنے میں ہر گروہ منہمک رہا۔

اب کچھ مختصر حال بتیاراج کا لکھتے ہیں وہ راج ہندوؤں کا ہے اس وقت اس کے منیجر صاحب بہادر ایک معزز یوروپین ہیں۔ وہاں کے باشندے زیادہ تر ہندو اور کچھ مسلمان سنی المذہب ہیں، کوئی شیعہ باشندہ وہاں کا نہیں ہے۔ ۱۹۱۸ء میں وہاں پہلے پہل منصفی کچہری قائم ہوئی تو سید علی مرتضیٰ صاحب ساکن کھجوہ ضلع سارن بعہدۂ ٹائپسٹ مظفر پور سے وہاں بھیجے گئے۔ موصوف کے معمولات سے تھا کہ ہر شب جمعہ کو مخصوص مجلس عزا اور بعض بعض معصومین کی میلاد میں بھی مجلسیں کیا کرتے تھے یہ دیکھ کر دو چار اشخاص اور بھی شیعہ مذہب جو بذریعہ ملازمت وہاں رہتے تھے انہوں نے بھی بعض بعض مجلسیں شروع کیں۔ رفتہ رفتہ وقتاً فوقتاً عام طور پر ہندو مسلمان ان مجلسوں میں آنے لگے۔ ان ہی مجالس میں علی التسبیل تذکرہ معلوم ہوا کہ سابق مہاراج صاحب نے جن کو مرے پچاس ساٹھ برس کا عرصہ ہوا جب زندہ تھے اور ان کے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر کیا کہ اولاد ہو تو تعزیہ داری حسین علیہ السلام کی کریں گے۔ چنانچہ اس سال خداوند کریم نے ان کو اولاد نرینہ عطا فرمائی۔ مہاراجہ صاحب

نے فوراً ایک لاکھ روپیہ واسطے تعمیر امام باڑہ وکربلا کے دینے کا حکم دیا۔ کار تعمیر امام باڑہ کربلا شروع ہوگیا۔ مگر ہنوز ختم نہیں ہوا تھا کہ جس شخص کے اہتمام سے بنتا تھا وہ مرگیا کام بند ہوگیا۔ اس کے بعد مہاراج کا بھی انتقال ہوگیا۔ پھر کسی نے التفات نہ کیا۔ نمبرور ایام جس قدر بنا تھا وہ بھی منہدم ہوگیا مگر نشان امام باڑہ وکربلا باقی تھا۔ بہ دریافت اس کے سید علی مرتضیٰ صاحب وسید حسن عسکری صاحب کھجوئی نے ایک انجمن قائم کی جس کے پریسیڈنٹ مولوی نیک محمد صاحب جو رؤسائے اہلسنت بتیا سے ہیں اور سکریٹری مولوی معیض صاحب سنی المذہب وڈاکٹر جمال الدین صاحب شیعہ جو بتیاراج اسپتال میں ڈاکٹر ہیں اور دیگر معززین اہل سنت ممبران منتخب ہوئے اور ایک درخواست منجانب انجمن راج کے منیجر صاحب بہادر کے پاس واسطے تعمیر کرادینے امام باڑہ کربلا مذکور کے دی گئی۔ صاحب بہادر کربلا کمیٹی کا نام سن کر بہت خوش ہوئے اور ایک سو روپیہ سالانہ کربلا کی مرمت کے نام سے جو مہاراج کے وقت سے تھا منظور فرمایا۔ لیکن امام باڑہ کی رقم چونکہ ان کے اختیار سے زیادہ نہ تھی نامنظور کیا۔ تب منجانب انجمن ایک درخواست بورڈ آف ریونیو میں بھیجی گئی تھی۔ بورڈ نے چوبیس ہزار روپیہ واسطے تعمیر امام باڑہ کے منظور کیا مگر وہ ناکافی ہوا تو تین ہزار روپیہ اور اضافہ کیا گیا۔ اس امام باڑہ کو منیجر صاحب بہادر نے خود اپنی توجہ سے تعمیر کرایا۔ صبح وشام خود ملاحظہ کو تشریف لاتے تھے اور کاریگروں کو پختگی کی تاکید فرماتے تھے۔ ماہ ذی الحجہ گزشتہ کے دوسرے ہفتہ میں صاحب بہادر نے سید علی مرتضیٰ صاحب سے پوچھا آپ لوگوں کو امام باڑہ کب تک تیار چاہئے۔ موصوف نے کہا کہ ۲۹/ذی الحجہ تک۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ ۲۹/ذی الحجہ سے پانچ دن قبل۔ چنانچہ مطابق حکم کے پانچ دن قبل تیار ہوگیا۔ مجلسیں بھی ہوئیں، مجلس میں نواب

صاحب جو یکے از باشندگان لکھنؤ ہیں اور راج سے پنشن پاتے ہیں پڑھتے تھے امام باڑہ قابل دید ہے۔اس کی تعمیر میں ہندو مسلمان سب شریک تھے۔ہم لوگوں کو گورنمنٹ اور منیجر صاحب بہادر راج بتیا اور مولوی نیک محمد صاحب وغیرہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔منیجر صاحب بہادر سے ہم امید کرتے ہیں کہ امام باڑہ اور کربلا میں بجلی کی روشنی بھی دیں گے اور فرش کا بھی انتظام کردیں گے۔

اب اسی بتیا کے اس سال کے محرم کا مختصر حال ملاحظہ فرمائیے جیسا کہ دیگر مقامات میں جابجا غوغا تھا کہ کوئی ہندو تعزیہ نہ رکھے، مہابیر جھنڈا نکالا جائے بتیا میں بھی ایسا ہی سامان ہونے لگا دفعتہً ہیضہ شروع ہوا ایک ہندو جو پہلے تعزیہ رکھا کرتا تھا اور اس سال سرغنہ بن کر چھوڑنا چاہا فوراً ہیضہ میں مبتلا ہوکر مرگیا اس کے بعد دوسرے دو ہندو بھی جو پہلے تعزیہ رکھا کرتے تھے اب چھوڑنا چاہا تھا ہیضہ میں مبتلا ہوئے ان کے گھر والے چوک پر آکر گرے تعزیہ رکھنے کی نذر کی وہ دونوں اچھے ہوگئے اور تعزیہ رکھا مگر عموماً اور ہندو لوگ مہابیری جھنڈا نکالنے پر آمادہ رہے، ایک تیسرے ہندو کے گھر جہاں پہلے تعزیہ داری ہوتی تھی تعزیہ رکھنے سے انکار کیا مگر اس گھر کے ایک نوجوان لڑکے نے کہا کہ وہ ضرور تعزیہ رکھے گا اس کے گھر والوں نے خرچ دینے سے انکار کیا تب وہ سید علی مرتضیٰ صاحب کے پاس گیا اور اپنی حالت کو بیان کیا۔انہوں نے ایک بہت بڑا تعزیہ ۹ روپیہ کا دلوادیا اس نے کہا کہ پانچ روپیہ نذر و نیاز کے لیے اس کے پاس ہے مگر تین روپیہ کی کمی ہے وہ بھی سید علی مرتضیٰ صاحب نے اپنے پاس سے دیا جب اس نے تعزیہ چوک پر رکھا اور نذر کی چیزیں تیار کیں تو قریب چار سو ہندو اس کے ساتھ ہوگئے۔دوسرے ہندو جو مہابیری جھنڈا نکالنے والے تھے وہ بھی اپنا

جھنڈا قبل نکال کر اس میں شامل ہوگئے۔عاشورہ کے دن وہ تعزیہ اٹھا کر قریب دو ہزار آدمیوں کی جماعت سے سید علی مرتضیٰ صاحب کے مکان کے پاس پہنچا اور ان کو اپنے آگے لے کر بڑی شان کے ساتھ کربلا پر گئے کسی قسم کی کسی میں تکرار نہیں ہوئی۔

اطراف مظفر پور میں بھی ہندوؤں نے تعزیہ داری کو ترک کرنا چاہا تھا کہ دفعتہً ایک سادھو آئے اور پوچھا کہ تعزیہ داری کیوں چھوڑتے ہو ہندوؤں نے جواب دیا کہ مسلمان ہمارے دیوتاؤں کو نہیں مانتے تو ہم ان کے دیوتاؤں کو کیوں مانیں۔سادھو نے کہا کہ دیوتاؤں کا بانٹ یعنی تقسیم نہیں ہے ہم سب کو مانتے ہیں۔مسلمان ہمارے دیوتاؤں کو نہیں مانتے تو وہ پاپ کرتے ہیں جانے دو تم کیوں تعزیہ داری چھوڑ کر مثل ان کے پاپی بنتے ہو تم لوگ تعزیہ رکھو ان کا دھرم ان کے ساتھ تمہارا دھرم تمہارے ساتھ جو تعزیہ رکھنے کو منع کرتا ہے وہ پاپی ہے۔ضلع سارن کے واقعات جو اس سال محرم میں ہوئے۔

بابو سرجو پرشاد رئیس چین پور تعزیہ داری میں کچھ اعانت سید مبارک کی درگاہ پر کرتے تھے اس سال بند کیا ان کا ہاتھی سخت بیمار ہوا ان کی رانی صاحب نے نذر کی، ہاتھی اچھا ہوگیا۔سابق سے بالمضاف نذرانہ میں امام مظلوم کے خرچ کیا۔

اسی چین پور میں ایک ہندو ۴ پیسہ ایک فقیر کو تعزیہ داری کے لیے دیا کرتا تھا اس سال نہیں دیا کہا کہ اس ۴/ پیسہ کا بچہ کو دودھ پلائیں گے چنانچہ ۴/ کا دودھ خرید کر چولھے پر رکھا دودھ خون ہوگیا وہ ہندو نادم ہوا فقیر کو حسب معمول ۴/ پیسہ دے دیا۔

مان پور میں ایک برہمن کی عورت تعزیہ داری کا سامان کر رہی تھی اس کے شوہر نے منع کیا وہ نہ مانی۔برہمن نے کہا کہ اگر نہ مانے گی تو اسے تلوار سے کاٹ کر رکھ دوں گا یہ کہہ کر

اپنے ہلوا ہے کو ساتھ لے کر اپنے کھیت کی جانب چلا راہ میں رام میں بجلی گری برہمن دو ٹکڑے ہو گیا ہلوا ہے کو کچھ ضرر نہ پہنچا۔

چھپرہ میں ایک ہندو رانگے کا سپر اپنی بیٹی کے منت کا بناتا تھا اس سال بند کر دیا وہ بیٹی مر گئی شب کو خواب میں عبرتناک سبق ملا۔ تو نے لڑکی کو کیوں جلایا۔ چوک پر لے جاتی تو زندہ ہو جاتی۔ فقط

سید اظہر حسین

کھجوہ، ضلع سارن، بہار

دستور العمل آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ

تیار کردہ

جنرل کمیٹی یتیم خانہ جو جلسہ منعقدہ ۷ رفروری ۱۹۲۶ء میں مکمل ہوا

مطبوعہ سرفراز قومی پریس، لکھنؤ ۱۹۴۲ء

تمہید

ہرگاہ قرین مصلحت وضروری معلوم ہوتا ہے کہ قواعد وضوابط دارالیتامیٰ آل انڈیا شیعہ کانفرنس مرتبہ مرکزی کمیٹی کانفرنس مذکورہ منعقدہ ۲۸ رستمبر ۱۹۱۳ء کی ترمیم کی جائے اور ایک دستور العمل دارالیتامیٰ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے لیے مرتب کیا جائے لہٰذا بہ منسوخی قواعد وضوابط متذکرہ صدر حسب ذیل دستور العمل برائے دارالیتامیٰ مذکور بعد منظوری مرکزی کمیٹی کانفرنس مذکور منعقدہ ۱۸ راپریل ۱۹۳۶ء مرتب ہو کر نافذ کیا جاتا ہے۔

نوٹ:۔ یہ دستور العمل ان ترمیمات کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے جن کو مرکزی کمیٹی منعقدہ ۱۱ راگست ۱۹۳۵ء، ۲۰ راکتوبر ۱۹۳۵ء نے منظور کر لیا ہے۔

باب اول

مراتب ابتدائی

دفعہ ۱:۔ اس دستور العمل کا نام ''دستور العمل آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ'' ہوگا۔

دفعہ ۲:۔ اس دستور العمل کا نفاذ تاریخ یکم جولائی ۱۹۲۶ء سے ہوگا۔

دفعہ ۳:۔ دستور العمل ہذا کے نفاذ کے بعد سے قواعد وضوابط مرتبۂ مرکزی کمیٹی آل انڈیا شیعہ کانفرنس منعقدہ ۲۸ ستمبر ۱۹۱۳ء اور وہ کل احکامات یا ہدایات جو کبھی متعلق ادائے رائے کسی رزولیشن میں دربارہ دارالیتامیٰ آل انڈیا شیعہ کانفرنس موجود ہوں منسوخ ہوجائیں گے۔ لیکن دستور العمل ہذا کے نفاذ کا یہ اثر نہ ہوگا کہ وہ امور جو قبل نفاذ یا باضابطہ طور پر واقع ہوچکے ہوں وہ مسترد یا ناجائز قرار پائیں۔

دفعہ ۴:۔ دستور العمل میں مندرجۂ ذیل الفاظ جہاں کہیں استعمال کیے گئے ہیں ان کے معنی وہ ہوں گے جو ہر ایک کے سامنے ذیل میں درج ہیں۔

''کانفرنس'' سے مراد آل انڈیا شیعہ کانفرنس ہوگی۔

''یتیم خانہ'' سے مراد آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ ہوگی۔

''مرکزی کمیٹی'' سے مراد مرکزی کمیٹی آل انڈیا شیعہ کانفرنس ہوگی۔

''جنرل کمیٹی'' سے مراد جنرل کمیٹی آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ ہوگی۔

''انتظامیہ کمیٹی'' سے مراد انتظامیہ کمیٹی آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ ہوگی۔

''سکریٹری'' سے مراد سکریٹری آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ ہوگا۔

''جوائنٹ سکریٹری'' سے مراد جوائنٹ سکریٹری آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ ہوگا۔

''جنرل سکریٹری'' سے مراد جنرل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس ہوگا۔

''یتیم'' سے مراد وہ بچہ ہوگا جس کے ماں باپ یا فقط باپ فوت ہوچکا ہو۔

''بائی لاز'' سے مراد وہ قواعد ضمنی ہیں جو دستور العمل ہذا کے تحت میں بنائے جائیں گے اور جنرل کمیٹی سے منظور کرا کے نافذ کیے جائیں گے۔

''دستور العمل'' سے مراد دستور العمل ہذا ہوگا۔

باب دوم

نام ومقام واغراض ومقاصد یتیم خانہ

دفعہ ۵:۔ دارالیتامیٰ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا نام ''آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ'' ہوگا اور بزبان انگریزی اس کا نام ''آل انڈیا شیعہ آرفنج'' ہوگا اور اس کا صدر مقام لکھنؤ ہوگا۔

دفعہ ۶:۔ یتیم خانہ کے نام مقام میں تغیر وتبدیل کا اختیار محض اجلاس کانفرنس کو ہوگا۔

دفعہ ۷:۔ یتیم خانہ کی شاخیں ہندستان کے ہر مقام میں بہ اجازت شیعہ

کانفرنس قائم کی جاسکتی ہے۔

دفعہ ۸:۔ یتیم خانہ کے اغراض ومقاصد حسب ذیل ہیں۔

(الف)۔ یتیموں کی پرورش کرنا ان کو علوم دین اور بقدر ضرورت علوم دنیاوی کی تعلیم اور اعمال وعبادات شرعیہ کا ملتزم بنانا۔ ان کو مختلف جائز پیشوں اور دستکاریوں کی تعلیم دے کر کسب معاش کے قابل بنانا۔ ان کو اخلاق حسنہ سکھانا اور ان کا پابند رکھنا اور جو امور شرعاً ممنوع ہیں ان سے باز رکھنا۔

(ب)۔ شیعہ یتیم خانہ میں کوئی ایسا امر نہ ہوگا جو شرع کے لحاظ سے حرام ہو لیکن اگر میں العلما کسی امر میں اختلاف ہو تو ایسا امر یتیم خانہ کے لیے جائز متصور ہوگا۔

(ج)۔ بعد ختم مدت قیام یتیم خانہ۔ یتیموں کو کام سے لگانے کی کوشش کرنا۔

(د)۔ شیعہ یتیم خانہ میں اور اس کے باہر تجارتی امپوریم شیعہ یتیم خانہ کی تیار کردہ اشیاء کے فروخت کے لیے قائم کرنا۔

باب سوم

انتظامی امور

دفعہ ۹:۔ یتیم خانہ کے انتظام کے لیے حسب ذیل کمیٹیاں اور عہدہ دار ہوں گے۔

(الف)۔ جنرل کمیٹی۔

(ب)۔ انتظامیہ کمیٹی

(ج)۔ سکریٹری

(د)۔ جوائنٹ سکریٹری

(ہ)۔ اسسٹنٹ سکریٹری

(الف) جنرل کمیٹی

ممبری

دفعہ ۱۰۔ مرکزی کمیٹی انتظام یتیم خانہ کے لیے ایک کمیٹی کا انتخاب کرے گی جس کا نام ''جنرل کمیٹی آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ'' ہوگا۔

دفعہ ۱۱:۔ جنرل کمیٹی کے ممبران کی تعداد پچاس ہوگی جس میں سے ۲۰ مقامی اور تیس بیرون جات کے ہوں گے اور کم از کم دس ممبر ایسے ہوں گے جو ممبر مرکزی کمیٹی بھی ہوں اور مستقل مقیم شہر لکھنؤ کے ہوں۔ علاوہ پچاس متذکرہ صدر ممبران کے جنرل سکریٹری وسکریٹری بحیثیت اپنے عہدہ کے ممبر جنرل کمیٹی متصور ہوں گے۔

نوٹ نمبر ۱:۔ دفعہ ہذا میں مقامی سے مراد وہ ممبران ہوں گے جو بوقت انتخاب سکونت پذیر شہر لکھنؤ ہوں۔

نوٹ نمبر ۲:۔ منجملہ بیس ممبران مقامی کے دس ممبران ضرور ایسے ہوں گے جو ممبر مرکزی کمیٹی مقیم شہر لکھنؤ کے ہوں بقیہ ممبران مقامی میں سے کم از کم پانچ ممبر ایسے منتخب

کیے جائیں گے جو ممبران مرکزی کمیٹی نہ ہوں تا کہ پبلک کو یتیم خانہ کے معاملات سے دلچسپی زیادہ پیدا ہو سکے۔

نوٹ نمبر ۳:۔ جن حضرات نے کم از کم ایک ہزار کی یکمشت رقم سے یتیم خانہ کی امداد کی ہو یا آئندہ کریں وہ یتیم خانہ کے مربی کے لقب سے ملقب ہوں گے اور ان کو وہ کل اختیارات حاصل ہوں گے جو ممبران جنرل کمیٹی یتیم خانہ کو حاصل ہیں۔

نوٹ نمبر ۴:۔ کمیٹی کا انتخاب اس وقت مکمل سمجھا جائے گا جب منتخب شدہ ممبران میں سے کم از کم پینتیس ممبران کی منظوریاں حاصل ہو جائیں اور اس حالت میں جدید کمیٹی باقاعدہ مرتب سمجھی جائے گی۔

دفعہ ۱۲:۔ جنرل کمیٹی کے ممبران کی میعاد عہدہ تاریخ انتخاب سے دو سال ہوگی۔ لیکن اگر دو سال گذر جانے پر جدید انتخاب نہ ہو تو ممبران جنرل کمیٹی کی میعاد عہدہ اس وقت تک قائم رہے گی جب تک جدید انتخاب نہ ہو۔

دفعہ ۱۳:۔ جنرل کمیٹی کے ممبران کی وہی صفات ہوں گے جو موجودہ دستور العمل شیعہ کانفرنس میں ممبران مرکزی کمیٹی کے لیے درج ہیں یا آئندہ بعد ترمیم قرار پائیں۔ اور کوئی شخص جو کسی جرم اخلاقی کا سزا یافتہ ہو یا فاتر العقل یا نابالغ یا انسالونٹ ہو ممبر جنرل کمیٹی نہ ہو سکے گا۔ اور اگر بعد انتخاب وہ کسی جرم اخلاقی میں سزا پاوے یا فاتر العقل ہو جائے تو یوم آخر سزا یا زمانہ فاتر العقل سے اس کی جگہ خالی متصور ہوگی۔

دفعہ ۱۴:۔ جن ممبران کا جنرل کمیٹی کے لیے انتخاب ہوگا ان کو سکریٹری تاریخ انتخاب سے ایک ہفتہ کے اندر مطلع کرے گا اور منظوری طلب کرے گا اگر منظوری حاصل ہو تو سکریٹری نام منظور کنندہ کا درج رجسٹر اسمائے ممبران جنرل کمیٹی کرے گا اور تاریخ روانگی اطلاع سے پندرہ یوم کے اندر جواب نہ موصول ہو یا منظوری کی اطلاع موصول ہو تو سکریٹری جلد سے جلد جنرل سکریٹری کو مطلع کرے گا۔ اس اطلاع کی روانگی کی تاریخ ممبران متعلق کی جگہ خالی متصور ہوگی۔

دفعہ ۱۵:۔ اگر کوئی ممبر جنرل کمیٹی مستعفی ہونا چاہے تو اسے تحریری استعفیٰ سکریٹری کے پاس بھیجنا ہوگا جسے وہ مرکزی کمیٹی میں بھیج دے گا۔ بعد منظوری استعفیٰ اس ممبر کی جگہ خالی متصور ہوگی۔ منظوری استعفیٰ کی اطلاع جنرل سکریٹری سکریٹری کو دے گا جس کے موصول ہونے پر سکریٹری نام اس ممبر کا رجسٹر ممبری سے بہ حوالہ اطلاع مرسلہ جنرل سکریٹری خارج کر دے گا۔

دفعہ ۱۶:۔ (الف) جو مقامی ممبر جنرل کمیٹی متواتر تین معمولی یا غیر معمولی جلسوں سے بلا اطلاع باوجود علم جلسہ بلا عذر معقول غیر حاضر رہے گا تو اس کو سکریٹری تحریری ایک نوٹس دے گا اور اگر بعد اس نوٹس کے جلسہ مابعد سے وہ غیر ہوگا تو اس کی جگہ ایسے جلسہ مابعد سے خالی متصور ہوگی اور سکریٹری نام اس کا ممبری سے بعد منظوری انتظامیہ کمیٹی خارج کر دے گا۔

(ب)۔ بیرون جات کے ممبروں سے امید شرکت کی جائے گی اور درصورت

عدم شرکت ایجنڈا کے مدات کے متعلق تحریری رائے بہ ترمیم مناسب دینا ان کا فرض ہوگا اور اگر پانچ متواتر جلسوں میں تحریری رائے موصول نہ ہو تو کارروائی دفعہ ۱۶الف بہ ترمیم مناسب عمل میں لائی جائے گی۔

(ج)۔اگر کسی ممبر جنرل کمیٹی کے ذمہ چار یا زیادہ ماہ کا چندہ واجب الادا ہوجائے تو جنرل سکریٹری صاحب شیعہ کانفرنس بہ تحریک سکریٹری صاحب یتیم خانہ ان کو تحریری اطلاع دیں گے وعدم ادائی چندہ بعد از میعاد ایک ماہ از نوٹس تحریری مذکورہ بالا ممبر موصوف کا نام ممبران سے خارج سمجھا جائے گا۔

دفعہ ۱۷:۔ممبران جنرل کمیٹی کی خالی جگہوں کا پر کرنا یہ اختیار مرکزی کمیٹی کو ہوگا لیکن جدید منتخب شدہ ممبران کی میعاد عہدہ روز انتخاب جنرل کمیٹی سے شمار کی جائے گی۔

دفعہ ۱۸:۔جو ممبران جنرل کمیٹی بروقت نفاذ دستور العمل کام کر رہے ہیں وہ باقاعدہ ممبر جنرل کمیٹی متصور ہوں گے اور ان کی میعاد عہدہ تاریخ ۳۱/ماہ مارچ ۱۹۲۶ء تک رہے گی یا جس تاریخ تک جدید انتخاب عمل میں نہ آئے۔

دفعہ ۱۹:۔ممبران جنرل کمیٹی کا فرض ہوگا کہ خود شریک جلسہ ہوں لیکن درصورت معذوری ممبران بیرون جات کا اختیار ہوگا کہ امور مندرجہ ایجنڈا کی بابت اپنی تحریر رائے ارسال کریں۔

جلسہ ہائے جنرل کمیٹی

دفعہ ۲۰:۔جنرل کمیٹی کا معمولی جلسہ ہر سہ ماہی میں ایک بار ہوا کرے گا۔

دفعہ ۲۱:۔جنرل کمیٹی کا غیر معمولی جلسہ سکریٹری بروقت ضرورت خود یا تین ممبران جنرل کمیٹی کے مطالبہ پر طلب کر سکے گا۔

دفعہ ۲۲:۔معمولی جلسوں کے لیے لازم ہوگا کہ ایجنڈا اتنے قبل جاری کیا جائے کہ ممبران بیرون جات کو بعد پائے جانے ایجنڈا پندرہ روز کا وقت شرکت جلسہ کے لیے ملے لیکن غیر معمولی جلسوں کے لیے یہ شرط نہ ہوگی۔

دفعہ ۲۳:۔ہر معمولی یا غیر معمولی جلسہ جنرل کمیٹی کے لیے کورم ۷ ممبران کا ہوگا لیکن بر بنائے عدم کورم ملتوی شدہ جلسوں کا کورم تین ممبران کا ہوگا اور کورم کے لیے سکریٹری وجوائنٹ سکریٹری کا شمار نہ کیا جائے گا۔نہ کورم کے لیے تحریری رائیں شمار کی جائیں گی۔

(الف)۔''آنریری سکریٹری یتیم خانہ کو لازم ہوگا کہ آڈٹ رپورٹ کے وصول ہونے سے دو ماہ کے اندر جنرل کمیٹی کا جلسہ مخصوص برائے غور وکارروائی بر رپورٹ اڈیٹر صاحب ضرور طلب کرے گا جلسہ کا کورم دس ممبران مندرجہ رجسٹر سے ہوگا۔''

طریقہ کارروائی جلسہ ہائے جنرل کمیٹی

دفعہ ۲۴:۔ممبران موجودین جلسہ میں سے ایک ممبر بہ کثرت آرا صدر منتخب ہوگا اور اس کو وہ کل اختیارات حاصل ہوں گے جو رسماً صدر جلسہ کو حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ ۲۵:۔ جو امور جلسہ میں پیش ہوں گے ان کا تصفیہ اتفاق یا کثرت آرا سے ہوگا جس میں تحریری رائیں بھی جو قبل شروع ہونے جلسہ کے موصول ہوئی ہوں شمار کی جائیں گی اور درصورت تسادی آرا فیصلۂ صدر جلسہ کے کاسٹنگ ووٹ پر ہوگا۔

دفعہ ۲۶:۔ سکریٹری کارروائی جلسہ ایک رجسٹر پر لکھے گا۔ جس میں اسمائے حاضرین نام صدر مختصر مباحثہ وتصفیہ امور پیش شدہ درج کیا جائے گا اور بعد ختم جلسہ کے دستخط اس پر حاصل کرے گا بعد ازاں جلد سے جلد سکریٹری کارروائی جلسہ کو دوسرے رجسٹر پر صاف کر کے رکھے گا اور آئندہ جلسہ میں اسے سنائے گا اور بعد منظوری اس پر دستخط صدر موجودہ کے لیے جائیں گے۔

فرائض واختیارات جنرل کمیٹی

دفعہ ۲۷:۔ جنرل کمیٹی کے فرائض واختیارات حسب ذیل ہوں گے۔

۱۔ منظوری بجٹ سالانہ ومنظوری حسابات واخراجات جو حسب بجٹ یا حسب الحکم انتظامیہ کمیٹی ہوئے ہوں یا جو سکریٹری نے اپنے اختیار تمیزی سے کیے ہوں اور انتظامیہ کمیٹی نے منظور کیے ہوں۔

۲۔ عام نگرانی امور یتیم خانہ وکوشش ترقی وخوشحالی یتیم خانہ۔

۳۔ تحفظ املاک یتیم خانہ

۴۔ نگرانی حالت تعلیم وتندرستی وتربیت ایتام اور بعد ختم قیام یتیم خانہ ایتام کو روزگار سے لگانے کی سعی کرنا۔

۵۔ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ممبران جنرل کمیٹی میں سے ماتحت کمیٹیاں اغراض خاص کے لیے قائم کرنا اور انتظامیہ کمیٹی کو ہدایت مناسب وضروری کرنا اور کام تفویض کرنا۔

۶۔ حسب دفعہ ۴۵ و ۴۷۔ دستور العمل ہذا جوائنٹ سکریٹری کا تقرر ورخصت و منظوری استعفیٰ۔

۷۔ منظوری قواعد تقرر سفر اوتصفیہ اجرت یا تنخواہ یا کمیشن سفر۔

۸۔ سکریٹری کو دو ماہ تک علی الاتصال رخصت دینا۔

۹۔ دیگر امور متعلق یتیم خانہ جن کا ذکر کسی دفعہ دستور العمل میں نہیں ہے اور جو منافی دستور العمل ہذا نہ ہوں۔

(ب) انتظامیہ کمیٹی (ممبری)

دفعہ ۲۸:۔ جنرل کمیٹی یتیم خانہ کے انتظامی امور ودیگر امور مفوضۂ خود کے انجام دینے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کرے گی جس کا نام ''انتظامیہ کمیٹی آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ'' ہوگا اور بزبان انگریزی نام اس کا ''مینجنگ کمیٹی آل انڈیا شیعہ آرفنج'' ہوگا۔

(۲۹) انتظامیہ کمیٹی کے ممبران پندرہ ہوں گے جن کا انتخاب جنرل کمیٹی اپنے مقامی ممبران میں سے کرے گی۔ لیکن یہ لازمی ہوگا کہ منجملہ پندرہ کے دس ممبران ممبران میں سے منتخب ہوں گے جو ممبران مرکزی کمیٹی ہوں۔

دفعہ ۳۰:۔ میعاد عہدہ ممبران انتظامیہ کمیٹی وہی اور اسی طرح ہوگی جو اور جس طرح دفعہ ۱۲ میں ممبران جنرل کمیٹی کے لیے مذکور ہے۔

دفعہ ۳۱:۔ ممبران انتظامیہ کمیٹی جو بروقت نفاذ دستورالعمل ہذا کام کر رہے ہیں وہ باقاعدہ ممبر انتظامیہ کمیٹی متصور ہوں گے اور ان کی میعاد عہد تاریخ ۳۱ ماہ مارچ ۱۹۲۶ء تک یا جب تک جدید انتخاب نہ ہو شمار کی جائے گی۔

دفعہ ۳۲:۔ مضمون دفعات ۱۳ الغایت ۱۷۔ ضروری ترمیم کے ساتھ باستثناء فقرہ اول دفعہ ۱۷۔ انتظامیہ کمیٹی سے بھی متعلق ہوگا۔

جلسہ ہائے انتظامیہ کمیٹی

دفعہ ۳۳:۔ انتظامیہ کمیٹی کے معمولی جلسے ہر انگریزی مہینہ میں ایک بار اور حتی الوسع آخری اتوار کو ہوا کریں گے لیکن غیر معمولی جلسہ سکریٹری خود یا تین ممبران انتظامیہ کمیٹی کے مطالبہ پر ہر وقت طلب کر سکے گا۔

دفعہ ۳۴:۔ معمولی جلسوں کا ایجنڈا تین روز قبل جلسہ ممبران کے پاس پہنچنا لازمی ہوگا۔ لیکن غیر معمولی جلسہ کے لیے یہ شرط نہ ہوگی۔

دفعہ ۳۵:۔ ہر جلسہ کے لیے پانچ ممبران کا کورم ہوگا لیکن ملتوی شدہ جلسے کا کورم علاوہ سکریٹری و جوائنٹ سکریٹری کے دو ممبران کا ہوگا۔

دفعہ ۳۶:۔ طریقۂ کارروائی جلسہ ہائے انتظامیہ کمیٹی وہی ہوگا جو دفعات ۲۴ لغایت ۲۶ میں درج ہے لیکن تحریری رائیں جلسہ انتظامیہ کمیٹی میں نہ لی جائیں گی۔

فرائض واختیارات انتظامیہ کمیٹی

دفعہ ۳۷:۔ انتظامیہ کمیٹی کے فرائض واختیارات علاوہ تعمیل احکامات ومفوضات جنرل کمیٹی کے حسب ذیل ہوں گے۔

۱۔ اخراج ایتام اور ان کی تعلیم وتندرستی و دیگر احوال کی خبر گیری۔

۲۔ منظوری یا نامنظوری اخراجات جو سکریٹری نے باختیار خود کیے ہوں۔ سکریٹری کو بروقت ضرورت بجٹ منظور شدہ کے علاوہ تین سو روپیہ تک خرچ کرنے کی اجازت دینا۔ بجٹ کے اندر ایک مد کی توفیر کو تین سو روپیہ تک دوسری مد میں صرف کرنے کی اجازت سکریٹری کو دینا۔ سکریٹری کے اخراجات اندرون و بیرون بجٹ کی نگرانی کرنا اور حسابات دفتر یتیم خانہ کی جانچ کرنا۔

۳۔ عام نگرانی عمال واحوال یتیم خانہ۔

۴۔ ترتیب دفتر وفرائض واختیارات عمال کے لیے اور ان امور کے لیے جن کے لیے بائی لاز کا ہونا دستورالعمل ہذا میں مذکور ہے بائی لاز تیار کرنا اور جنرل کمیٹی سے منظور کرانا۔

۵۔ سکریٹری کے احکام مشعر برطرفی ومعطلی زائد از دو ماہ عمال یتیم خانہ کے خلاف اپیل سننا۔

۶۔ حسب ضرورت ممبران انتظامیہ کمیٹی میں سے ماتحت کمیٹیاں اغراض خاص کے لیے مقرر کرنا اور ڈپوٹیشن بھیجنا۔

۷۔ سفرا کا تقرر اور ان کے کام کی جانچ ونگرانی کرنا۔

دفعہ ۳۸:۔ مرکزی کمیٹی بنابر انصرام یتیم خانہ ایک عہدہ دار کا انتخاب کیا کرے گی جس کا نام ''سکریٹری آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ'' ہوگا اور اس کی منظوری اجلاس سالانہ کانفرنس میں لی جائے گی اور اختتام اجلاس سالانہ کے بعد اندر ایک ماہ کے سکریٹری موجودہ وجدید سکریٹری کو مکمل چارج یتیم خانہ کا دیدے گا۔

دفعہ ۳۹:۔ جو سکریٹری بروقت نفاذ دستور العمل کام کر رہا ہوگا وہ آئندہ اجلاس کانفرنس تک کے لیے باقاعدہ سکریٹری متصور ہوگا۔

دفعہ ۴۰:۔ سکریٹری کی میعاد عہدہ تاریخ منظوری اجلاس سالانہ سے دوسال ہوگی لیکن درصورت نہ ہونے جدید انتخاب کے اس کی میعاد عہدہ جدید انتخاب تک قائم رہے گی۔

دفعہ ۴۱:۔ اگر سکریٹری مستعفی ہونا چاہے تو اسے تحریری استعفیٰ مرکزی کمیٹی میں بھیجنا ہوگا اور درصورت منظوری استعفیٰ مرکزی کمیٹی دوسرے سکریٹری کا انتخاب بقیہ مدت عہدہ سکریٹری مستعفی کے لیے کرے گی۔

دفعہ ۴۲:۔ مرکزی کمیٹی وجوہات معقول پر باختیار خود یا بہ سفارش جنرل کمیٹی سکریٹری کو معطل کرسکتی ہے لیکن یہ مسئلہ آئندہ اجلاس کانفرنس میں پیش کیا جائے گا اور تصفیہ کانفرنس قطعی ہوگا۔

دفعہ ۴۳:۔ سکریٹری کا عہدہ جب کبھی بوجہ استعفیٰ یا تعطل یا اور کسی وجہ سے مستقلاً یا عارضی طور پر خالی ہو تو بقیہ مدت کے لیے اس کا پر کرنا یا سکریٹری کو دو ماہ سے زائد

رخصت دینا با اختیار مرکزی کمیٹی کو ہوگا۔

فرائض واختیارات سکریٹری

دفعہ ۴۴:۔ یتیم خانہ کا مہتمم اعلیٰ سکریٹری ہوگا۔ جملہ خط وکتابت مراسلت وغیرہ منجانب یتیم خانہ اسی کے نام ودستخط سے ہوگی سرمایہ یتیم خانہ بینک میں اس کی دستخط سے جمع ہوگا اور بہ پابندی دفعہ ۴۷ (الف وب) مابعد اس کے دستخط سے برآمد ہوگا اور جملہ عدالتی کارروائی منجانب یتیم خانہ بحیثیت مدعی یا مدعا علیہ سکریٹری کرے گا۔ علاوہ ان امور کے سکریٹری کے فرائض واختیارات حسب ذیل ہوں گے۔

۱۔ یتیم خانہ کے ملازمین خدمتی کا تقرر وبرطرفی وترقی وتنزلی ومعطلی وبحالی وانعام وسزا۔

۲۔ عمال یتیم خانہ کا تقرر وبرطرفی وترقی وتنزلی ومعطلی وبحالی وانعام سزا یہ اختیار سکریٹری کو ہوگا لیکن احکام برطرفی ومعطلی زائد از دو ماہ کا اپیل انتظامیہ کمیٹی میں اندر ایک ماہ تاریخ صدور حکم سے ہو سکے گا۔

۳۔ عمال وملازمین کے کاموں کی نگرانی رکھنا۔

۴۔ روزمرہ کی ضروریات کے علاوہ غیر معمولی مصارف کے لیے جو مدات بجٹ میں منظور ہو چکی ہیں ان میں دوسو روپئے سے زائد کے لیے اولاً انتظامیہ کمیٹی سے منظوری حاصل کرنا۔

نوٹ:۔ غیر معمولی اخراجات کے لیے محض بجٹ کا اندراج کافی نہ ہوگا بلکہ دوسو روپئے سے زائد اس مد میں محض بعد منظوری انتظامیہ کمیٹی صرف کر سکے گا۔

۵۔ جنرل کمیٹی اور انتظامیہ کمیٹی کے جلسے طلب کرنا اور ان کی کارروائی لکھنا۔

۶۔احکامات وہدایات وتجویزات جنرل کمیٹی وانتظامیہ کمیٹی کی تعمیل کرنا۔

۷۔یتیم خانہ کے جملہ انتظامی امور کی نگہداشت رکھنا۔ایتام کی تعلیم وتندرستی وخورش وپوشش وتربیت وتادیب کا انتظام ونگرانی کرنا۔

۸۔جوائنٹ سکریٹری کے سپرد اپنے فرائض واختیارات میں سے کوئی فرض یا اختیار تحریراً کرنا ان کو ہدایت کرنا اوران سے حسب ضرورت کام لینا۔

۹۔یتیم خانہ کی بہبودی وحسن انتظام کا ذمہ دار ہونا۔

۱۰۔دفتر کی کامل نگہداشت رکھنا اور کاغذات کو مکمل رکھنا۔

۱۱۔یومیہ آمدنی وخرچ کا گوشوارہ حسب نمونہ مندرجہ تحت ہفتہ وار دفتر کانفرنس میں بھیجنا اور ہر گوشوارہ کی تاریخ پر جو رقم باقی بچے اس کی تفصیلات خانہ کیفیت میں درج کرنا۔

تاریخ	بقایا سابق	میزان آمدنی	میزان خرچ	باقی	کیفیت

۱۲۔ہر اس امر سے جو متعلق مرکزی کمیٹی ہو کانفرنس کو اطلاع دینا۔

۱۳۔بہبود یتیم خانہ کے لیے تدابیر بمشورۂ انتظامیہ کمیٹی اختیار کرنا اور درصورت استعجال کے خود اختیار کرنا اور بعد کو انتظامیہ کمیٹی سے منظور کرانا۔

۱۴۔اس فرض یا اختیار کو برتنا جو کسی دفعہ دستور العمل کے رو سے سکریٹری کے متعلق ہونا ظاہر ہوگا۔

(د)۔جوائنٹ سکریٹری

دفعہ ۴۵:۔ سکریٹری کی امداد کے لیے دو یا دو سے زیادہ جوائنٹ سکریٹری ہوں گے جن کا انتخاب جنرل کمیٹی اپنے ممبران مقامی میں سے حتی الوسع بہ مشورہ وپسند سکریٹری

کرے گی۔

دفعہ ۴۶:۔ جوائنٹ سکریٹری کی میعاد عہدہ سکریٹری کی میعاد عہدہ کے ساتھ ختم ہوگی جس کے عہد میں وہ منتخب ہوا ہو۔

دفعہ ۴۷:۔ جوائنٹ سکریٹری کو علیٰحدہ کرنا رخصت دینا یا اس کا استعفیٰ منظور کرنا اور اس کے عہدہ کے عارضی طور پر یا مستقلاً خالی ہونے کی صورت میں اس کا پُر کرنا بہ اختیار جنرل کمیٹی ہوگا۔

دفعہ ۴۸:۔ (الف)۔جوائنٹ سکریٹری کے فرائض واختیارات وہ ہوں گے جو سکریٹری اس کو تحریراً تفویض کردے لیکن بعد تفویض اس کے احکامات متعلق امر تفویض شدہ کے بمنزلہ سکریٹری کے احکامات کے نافذ العمل ہوں گے لیکن اگر کسی امر میں سکریٹری یتیم خانہ کو جوائنٹ سکریٹری کے احکامات یا پالیسی سے کوئی اختلاف ہو تو سکریٹری ان احکامات یا پالیسی کے عمل درآمد کی تا فیصلہ مینجنگ کمیٹی بذریعہ تحریر کے جوائنٹ سکریٹری کو اطلاع دے کر رکوادے گا اور جلد از جلد اس مسئلہ کا فیصلہ مینجنگ کمیٹی سے کرادے گا۔

(ب)۔درصورت رخصت سکریٹری کے وہ جوائنٹ سکریٹری جس کو جنرل کمیٹی اس کے لیے مقرر کرے وہ کل فرائض واختیارات انجام دے گا جو سکریٹری کے ہیں۔

(ہ)۔اسسٹنٹ سکریٹری

دفعہ ۴۹:۔ اسسٹنٹ سکریٹری تنخواہ دار ہوگا اور اس کے فرائض واختیارات

وتنخواہ وغیرہ بائی لاز میں درج ہوں گے۔

دفعہ ۵۰:۔ اسسٹنٹ سکریٹری کا تقرر و برطرفی وترقی وتنزلی و معطلی و بحالی وانعام وسزا بہ اختیار انتظامیہ کمیٹی ہوگا۔لیکن منظوری جنرل کمیٹی لازمی ہوگی۔

باب چہارم
عمال یتیم خانہ

دفعہ ۵۱:۔ عمال یتیم خانہ کی تعداد وعہدہ وتنخواہ وغیرہ کا تعین منظور شدہ بجٹ کے اندر باختیار انتظامیہ کمیٹی ہوگا۔

دفعہ ۵۲:۔ عمال یتیم خانہ کے لیے مفصل ہدایات ومکمل لائحہ عمل وتعداد وتنخواہ اس بائی لاز میں مندرج ہوگی جو انتظامیہ کمیٹی بہ پابندی دستور العمل ہذا مرتب کرے گی۔ وہ بائی لاز بعد منظوری جنرل کمیٹی جزو دستور العمل ہذا متصور ہوں گے اور بطور ضمیمہ اس کے ساتھ طبع ہوں گے۔عمال پر اس کی پابندی لازمی ہوگی اور اس کی ترمیم باختیار انتظامیہ کمیٹی بمنظوری جنرل کمیٹی ہوگی۔

دفعہ ۵۳:۔ جنرل کمیٹی کو صنف عمال مندرجہ دفعہ ۵۱ میں کمی یا زیادتی کا اختیار ہوگا۔

باب پنجم:۔ ملازمین خدمتی یتیم خانہ (دفعہ ۵۴) تعداد تنخواہ ونوعیت ملازمین خدمتی حسب ضرورت وقت انتظامیہ کمیٹی بہ مشورہ سکریٹری معین کرے گی۔

دفعہ ۵۵:۔ ملازمین خدمتی کے لیے ایک ہدایت نامہ سکریٹری مرتب کرے گا جو ضمیمہ بائی لاز متصور ہوگا اور ملازمین خدمتی پر اس کی تعمیل لازم ہوگی اس ہدایت نامہ کی ترمیم حسب تجویز سکریٹری ہمہ وقت ہو سکے گی۔

باب ششم
قواعد متعلق ایتام

دفعہ ۵۶:۔ یتیم خانہ میں ہر یتیم بچہ لیا جا سکے گا۔ بشرطیکہ اس کی عمر بروقت داخلہ ۴ سال سے ۱۲ سال کے اندر ہو۔لیکن اس سے زائد عمر کے بچے بھی خاص صورتوں میں بمنظوری جنرل کمیٹی لیے جا سکیں گے۔

دفعہ ۵۷:۔ یتیم خانہ میں یتیم لڑکیاں نہ لی جا سکیں گی۔

دفعہ ۵۸: (الف)۔ جو شخص کسی بچہ کو یتیم خانہ میں داخل کرنا چاہے گا اس کو ایک درخواست تحریری دینی ہوگی، جس کے بعد اس کو فارم داخلہ حسب نمونہ مندرجہ تحت یتیم خانہ سے دیا جائے گا اور ہر بچے کے لیے جداگانہ فارم داخل کنندہ کو بھرنا ہوگا۔

(ب)۔ کوئی بچہ بغیر سفارش کسی ممبر مرکزی کمیٹی یا جنرل کمیٹی یا کسی مجتہد یا عالم دین یا کسی معزز رئیس مقامی کے داخل نہ ہو سکے گا۔

دفعہ ۵۹:۔ جس وقت یتیم بفرض داخلہ حاضر کیا جائے گا سکریٹری بذریعہ کسی

حکیم یا ڈاکٹر کے اس کی صحت کا اطمینان کر لے گا اور درصورت لاحق پائے جانے کسی مرض متعدی کے اس کا داخلہ نہ ہو سکے گا۔

دفعہ ۶۰:۔ جنرل کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ بروقت ضرورت کسی بچہ کے لیے یا سب بچوں کے لیے سکریٹری کے نام سے سرٹیفکیٹ ولایت ذات نابالغ کا عدالت سے حاصل کرے۔

دفعہ ۶۱:۔ یتیم خانہ میں محض شیعہ بچے لیے جائیں گے۔

دفعہ ۶۲:۔ یتیم خانہ میں ایتام کو حسب ذیل تعلیم دی جائے گی۔ یعنی

۱۔ دینیات مطابق عقائد مذہب شیعہ اثنا عشری

۲۔ انگریزی، اردو اور فارسی بقدر ضرورت

۳۔ صنعت و حرفت

۴۔ حساب بقدر ضرورت

دفعہ ۶۳:۔ نصاب تعلیم و دیگر قواعد متعلق بود و باش پوشش و تربیت و تادیب ایتام بائی لاز میں مندرج ہوگا۔

دفعہ ۶۴:۔ یتیم خانہ سے کسی بچہ کو سوائے بعض اہم صورتوں کے جو باختیار تمیزی سکریٹری ہوں گے رخصت غیر حاضری نہ دی جائے گی۔

دفعہ ۶۵:۔ بچے اس وقت تک یتیم خانہ میں رہ سکیں گے جب تک ان کی عمر ۱۸ سال کی نہ ہو۔ لیکن خاص صورتوں میں ۶ ماہ کی مدت تک سکریٹری اپنے اختیار تمیزی سے

ایک سال کی مدت تک بمنظوری انتظامیہ کمیٹی تین سال کی مدت تک بمنظوری جنرل کمیٹی اور اس سے زائد مدت تک بمنظوری مرکزی کمیٹی بعد پورے کرنے عمر ۱۸ سال کے بچے کو یتیم خانہ میں رکھ سکتا ہے۔

دفعہ ۶۶:۔ اگر کسی بچے کو اس کا داخل کنندہ یا اس کا کوئی رشتہ دار یا دوست قبل اس کی عمر ۱۸ سال کے بلا رضامندی سکریٹری واپس لینا چاہے گا تو اس کو کل صرفہ جو یتیم خانہ نے اس بچے کے متعلق وقت واپسی تک کیا ہے ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر بدون ادا کیے اس صرفہ کے بچہ کو واپس بلا لے گا تو یتیم خانہ مستحق وصولیابی اس صرفہ کا داخل کنندہ کی ذات و جائداد سے ہوگا۔

دفعہ ۶۷:۔ جو اشیائے صنعتی کوئی بچہ تیار کرے گا ان کے فروخت سے بعد وضع لاگت و مصارف تیاری وغیرہ جو منافع خالص بچے گا اس کا چہارم حصہ اس بچے کے لیے ایک فنڈ میں جمع کیا جائے گا جو اس بچے کا پراوڈنٹ فنڈ کہا جائے گا۔

دفعہ ۶۸:۔ جس وقت بعد تکمیل زمانہ مقرر کے یتیم خانہ سے کوئی بچہ علیٰحدہ کیا جائے گا اس وقت اس کو ایک سرٹیفکیٹ علیٰحدگی دیا جائے گا جس کا نمونہ درج تحت ہے اور جو رقم اس کے پراوڈنٹ فنڈ کی ہوگی وہ اس کے یا اس کے سرپرست کے حوالے حسب صوابدید سکریٹری کی جاوے گی۔

دفعہ ۶۹:۔ انتظامیہ کمیٹی کو اختیار ہے کہ وجوہ مناسب سے بمنظوری جنرل کمیٹی کسی بچہ کو یتیم خانہ سے قبل از وقت سزاً خارج کر دے یا ایسے خارج شدہ یتیم کو پھر داخل کرے۔ لیکن ہر حکم اخراج سے بچے یا اس کے داخل کنندہ یا دوست یا رشتہ دار کو جنرل کمیٹی کی

تاریخ حکم سے دو ماہ کے اندر اپیل کا حق ہوگا جس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ لیکن اگر حکم اخراج جنرل کمیٹی سے بحال رہے گا تو ایسے خارج شدہ یتیم کا داخلہ پھر نہ ہو سکے گا۔

دفعہ ۷۰:۔ یتیم خانہ سے کوئی بچہ کسی کو پرورش یا خدمت کے لیے نہ دیا جائے گا۔

دفعہ ۷۱:۔ ہر بچے کی سخت بیماری یا خدانخواستہ موت سے داخل کنندہ کو فوراً اطلاع دی جائے گی اور اگر کسی بچہ کا کوئی بھی خواہ اس کے حالات کا مستفسر ہوگا تو اس کو مفصل جواب دیا جائے گا۔

باب ہفتم

متفرق امور

دفعہ (۷۲):۔ سوائے سکریٹری و جوائنٹ سکریٹری کے جو ممبر جنرل کمیٹی ممبر مرکزی کمیٹی نہ ہوگا اسے ایک روپیہ ماہوار یتیم خانہ کو دینا لازم ہوگا۔

دفعہ ۷۳:۔ جو حضرات کسی مستقل رقم ماہوار یا سالانہ سے یتیم خانہ کی امداد فرمائیں ان کی فہرست بطور واصل باقی ہر سال کے ختم پر بغرض اطلاع عام شائع ہوا کرے گی اور مستقل چندہ دہندگان کی خدمت میں بھیجی جایا کرے گی۔

دفعہ ۷۴:۔ (الف)۔ جو روپیہ یتیم خانہ کا کسی بینک میں ہوگا وہ محض حسب ذیل طریق پر برآمد ہو سکے گا یعنی سکریٹری کو اختیار ہوگا کہ مبلغ دو ہزار روپیہ تک کسی ایک ماہ انگریزی میں اپنے دستخط سے برآمد کرے لیکن اگر اس سے زائد کی برآمدگی کی ضرورت کسی ماہ میں درپیش ہو تو ایسی صورت میں جب تک انتظامیہ کمیٹی کا رزولیوشن نہ ہو یا چیک پر علاوہ سکریٹری جنرل سکریٹری یا جوائنٹ سکریٹری انچارج دفتر کانفرنس کا دستخط بھی نہ ہو روپیہ بینک سے برآمد نہ ہو سکے گا۔

(ب)۔ سکریٹری یتیم خانہ مجاز ہے کہ وہ منجانب آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ جن بینکوں میں سرمایہ یتیم خانہ جمع ہو اس کو بمنظوری مینجنگ کمیٹی اندر حدود معینہ دفعہ ۷۴ (الف) و بپابندی بجٹ برآورد و درآورد کریں یعنی (Operate) کریں اور سیونگ بینک اور پوسٹ آفس و خزانہ ہائے سرکاری میں یا کسی بینک میں آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ کا جو روپیہ جمع ہوا اس کا سودا اپنے دستخط سے وصول کریں اور امپریل بینک یا گورنمنٹ ڈٹ آفس یا خزانہ سرکاری میں پرآمیسری نوٹ بعد منظوری مینجنگ کمیٹی بغرض تجدید و تصدیق پیش کریں اور تجدید کرائیں اور تجدید و تصدیق شدہ واپس لیں۔ اور پرامیسری نوٹ وکیش سرٹیفکیٹ و دیگر تمسکات کی خریداری بعد منظوری انتظامیہ کمیٹی کریں اور اس سلسلہ میں جملہ ضروری کارروائی اپنے دستخط سے کریں۔

ایسی جملہ ضروری کارروائی منجانب آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ متصور ہوگی۔

دفعہ ۷۵:۔ علاوہ مرکزی کمیٹی کے اس دستور العمل میں ترمیم و تنسیخ و اضافہ

جنرل کمیٹی بھی کرسکتی ہے لیکن ایسی ترمیم وتنسیخ یا اضافہ اس وقت نافذ ہوگا جبکہ مرکزی کمیٹی اس کو منظور کرلے

دفعہ ۷۶:۔ اغراض دستورالعمل کے لیے ماہ وسال سے مراد سال وماہ انگریزی ہوگا یتیم خانہ کا کل کاروبار حساب ماہ وسال انگریزی رکھا جائے گا اور سال کا شمار یکم اپریل لغایۃ آخر مارچ ہوگا۔

دفعہ ۷۷:۔ دفتر یتیم خانہ کے لیے تعطیلات معین کرنا یہ اختیار سکریٹری کو ہوگا۔

دفعہ ۷۸:۔ جنرل کمیٹی میں کم ازکم ایک مجتہد ضرور ممبر ہوگا جو ممبر انتظامیہ کمیٹی بھی ہوگا۔

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ ۱۹۴۲ء

شاہی امام باڑے

امام باڑہ سلطان عالم موسوم بہ قصرالعزا

عالی جناب شیخ تصدق حسین صاحب حنفی ایڈوکیٹ

یہ امام باڑہ موضع بارہ دری قیصر باغ کے وسط میں مشرقی ومغربی پھاٹکوں کے درمیان واقع ہے۔ اس کا نام سلطان عالم حضرت واجد علی شاہ نے قصرالعزا رکھا تھا۔ ۱۲۷۰ھ میں جب بن کر تیار ہوا تو اس میں تعزیہ داری شروع ہوئی کپتان مہدی علی خان مقبول الدولہ قبولؔ نے تاریخ بناء تعزیہ داری کہی جو ان کے دیوان مطبوعہ ۱۲۷۲ھ میں حسب ذیل موجود ہے۔

تاریخ بنائے تعزیہ داری دربارہ دری
المسمی بقصرالعزا
بقیصر باغ درقصرالعزا از زینت خالص
شروع امسال کردہ شاہ ہندستان عزاداری
بسر درچیدن اسباب ماتم کردہ روز شب
بہ بیں ایں ست اے دل بادل وباجان عزاداری
چورونق داد از دل شاہ بہر ایں عزاخانہ
شدہ مقبول شہنشاہ مظلومان عزاداری
دعائیہ قبول ایں مصرع تاریخ ہاتف گفت
کند تا یک صد دسی سال این سلطان عزاداری

۱۲۷۰ھ

حضرت امجد علی شاہ نے ۲۶ر صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء کو وفات کی ان کے بعد

سلطان عالم تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئے اس حساب سے جلوس سلطنت کے ساتویں سال ۱۸۵۴ء میں قصر العزا بن کر تیار ہوا۔

یہ عمارت بہت بلند کرسی دے کر تعمیر کی گئی ہے اس کے بیچ میں ایک بڑا لمبا چوڑا ہال ہے جس کے ہر طرف چوڑے چوڑے دالان اور گوشوں پر؟؟؟ ہیں اور دالانوں سے متصل چاروں طرف بہت عریض چبوترہ بھی ہے۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ سلطان عالم کی فرمائش پر ایک ہی مجلس میں اسی امام باڑے میں پڑھتے تھے۔ اس کے قبل کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا تھا۔ مجالس عزا بھی اس میں ہوا کرتی تھیں۔

سلطان عالم کی ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ غدر کے بعد جب یہ عمارت انگریزوں کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے قیصر باغ کے مکانات جن میں بیگمیں رہا کرتی تھیں بڑے بڑے تعلقہ داروں کے حوالے کر دیئے اور قصر العزا کو برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے متعلق کر دیا۔ اس وقت اس میں بعض بڑے تعلقہ داروں کی تصویریں لگی ہیں اور کئی گورنر جنرلوں کے مجسمے بھی نصب ہیں۔ اس عمارت کا نام تبدیل ہو کر پتھر والی بارہ دری یا سفید بارہ دری ہو گیا ہے۔ کیونکہ پوری عمارت پر سفیدی پتی ہوئی ہے۔ رنگ آمیزی کہیں پر نام کو نہیں ہے۔ موجودہ حالت میں یہ عمارت ٹاؤن ہال کا کام دیتی ہے۔ بعض سرکاری وغیرہ سرکاری جلسے بھی اس میں ہوتے ہیں۔ انگریزوں کے زمانۂ حکومت میں جب کوئی نیا لفٹیننٹ گورنر یا یا گورنر مقرر ہو کر آتا تھا تو تعلقدار ان اودھ اسی بارہ دری میں اس کو پر تکلف دعوت دیتے تھے اور عمارت کو چوتھی کی دلھن کی طرح آراستہ کر کے کثرت روشنی سے ان کو بقعۂ نور بنا دیتے تھے بعد ختم طعام صحت عمارت میں آتشبازی بھی چھڑائی جاتی تھی۔

مثل سابق فرمانروایان اودھ سلطان عالم بھی تعزیہ داری بڑی حوصلہ مندی اور دریا دلی سے کرتے تھے۔ قیصر باغ کی مشہور و معروف نقرئی بارہ دری میں تعزیے رکھے جاتے تھے۔ یہ بارہ دری سلطان عالم کے رہنے کے خاص مقام کے قریب عین اس جگہ واقع تھی جہاں پر اب چینی بازار کے پھاٹک کے اندرونی جانب جناب غلام حسنین صاحب بٹ جج ہائی کورٹ الہ آباد نے اپنی کوٹھی تعمیر کرائی ہے۔ سلطان عالم کے امام باڑہ میں صرف چاندی کے نو عدد خوشنما تعزیے تھے اب نیرنگئ عالم سے اس عمارت کا نشان تک باقی نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی شورش عظیم میں بالکل تباہ و تاراج ہو گئی۔

عہد دولت سلطان عالم میں اس امام باڑہ میں خاک پاک کی ایک ضریح رکھی ہوئی تھی اس کی صورت یہ ہوئی کہ ضریح مذکورہ کو بتاریخ ۲۶ رشعبان ۱۲۷۰ھ مطابق مئی ۱۸۵۴ء سید مہدی حسن نامی ایک شخص اپنا ذریعہ فلاح سمجھ کر آئے تھے۔ یہ لکھنؤ کے قدیم باشندے تھے مگر تقریباً بیس سال سے کربلائے معلیٰ میں مقیم تھے۔ اپنے ہمراہ وہ مجتہدین کے سفارشی خطوط بھی لائے تھے۔ موصوف لکھنؤ آ کر دیانت الدولہ کی کربلائے نو تعمیر میں اترے اور سفارشی خطوط سب کو دیئے۔ خواجہ سراؤں نے سلطان عالم سے عرض کیا کہ فقط جہاں پناہ کے اقبال سے ایسا امر جدید حضور کی سلطنت میں ہوا ہے اور کسی کے عہد حکومت میں نہیں ہوا اس ضریح کا اہتمام لوازمۂ ایمان سے ہے۔ بادشاہ ان لوگوں کی باتوں کو تہ دل سے سنتے تھے۔ چنانچہ حکم جاری کر دیا کہ سب ارکان دولت سیہ پوش ہو کر ضریح کے استقبال کو جائیں۔ اس لیے شہزادے اور امرا اور ولی عہد دولت روضۂ کاظمین تعمیر کردہ شرف الدولہ غلام رضا خان اور کربلائے دیانت الدولہ میں آ کر جمع ہوئے۔ عوام نے شہر بھر میں دھوم مچا دی۔ جب شام

ہوگئی سب اپنے اپنے گھر واپس گئے۔ روشنی بہت کم تھی بوقت ۹ بجے شب ضریح کو ایک مقفل صندوق میں مثل تابوت شامیانہ کے نیچے اٹھا کر لے چلے مگر جلوس شاہی بہ سبب تاریکی ادھر اُدھر منتشر ہوگیا۔ جرنیل صاحب برادر سلطان عالم، شہزادگان وامراء ضریح کے ایک صندوق کو سلام کر کے چلے گئے فقط اہتمام الدولہ ساتھ رہے۔ نصب شب کو صندوق در دولت پر پہنچا۔ سلطان عالم نے دروازہ تک آ کر استقبال کیا اور سنگی بارہ دری میں رکھوادی۔ صرف دوشالہ، رومال بطور خلعت اور سات سو روپئے سید مہدی حسن کو عطا کیے۔ اور جو امیدیں وہ لگا کر آئے تھے یک پوری نہ ہوئی۔

محرم کے زمانہ میں نقرئی اوٹون پر سیاہ کپڑا لپیٹ کر اس کی کھونٹیوں پر نقرئی وطلائی جواہر نگار علم آبدار خنجر اور مرصع قبضوں کی بیش بہا اور نایاب زمانہ شمشیریں اور اس قبیل کی دوسری اشیاء بغرض زیارت سجائی جاتی تھیں اور تعزیوں کے درمیان خوش وضع رنگ برنگ اور پر بہار لالٹینیں بھی بغرض آرائش وزیبائش رکھی جاتی تھیں جن میں مومی شمعیں، روشن ہوتی تھیں۔ چالیس دن تک مسلسل بارہ دری میں شب کو نہایت نفیس اور صاف شفاف روشنی ہوتی تھی اور شب شہادت کو گو اس قدر پر تکلف اور دلفریب روشنی ہوتی تھی کہ رات دن کو مات کرتی تھی۔

محرم کی چوتھی کو شاہی امام باڑہ میں ایک عظیم الشان مجلس عزا برپا ہوتی تھی جس میں سلطان عالم اپنا نو تصنیف مرثیہ خود پڑھتے تھے۔ محرم کی اول پانچ تاریخوں میں غربا ومساکین کو شربت اور کھانے کے حصے تقسیم ہوتے تھے۔ چھٹی اور ساتویں کو نفیس اور خوش ذائقہ کھانوں کے حصے بطور توڑہ منڈی وسیع پیمانہ پر تقسیم کیے جاتے تھے۔ آٹھویں کی سہ پہر کو غربا کو شربت تقسیم ہوتا تھا اور شب میں حضرت عباس علمبردار کی نذر ہوتی تھی۔

محرم کی نویں بہت ہی اہم تاریخ ہوتی تھی اس روز دن بھر مجالس عزا منعقد ہوتی تھیں اور امام مظلوم اور دیگر شہدائے کربلا کے مصائب ودیگر واقعات کربلا بیان کیے جاتے تھے۔ شب کو رؤسا اور شرفاء اور دیگر تعزیہ داروں کے مکانوں اور امام باڑوں میں اتنی کثرت سے روشنی ہوتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر طرف آگ سی لگی ہوتی تھی۔

ایام عزاداری میں اکثر امراء ورؤسا لکھنؤ علم تعزئے وضریح جلوس کے ساتھ بڑے تزک واحتشام سے اٹھاتے تھے۔ دولت سرائے سلطانی میں بھی محرم کے موقع پر ہر سال تعزیے جلوس کے ساتھ گشت کرا کے بڑے بڑے درجوں میں رکھے جاتے تھے۔ یہ جلوس نہایت ہی پر شوکت ہوتا تھا جس کے ساز وسامان کی چمک دمک نفاست اور پاکیزگی شہرۂ آفاق تھی نوبت خانہ سبیل خانہ۔ کوہ پیکر ہاتھیوں پر پر تکلف اور خوشنما زرکا جھولیں۔ ماہی مراتب، اونٹوں کی لمبی قطار جن پر علمبردار سوار ہوتے تھے۔ فوج کے سواروں اور پیادوں کے دستے۔ برق انداز، بلم بردار، بینڈ باجہ نواز جو رزمیہ گیتیں بجاتے چلتے تھے۔ بیرق بردار، باجہ والوں کی ٹولیاں جو اپنے باجوں میں نوحے کہتے چلتے تھے۔ علمبرداروں کا غول، نہایت بیش قیمت وخوشنما ساز وسامان سے آراستہ دلدل وتابوت، ماتمی دستے، نوحہ خواں، عصابرداروں کا جتھا جن کے ہاتھوں میں نقرئی وطلائی عصا ہوتے تھے۔ جریدے آفتابے وغیرہ جلوس میں شامل ہوتے تھے۔ جلوس کی شان وشکوہ بڑھانے میں روپیہ بے جگری سے پانی کی طرح صرف کیا جاتا تھا۔ قصر سلطانی میں جب تک تعزیے دفن کر کے جلوس واپس نہ آجاتا تھا نہ کوئی ایک لقمہ کھانے کا کھاتا تھا نہ ایک گھونٹ پانی کا پیتا تھا۔ حتیٰ کہ شیر خوار بچے کو بھی جب تک تعزیے دفن نہ ہوجاتے تھے دودھ نہ دیا جاتا تھا۔ سہ پہر کو فاقہ شکنی ہوتی تھی اس

کے بعد کھنا پینا شروع کردیتے تھے ۔ انتزاع سلطنت کے قبل ومحرم پڑا تھا اس میں کئی بدشگونیاں دردولت میں ظہور پذیر ہوئیں۔ پہلی نحوست تو یہ ہوئی کہ بعد ختم مجلس جب دلدل بارہ دری میں بغرض زیارت لایا گیا تو اس نے امام باڑہ کے ایک بڑے اور قیمتی قالین تہس نہس کرڈالا پھر نویں تاریخ کو امام باڑہ کے دو نفیس اور گراں بہا جھاڑ کر چکنا چور ہو گئے۔ اس کے بعد ایک تعزیہ آگ لگ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ آخری بار ایک دمدار ستارہ آسمان پر نمودار ہو کر غائب ہو گیا۔ جس کا رخ اودھ کی طرف تھا۔ اس کو دیکھ کر منجمون نے یہ حکم لگایا تھا کہ اس سے زوال سلطنت کا پتہ چلتا ہے۔ زبان خلق نقارہ خدا ہوتی ہے۔ آخر کار یہ چرچے اور نحوستیں رنگ لائیں اور اودھ کی شاہی سلطنت صفحۂ دنیا سے نیست ونابود ہو کر رہ گئی۔

لکھنؤ سے کلکتہ جا کر بھی سلطان عالم مراسم عزاداری اسی شوق وشغف سے بجالاتے رہے محرم کی ساتویں کو مٹیا برج کی آسمانی کوٹھی سے شاہی مہندی بڑے تزک واحتشام سے اٹھتی تھی جس میں شاہ معزول خود گلے میں تاشہ ڈال کر ایک گھنٹہ تک تاشہ نوازی کرتے تھے اور بڑے بڑے نامی استاد اور ماہر فن موسیقی ان کی سنگت میں ڈھول بجاتے تھے۔ بادشاہ تاشہ بجانے میں ایسے مشتاق تھے کہ لوگ سن کر عش عش کر جاتے تھے۔

اخبار سرفراز لکھنؤ جلد ۷ ۲ شمارہ ۱۲، ۷ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۴۹ء، ص ۱۱

شاہی امام باڑے

سبطین آباد

(از جناب شیخ تصدق حسین صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ)

سبطین آباد دراصل حضرت امجد علی شاہ پدر سلطان عالم واجد علی شاہ کا مقبرہ ہے جو بوضع امام باڑہ حضرت گنج میں تعمیر کیا گیا۔ اسی محلے کو امجد علی شاہ نے خود اپنے دور حکومت میں آباد کیا تھا۔ عمارت کا صدر پھاٹک بہت عالیشان اور لب سڑک واقع ہے۔ اس پھاٹک کے اندر پہلے صحن تھا اس کے بعد دوسرا پھاٹک تھا۔ مگر تھوڑا عرصہ گذرا کہ دونوں پھاٹکوں کے درمیان غرضاً سڑک نکال دی گئی ہے جس سے دونوں بے لگاؤ ہو گئے ہیں۔ دوسرے پھاٹک کے متصل دوسرا صحن ہے جس کے خاتمہ پر امام باڑے کی عمارت ہے ۔ اس کے دونوں بازوؤں میں دوسرے پھاٹک تک غلام گردش تھی جس کو سکونتی مکانوں میں تبدیل کر کے اب کرایہ دار آباد کر دیے گئے ہیں۔ امام باڑہ کی وضع قطع حسین آباد سے بہت مشابہ ہے مگر بحیثیت مجموعی اس کی صنعتی خوبیوں اور دلکشی کو نہیں پہنچتا ۔ مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم نے ''گذشتہ لکھنؤ'' میں بہت صحیح لکھا ہے کہ سبطین آباد امام باڑہ حسین آباد کی ناقص نقل ہے۔ تخمیناً تیس برس اُدھر سبطین آباد میں بزمانہ عشرۂ محرم کسی قدر روشنی بھی ہوتی تھی جس کو راقم السطور نے خود دیکھا تھا۔ مشہور ہے کہ بزمانہ قیام لکھنؤ محرم کی کسی مقررہ تاریخ میں سلطان عالم اپنا نوتصنیف مرثیہ بھی اس امام باڑے میں پڑھا کرتے تھے۔ امجد علی شاہ ۱۶ مئی ۱۸۴۳ء کو اپنے پدر حضرت محمد علی شاہ کی وفات پر سریر آرائے سلطنت ہوئے یکم فروری کو موصوف کی پشت پر ایک دانہ نکل آیا۔ معالجوں نے دو تین دن ادویہ محللہ کا استعمال کرایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار فصد لی گئی تو معلوم ہوا کہ سرطان ہے۔ بہت سے نسخے استعمال کرائے گئے۔ مسہل بھی ہوئے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ سید کمال الدین حیدر مصنف قیصر التواریخ اس سرطان کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ بادشاہ ابتدا سے عارضۂ جوانی میں مبتلا

ہو چکے تھے۔ اسی وجہ سے جب تک حکیم مرزا محمد علی زندہ رہے ہر ہفتہ تنقیہ خاص وعام کرتے رہے جب وہ انتقال کر گئے تو مسیح الدولہ مرزا حسن علی وغیرہ نے اکثر فصد میں تامل کیا اور بادشاہ کی خوشی پر موقوف رکھی اسی سبب سے خون فاسد کی کثرت سے سرطان پیدا ہو گیا۔ گو فصدیں بھی لی گئیں مگر ہفتہ عشرہ میں حال غیر ہو گیا۔ بالآخر بروز ہفتہ ۲۶ رصفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۳ رفروری ۱۸۴۷ء کو بوقت چار بجے دن ۸۴ برس پانچ ماہ بارہ دن کی عمر میں جب جلوس کو چار برس گیارہ مہینے ہو چکے تھے تو شام کو مرگ سے ہمکنار ہوئے۔ بعد وفات ''جنت مکان'' لقب ہوا۔ سید حیدر علی نے تاریخ وفات کہی۔ ع

سرطان سے وہ مہر جہاں تاب نہ نکلا

۱۲۶۳ھ

بادشاہ کی آنکھ بند ہوتے ہی سلطان عالم کے جشن تاجپوشی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ مرزا رجب علی سرورؔ مصنف فسانۂ عجائب شاہ مرحوم کے ہمعصر تھے۔ موصوف بادشاہ کے جنازے کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب فسانۂ عبرت میں اپنے مخصوص طرز میں لکھتے ہیں۔

امجد علی شاہ بہ علت سرطان گھڑی میں گھڑیال ہوا پہلے زخم تھوڑا تھا مگر ساتویں پیٹھ سے گردن تک پھوڑا تھا۔ ۸۴ سال پانچ مہینے بارہ دن عمر کے گذرے تھے۔ وقت عصر سرائے ہستی سے کوچ کا نقارہ ہوا۔ ۱۴ رفروری ۱۸۴۷ء دوپہر ڈھلے جنازہ اٹھایا۔ انتہا کی کثرت تھی۔ وزیر جنازہ کے پیچھے یعنی اب تک بادشاہ کی آڑ میں رہے۔ منڈل مفرق سر پر رکھے امرا وارکان سرنگے غمگین اداس تھے۔ بہت جنازے کے آگے تھوڑے پاس تھے۔ خود بدولت نے مینڈو خان کی لین میں اصطبل پسند کر کے مقبرہ بنوایا۔ ۔ وزیر کی بے لیاقتی سے

رزیڈنٹ بگھی پر سوار آئے۔ جنازہ سے پہلے برسر مدفن شہریار آئے وگرنہ جس شہریار کا جنازہ اٹھا صاحب کلان با سرعریاں پیادہ پا ساتھ رہا۔ وزیر یا نائب کے ہاتھ میں ہاتھ رہا۔

بادشاہ مرحوم کی تجہیز وتکفین کا ذکر کرتے ہوئے منشی رام سہائے تمنا بھی افضل التواریخ میں لکھتے ہیں کہ۔

امجد علی شاہ کی لاش بھی بے گور وکفن رکھی ہوئی تھی کہ ان کے بیٹے واجد علی شاہ کی تخت نشینی کی خوشیاں ہونے لگیں۔ عین جلسہ کے وقت داروغہ دیوان عام نے ان کے والد کی تجہیز وتکفین کے لیے ان الفاظ میں عرض کیا کہ ''ایک مسافر ملک ابد کا چند روز سے مقیم سرائے فانی تھا اب عازم وطن اصلی ہے زاد راہ کی ضرورت ہے جو امداد ہو۔''

چنانچہ ایک لاکھ روپئے عطا ہوئے اور رقم منظور شدہ خزانۂ شاہی سے فوراً وصول بھی ہو گئی۔ ۲۷ رصفر کو بروز یکشنبہ زیر مولی محل دریا کے کنارے خیمے میں غسل دیا گیا اور میدان رمنہ میں مجتہدین نے باجماعت کثیر نماز پڑھی خود پیادہ جنازے کے ساتھ ہوئے جلوس شاہی کثرت سے تھا خلقت بھی بہت جمع تھی۔ محلہ حضرت گنج میں بمقام چھاؤنی مینڈو خان رسالدار حسب وصیت مدفون ہوئے۔

سلطان عالم نے جو قبل از جلوس تخت نشینی کوٹھی گلستان ارم میں بریگیڈیر جانسن صاحب کے انتظار میں رونق افروز تھے فرمایا کہ دس لاکھ روپے خزانہ سے لے کر ساتھ لاکھ روپے میں مقبرہ سبطین آباد تعمیر کیا جائے اور تین لاکھ روپئے کے گورنمنٹ پرامیسری نوٹ مصارف مقبرہ کے لیے خرید کیے جائیں۔ چنانچہ ۱۲۶۴ھ میں سبطین آباد بن کر تیار ہو گیا۔ جس کا تاریخی مادہ ''آرام گاہ ظل اللہ'' ہے۔

یہ عمارت زیر نگرانی علی خان پدر رضا خان تعمیر ہوئی جو نجیب الدولہ کے خطاب اور سکندری پلٹن کی کمیدانی پر سرفراز تھے مگر ان کے ساتھ اس کی تیاری اور کارفرمائی کے لیے محمد بشیر خواجہ سرا مخاطب بہ شبیر الدولہ کو بھی مقرر کیا گیا تھا۔

تین لاکھ روپئے جو سلطان عالم نے نوٹوں کی خریداری کے لیے دیئے تھے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سید کمال الدین حیدر لکھتے ہیں کہ نوٹوں کا تین لاکھ روپیہ دونوں کارپردازوں کے عیش ونشاط کی نذر ہوگیا۔ اسی سبب سے مقبرہ باختیار شہزادی (یعنی اشرف النسا بیگم عرف چھوٹی شہزادی) ہے۔ اگر نوٹ خرید لیے جاتے تو البتہ مقبرہ کی رونق قائم رہتی جواب بالکل بے رونق ہے۔ حالانکہ گرد کی دکانوں وغیرہ کا کرایہ کچھ کم نہیں ہے۔

امام باڑے کے متعلق ایک مسجد بھی تھی جس میں بشیر الدولہ کے بے حد اصرار پر جناب مولوی امیر علی صاحب شہید ساکن امیٹھی مع پچاس ساٹھ ہمراہیوں کے آکر فروکش ہوئے تھے اور ہنومان گڑھ والی مسجد کے متعلق نواب علی نقی خان وزیر اعظم اودھ سے گفتگو بھی کی تھی۔

بادشاہ کی قبر تہہ خانہ میں ہے۔ ان کے مدفن کے علاوہ اس میں دو مرقد اور بھی ہیں ایک تو سلطان عالم کی زوجہ ممتوعہ انجم بیگم کا اور دوسرا واجد علی شاہ کے پسر دوئم مرزا جاوید علی ولی عہد کا جنہوں نے بعمر پندرہ برس پانچ ماہ مئی ۱۸۴۹ء کو تپ دق اور استسقا میں مبتلا ہوکر دنیا کو خیر باد کہی تھی۔

ابتدا میں امام باڑے کے اندر قیمتی قیمتی قالین بچھے تھے۔ طرح طرح کے گراں بہا اور خوشنما جھاڑ آویزاں تھے۔ کل عمارت صنعتی نوادر اور عجوبۂ روزگار اشیا سے پر تھی مگر ۱۸۵۷ء کی شورش عظیم میں فتنہ انگیز اور ہنگامہ پسند اشخاص امام باڑہ کے ساز وسامان کو خوان یغما تصور

کرکے بھوکے ہتھیاروں کی طرح ٹوٹ پڑے اور جو چیز جس کے ہاتھ لگی وہ مال غنیمت سمجھ کر لوٹ لے گیا۔

۱۲، اور ۱۳/ مارچ ۱۸۵۸ء کو جب حضرت گنج کی بیگم والی کوٹھی انگریزوں کی قبضہ میں چلی گئی تو انہوں نے اس امام باڑے کی طرف رخ کیا۔ حملہ آور فوج کے ساتھ دو توپیں اور پیدل سپاہیوں کی دو کمپنیاں تھیں ان کے علاوہ تقریباً سو سکھ بھی تھے مگر مدافعتی مورچہ بہت کمزور تھا اور معمولی سے مقابلے کے بعد تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ گیا بعدۂ انگریزی سپاہ بادۂ ظفر مندی سے سرشار ہوکر قیصر باغ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

جب اودھ میں انگریزوں کا تسلط پورے طور سے ہوگیا تو امام باڑہ کی عمارت میں برٹش چرچ (گرجا) قائم کیا گیا۔ مگر جب ۱۸۵۷ء کے محاربۂ عظیم کے مہلوکین کی یادگار میں کرائسٹ چرچ ( ) بن کر تیار ہوگیا تو ۱۸۶۰ء میں یہ عمارت خالی کردی گئی۔

اب امام باڑہ کی حالت اس نحیف وکہنہ بیمار کی طرح ہے جس کو دوا علاج کی سخت ضرورت ہے مگر کوئی دردمند تیماردار اور چارہ گر اس کے پاس نہ پھٹکتا ہو۔ چنانچہ چوڑیاں اینٹھ برر کر اور خراب وخستہ ہوکر بند پڑی ہیں۔ جھاڑ فانوسوں کے بجائے ہر طرف جالا لگا ہے اور پورا منظر نہایت بھیانک ہوگیا ہے۔ کئی آراضیاں متعلق امام باڑہ فروخت بھی ہوچکی ہیں، جن پر کوٹھیاں بن گئی ہیں اور گو کہ دکانوں ومکانوں سے معقول کرایہ آتا ہے مگر پھر بھی شاہ مرحوم کا مزار زبان قال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ

''برمزارے ماغریباں نے چراغے نے گلے''

اخبار سرفراز لکھنؤ جلد (۲۶)۔ شمارہ نمبر (۱۴) ۱۹ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۵۰ء، ص ۵

شیعہ وقف اور اوقاف شاہی

فخر قوم سید کلب عباس صاحب ایڈوکیٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس لکھنؤ

مسلم وقف ایکٹ کے پاس ہونے اور اوقاف کے اصلاح ونگرانی کے لیے وقف بورڈ کی تشکیل نے لکھنؤ اور اس نے جرائد قومی میں اتنی بے چینی نہیں پیدا کی جتنی کی وقف حسین آباد مبارک اور دیگر اوقاف متعلقہ کے زیر تحت شیعہ مرکزی وقف نہ لائے جانے کے نسبت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اگر مسلم وقف ایکٹ شیعوں کے لیے غیر معینہ تھا اور اس کے پاس کردہ اصول اوقاف شیعہ کے لیے غیر معینہ تھے تو اس کے خلاف پوری قوت کے ساتھ ہمارے ہمدردان اوقاف کو صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے تھی اور پانچ فیصد جو آمدنی بنا بر اخراجات وقف بورڈ از روئے دفعہ ۵۴ مسلم وقف ایکٹ مقرر کیے گئے تھے اس کے کسی وقف شیعہ عائد نہ کیے جانے کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔ اس لیے کہ کوئی وقف بڑا ہو یا چھوٹا کسی میں بھی کوئی رقم تحفظ واصلاح اوقاف کے لیے نہیں کی گئی ہے اور یہ پانچ فیصدی اسی آمدنی سے نکلتا ہے جو امور خیر کے لیے وقف ہے مگر چودہ ہزار اوقاف شیعہ جو صوبہ بھر میں ہے ان کے وقف بورڈ کو نگرانی میں دیئے جانے پر شور وغل آج تک نہیں مچا جو وقف حسین آباد اور اوقاف متعلقہ کے سلسلہ میں آج اٹھ رہا ہے گویا کہ دیگر اوقاف شیعہ امور خیر کے لیے بنائے گئے ہیں۔ نہ ان پر بار قانون عائد کیا گیا ہے اس سے ان کے امور خیر میں کوئی کمی واقع ہوئی ہو۔ یہ بے چینی اور

غیر معمولی شور وشغف جو اوقاف حسین آباد وغیرہ کے متعلق اٹھایا جاتا ہے اس کا پتہ دیتا ہے کہ ”کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں“ اور ہمارے معصوم اور بھولے بھالے افراد ملت کو اس فریب میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ اگر اوقاف حسین آباد وغیرہ شیعہ وقف بورڈ کے تحت میں آ گئے تو ان کا معتد بہ حصہ جو اس وقت امور خیر پر صرف ہو رہا ہے ان امور پر صرف نہ کیا جائے گا اور امور خیر میں خلل واقع ہوگا۔ اسی سے اس امر کو بالکل پردۂ خفا میں رکھا جاتا ہے کہ اس وقت اوقاف کے انتظامی شیعہ کے اخراجات کتنے ہیں اور آمدنی کا کتنا فیصدی عملہ اور دفتر کی تنخواہ پر صرف کیا جاتا ہے۔ متولی صاحبان کی تنخواہ کتنی ہے، سکریٹری صاحب کی تنخواہ کتنی ہے دفتر حسین آباد وقف کا ماہواری مشاہرہ کتنا ہے۔ عملہ انتظامی کی ماہواری تنخواہ کتنی ہے۔ کس متولی صاحب کو علاوہ تنخواہ کے مشیر قانونی کی حیثیت سے کتنا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ محض ان اوقاف کو اپنے تسلط میں رکھنے کے لیے گھر گھات بتانے کے لیے اور ارباب حکومت کی بارگاہوں کے دن الباب کرنے کے لیے کس قدر رقم دی جاتی ہے کیا ان مشیران قانونی پر ہر مہینہ چار سو روپیہ یعنی ۴۸۰۰ سالانہ صرف نہیں کیا جاتا۔ کیا انہیں اوقاف کی آمدنی سے اس صوبہ کے بااثر مشیران قانونی کو ان اوقاف کے وقف خاص قرار دلوانے کے لیے ان کی تائیدی رائیں حاصل کرنے کے لیے کثیر رقمیں نہیں دی جاتیں کیا ان اوقاف کے اغراض ومقاصد میں ایسے اخراجات شامل ہیں۔ برسوں سے زیارات کے لیے چھٹیاں جاری نہیں کی گئیں۔ کمبل وغیرہ تقسیم نہیں کیے گئے۔ حسین آباد مبارک کی متعلقہ عمارت کی مرمت نہیں کرائی گئی۔ امور خیر میں بھی کاٹ چھانٹ کر دی گئی۔ مگر اس کی کوئی شکایت نہ کسی جرح میں نکلی نہ کسی انجمن کی تجاویز اس کے متعلق پاس ہوئیں۔ مگر ابھی وقف بورڈ کے تحت میں یہ

اوقاف آئے بھی نہیں ہیں۔اس نے ان کے انتظام کے متعلق اپنی پالیسی کا بھی کوئی اظہار نہیں کیا مگر یہاں قبل از مرگ محض پبلک میں بدگمانی پیدا کرنے کے لیے پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا کہ وقف بورڈ میں اگر یہ اوقاف شامل ہو گئے تو امور خیر بند ہو جائیں گے اور نظارہ لکھنؤ رئیس منزل اور شریف منزل کی بیواؤں کے مکانات چھن جائیں گے ان کے وظائف بند کیے جائیں گے یا کوئی اور کمی کی جائے گی۔ان گندم نما جوفروشوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مسلم وقف ایکٹ میں صاف صاف اور باتصریح یہ قیود موجود ہیں کہ ہر وقف کا انتظام مطابق منشائے واقف کیا جائے گا۔اور شیعہ بورڈ صرف منشائے واقف کے مطابق اس کے اغراض ومقاصد کے تکملہ اور حصول پر کسی وقف کے روپیہ کو صرف کرنے کا مجاز ہے۔شیعہ وقف بورڈ متولیان کی طرح مطلق العنان جماعت نہیں ہے بلکہ شیعہ وقف بورڈ کی تشکیل مطلق العنان متولیان اور ان کے غیر ذمہ دارانہ حرکات کے روکنے کے لیے اور ان کے خلاف ضابطہ کی کارروائی کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔متولیان کے مرتبہ بجٹ کی اس نظریہ سے جانچ کرنا اس کا فرض اول ہے اور اس میں ایسے امور پر تو کسی رقم کا صرف کیا جانا تجویز نہیں کیا گیا ہے۔جو منشائے واقف کے منافی ہو یا جس میں وقف کا نقصان ہو۔متولیان حسین آباد اپنے بجٹ کو ایک ایسی کمیٹی سے جس میں یا تو خود کوزہ گر کی حیثیت والے ممبران ہوں یا ایسے غیر مذہب کے حکام ہوں جو مذہبی امور اور اندرونی انتظامات کے متعلق محض اتنی کاغذی اطلاع رکھتے ہوں جو یہ حضرات کمیٹی کے سامنے رکھنا پسند کریں اپنا بجٹ پاس کرا سکتے ہیں۔مگر باخبر مذہبی درد رکھنے والے اور گھر کے بھیدی ممبران بورڈ سے اس بجٹ کو پاس نہیں کرا سکتے ہیں۔اڈیٹر نظارہ کو اس کا خوف تو ابھی سے پیدا ہو گیا کہ شریف منزل اور رئیس منزل کی بیواؤں سے مکانات خالی

کرائے جائیں گے مگر اس طرف ان کی نگاہ نہ گئی کہ رئیس منزل اور شریف منزل کی عمارتیں ان متولیوں کے تغافل سے ایسی حالت پر پہنچ گئی ہیں کہ مستقبل قریب میں وہ گر کر ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں خالی کرا کر وادی السلام میں آباد کر دیں گے۔طلبا کے وظائف کے بند ہو جانے کا تو ان کو وسوسہ ہے مگر اس کی خبر نہیں کہ حسین آباد کے ہائی اسکول میں دینیات کی تعلیم کے لیے وظائف دیئے جاتے تھے وہ بند ہو گئے اور سلطان المدارس کے طلبا کے لیے جو وظائف حسین آباد مبارک سے مقرر تھے ان میں یہاں تک کمی ہو چکی ہے کہ طلبا سسک رہے ہیں اور سلطان المدارس جاں بلب ہے۔ان سب امور کی کمی۔زیارت عتبات عالیات کے لیے زائرین کی امداد کا بند ہو جانا اخراجات مذہبی تخفیف۔عمارات متعلقہ امام باڑہ حسین آباد کے لیے مرمتی یہ سب چیزیں اس حیلہ شرع کے ساتھ روا ہیں۔کیا کریں آمدنی گھٹ گئی ہے مگر اس کا جائزہ کوئی نہیں لیتا کہ اگر آمدنی گھٹ گئی ہے تو جو مصارف کو منشا واقف کے خلاف ہو رہے ہیں ان میں کمی ہونا چاہئے نہ کہ ان مصارف میں جو وقف کے اغراض مذہبی وخیراتی کے تکملہ کے لیے ہوتے رہے ہیں اس کی کوئی چھان بین نہیں کی جاتی کہ اس وقف کے لیے مستقل مشیر قانونی یا مشیر انتظامی کی ضرورت ہے اس کے انتظام کے لیے اس قدر زائد تنخواہ پانے والا اسکریٹری بھی درکار ہے اس کے اتنا بڑا دفتر بھی اور انتظامی عملہ بھی چاہئے کہ نہیں شیعہ وقف بورڈ اگر اس وقف کی نگرانی اپنے تحت میں لے گا تو وہ اپنے عملہ میں تھوڑا سا اضافہ کر کے اس وقت جو اخراجات ہو رہے ہیں ان میں معتدبہ تخفیف کر کے جس قدر رقم حسب دلخواہ مسلم ایکٹ لے گا اس سے کہیں زیادہ اس کے اخراجات رواں میں تخفیف کر دے گا اور اس کے بجٹ میں غیر ضروری اخراجات کی کاٹ چھانٹ کر دے گا جو اغراض وقف میں داخل نہیں ہیں

بلکہ خلاف منشا واقف مطلق العنان متولیان کے ہاتھوں سے ہو رہے ہیں۔ حقیقت میں اسی کا خوف متولیان اور مشیران وقف کو ہے اور وہ محض اپنا جاہ ووقار باقی رکھنے کے لیے اور وقف کے پیسہ سے جو اپنی وجاہت قائم کیے ہوئے ہیں اس کے باقی رکھنے کے لیے اس وقت انتہائی جدوجہد اور دوڑ دھوپ کر رہے ہیں اور ایسے جرائد قومی کے ذریعہ سے حق کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں جن کو آدھا سچ کہتے ہیں اور بے جا سچ کرنے میں لطف حاصل ہو رہا ہے۔

کہہ سکے کون یہ جلوہ گری کس کی ہے
اس نے ڈالی ہے وہ چلمن جو اٹھائے نہ بنے

حقیقت تو یہ کہ مسلم ایکٹ تہ دینی ہو رہا تھا تو ان حضرات نے ارباب حکومت میں رسائی حاصل کر کے اپنے اوقاف کو اپنے فائدہ کے لیے مستثنیٰ کروالیا اور جب کہ ان کا راز فاش ہو گیا اور حکومت پر یہ امر روشن ہو گیا کہ اس استثنا کے جواز کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ منطق تو عذر پیش کرنا شروع کیا ہے کہ یہ شاہی اوقاف تو وقف خاص ہیں۔ وقف خاص تھے۔ ۱۸۷۷ء میں پھر حسین آباد وقف ایکٹ کیوں پاس کیا گیا ان کا انتظام حکومت کی نگرانی میں کیوں دیا گیا اور متولیان کا حکومت کے چشم و ابرو کے اشارہ پر کیوں روا رکھا گیا۔ اس سے عوام کے فائدہ کے لیے امور خیر خیراتی اور مذہبی دونوں نوعیت کے کیوں جاری رکھے گئے اور اس کی نگراں کمیٹی کے ڈپٹی کمشنر لکھنؤ کیوں رکھے گئے۔ جبکہ فرقہ شیعہ کے اوقاف کی نگرانی کے لیے حکومت نے ایک قانونی جماعت بصورت شیعہ مرکزی وقف بورڈ تشکیل کر دی ہے تو پھر ان اوقاف کو اس کی نگرانی سے خارج رکھنا یہ کوئی معقول بات ہے اور نہ قرین انصاف یہ

کون کہے کہ غیر شیعہ تو صدر حسین آباد وقف کمیٹی ہو سکتا ہے۔ مگر شیعہ وقف بورڈ جس میں ہر جماعت اور ہر طبقہ شیعہ کے نمائندے، علما قانون داں، ممبران مجلس، قانون ساز روئے عمائدین ملت شامل ہیں وہ ان اوقاف مافوق العصبی کی نگرانی نہیں کرسکتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اخبار سرفراز لکھنؤ جلد (۲۷) ۔شمارہ نمبر (۳۵) ۸ رمضان ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۵۰ء، ص ۱۰

باب العلم کے فدائیوں سے

عمدۃ الواعظین مولانا سید ابرار حسین پاروی صاحب قبلہ ناظمیہ عربی کالج لکھنؤ

رجب کا مہینہ وہ محرم مہینہ ہے جس کو کئی معصوموں کی ولادت کا شرف حاصل ہے۔ ابوالائمہ باب العلم جناب امیر کی ولادت باسعادت بھی اسی مہینہ کی ۱۳؍تاریخ کو ہوئی ہے۔ اس مہینہ کا جس قدر بھی احترام کیا جائے وہ کم ہے مختلف عنوان سے ۱۳؍رجب کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ کہیں چراغاں ہے تو کہیں پھولوں کی آرائش کہیں جشن مسرت میں خطیبوں کے فصیح وبلیغ خطبے ہیں تو کہیں شعرا کے پرکیف قصائد غرض زمین مدح ابوتراب کی وجہ سے بنی ہوئی ہے۔ تو فلک ہمہ تن شوق بارگاہ رسالت میں ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لیے ہر دل بے چین ہے۔

سرفراز کا رجب نمبر اسی سلسلہ میں ایک کڑی ہے جس میں علوی کمالات کے بکھرے ہوئے موتی ایک سلک میں پروکر جناب امیر کے در کے فقیروں کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ باب العلم کی تاریخ ولادت کی یادگار منانے والوں کا کچھ علمی فرض بھی ہے جس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ دور حاضر میں علم دین سے جو غفلت برتی جارہی ہے وہ محتاج بیان نہیں آج علم دین بے ناصر ومددگار ہے۔ علم دین کی طرف سبقت کرنے والا مستقبل سے غافل بتایا جاتا ہے۔ باب العلم کے نام لیواؤں کا فرض ہے کہ احیائے علم دین میں پوری سعی کریں مذہبیات سے واقفیت کے لیے اس عہد میں ہمارے عربی مدارس کا وجود

نہایت ضروری ہے سوائے ان مدرسوں کے اب مذہبی معلومات کسی اور جگہ سے حاصل نہ ہوسکیں گے۔

اگر مذہب سے کچھ بھی انس ہے اس کی بقا کا کچھ بھی احساس ہے تو ہم کو اپنے تمام ضروریات سے پہلے اپنے مدرسوں کی خبر لینی ہوگی۔ علوم اہلبیت کے اثرات کو باقی رکھنے کے لیے ہمارا کم سے کم فرض ہونا چاہئے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کا خیال کریں اور ان کو دین اور مذہب سے باخبر رکھیں۔ ہماری مقتدر ہستیوں کا یہ عزم ہونا چاہئے کہ دینی درسگاہوں کو فنا نہ ہونے دیں۔ باب العلم کے فدائیوں سے میری عرض ہوگی کہ اس جشن مسرت کے سلسلہ میں احیائے علم دین کا مضبوط ارادہ کرکے باب العلم سے اجر پانے کے مستحق ہوں۔ اس سلسلہ میں خصوصیت سے آپ کی توجہ مدرسہ ناظمیہ کی طرف مبذول کروں گا جس کی دینی خدمتوں سے دنیائے شیعت بخوبی واقف ہے۔ جس کی شہرت علمی محتاج تعارف نہیں ہے جس کے مشہور وباکمال مبلغین اطراف عالم میں اپنا فیض پہنچا رہے ہیں۔ آج یہ مدرسہ مثل دیگر قومی اداروں کے بانی کشمکش میں مبتلا رہے۔ اس کے سرپرستوں کا روحانی فیض تھا اور ہے کہ یہ مدرسہ اسی شان سے چل رہا ہے جیسے پہلے تھا۔ ناظرین کو تعجب ہوگا کہ جس مدرسہ کی مستقل آمدنی چھتر ہزار سالانہ ہو اس کا مستقل خرچ تقریباً گیارہ ہزار سالانہ کیونکر پورا ہوتا ہوگا۔ اس سال ۱۳۵۱ھ کا جب بجٹ میرے سامنے بنا تو آمدنی چھتر ہزار اور خرچ ۱۲ ہزار۔ مجھے دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ یہ کیسے پورا ہوگا؟

دریافت سے معلوم ہوا کہ عرصہ سے یہی حالت ہے لیکن باب العلم کے صدقہ میں برابر اخراجات پورے ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے حضرت صدر الشریعہ جناب مفتی سید احمد

علی صاحب قبلہ پرنسپل سے عرض کیا کہ حضور اب زمانہ کا حال کچھ اور ہے بڑی مشکل ہے کیسے اخراجات پورے ہوں گے۔ بخدا جناب موصوف پر کوئی اثر پریشانی کا نہ پایا بلکہ مسکرا کر فرمایا مدرسہ کا فیض انشاءاللہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ مجھے گھبراہٹ نہیں ہے میں مطمئن ہوں جیسے ہر سال کمی پوری ہوتی ہے اس سال بھی خدا سامان کرے گا۔ باب العلم کے فدائیوں کی کمی نہیں ہے۔ ارباب کرم اگر اس مدرسہ کا وجود آپ ضروری سمجھتے ہوں تو توجہ فرمائیں اور اس کی قدیم شان کو قائم رکھتے ہوئے بقا کی سعی وفکر کیجئے۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ رجب نمبر، جلد ۲۷، شمارہ نمبر ۲۸۔ ۱۳ رجب ۱۳۶۹ھ مطابق ۲ رمئی ۱۹۵۰ء، ص ۲۳

صدر محترم آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی خدمت میں

(جناب سید نصیر حسین صاحب حسینی پاروی)

جناب صدر محترم آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے چھیالیسویں اجلاس منعقدہ جونپور میں ۹ رنومبر ۶۹ء کو سرفراز مینجنگ بورڈ کی جو رپورٹ پیش ہوئی تھی اس کے سلسلہ میں ایک تجویز پاس ہوئی تھی کہ جناب صدر رپورٹ پاس کر کے شکایات کی جانچ اور اصلاحات کی تدبیر تجویز کریں اور حسابات کا آڈٹ کرائیں۔ یہ سوال کہ ہفتہ وار سرفراز اخبار کیوں روزنامہ نہیں ہوسکتا۔ اخبار سرفراز اور سرفراز قومی پریس سے گہرا تعلق رکھتا ہے اس لیے اس سلسلہ میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ سرفراز اخبار جو سرفراز مینجنگ بورڈ کے زیر نگرانی ہے ابتداً ہفتہ وار ہوا پھر بائی ویکلی اور روزنامہ رہا لیکن افراد قوم کی بے توجہی یا کسی اور وجہ سے یہ اخبار پھر ہفتہ وار ہوگیا۔ اس اثنا میں افراد قوم کے ایک گروپ کی طرف سے کئی بار یہ آواز اٹھائی گئی کہ اس قومی آرگن

کو روزنامہ یا کم از کم بائی ویکلی ہونا چاہئے۔ چنانچہ میری تحریک پر سرفراز کے جدید خریداران کے اضافہ کے لیے مہم چلائی گئی اور علاوہ دیگر حضرات کے میں نے مولوی علی محمد صاحب بی اے حیدرآباد دکن اور سید محمد تقی صاحب جعفری پونا نے اس مہم میں کافی مدد کی۔ محترم مدیر سرفراز نے یہ اعلان کیا تھا کہ اگر پانچ سو نئے خریدار ہوجائیں تو یہ اخبار روزنامہ ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ تعداد پوری نہیں ہوئی۔ پھر اسی اخبار میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ سرفراز کے مضامین کی ترتیب میں کیا تبدیلی کی جائے۔ اس سلسلے میں مختلف رائیں سرفراز میں شائع ہوئیں لیکن کثرت رائے نے خبروں کا اخبار ہونے کے بجائے مذہبی نوعیت کے مضامین کی اشاعت پر زیادہ زور دیا۔ غرضیکہ یہ اخبار ایک جامع شکل میں اب تک ہفتہ وار ہی چل رہا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ سرفراز نے شیعہ قوم میں قومی وملی وسیاسی شعور پیدا کیا اور ملت خوابیدہ کو بڑی حد تک بیدار کیا۔ اس کی پالیسی ہمیشہ معتدل رہی جو آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی پالیسی کے تابع ہے۔ اگر کسی فرد قوم کو سرفراز اخبار کی پالیسی سے اختلاف ہے تو وہ پہلے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی مرکزی کمیٹی سے اس پالیسی کو ترامیم کرائے جس کی پابندی سرفراز پر عائد کی گئی ہے لیکن سب سے اہم سوال یہ ہے کہ آیا کسی صورت سے یہ اخبار روزنامہ یا بائی ویکلی ہوسکتا ہے یا نہیں۔ شیعہ قوم کا کوئی روزنامہ نہیں ہے اور نہ کوئی بائی ویکلی ہے۔ موجودہ دور آزادی میں مضبوط وموثر ترجمانی اور طاقتور دفاع کے لیے شیعہ قوم کا کم از کم ایک روزنامہ ہونا ضروری ہے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے پرچم کے زیر سایہ شیعہ قوم نے مختلف کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور یہ بلند ہمت قوم اگر متوجہ ہوجائے تو اخبار سرفراز کا روزنامہ یا بائی ویکلی ہونا مشکل نہیں ہے۔ ایک زندہ قوم کی علامتوں میں جہاں اور باتیں ہیں وہاں اس قوم

کی موثر ترجمانی اور طاقتور نمائندگی کے لیے ایک موقر روزنامہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ قومی گھر کی عالیشان عمارت اور شاندار قومی پریس کے ہوتے ہوئے اگر اسباب مہیا ہو جائیں تو سرفراز کا روزنامہ ہونا کچھ دشوار نہیں ہے۔ لکھنؤ کے حالیہ شیعہ سنی فساد میں ہمارا قومی روزنامہ نہ ہونے کی وجہ سے غلط اور اشتعال انگیز پروپیگنڈوں کی برمحل تردید کے لیے بڑی دشواریاں حائل تھیں تاہم ہمارے ہفتہ وار اخبار سرفراز کو جتنا وقت مل سکا اور اخبار میں جتنی جگہ ممکن ہو سکی اس نے فاضلانہ و وفادارانہ طریقہ پر قومی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ لکھنؤ کے حالیہ سنی شیعہ فساد نے ایک روزنامہ کی تحریک میں اور زیادہ قوت پیدا کر دی ہے اور ہمارے جذبات پہلے سے بھی زیادہ بیدار ہو گئے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کیا ذرائع ہو سکتے ہیں کہ سرفراز ایک روزنامہ کی حیثیت اختیار کر سکے۔

سرفراز اخبار خان بہادر نواب سرفراز حسین صاحب مرحوم آف پٹنہ کی یادگار میں قائم ہوا۔ موصوف ۱۹۲۵ء کے اجلاس میں بے حد اہم آل انڈیا شیعہ کانفرنس منعقدہ بمبئی کے صدر تھے۔ یہ اخبار ہفتہ وار سے ترقی کر کے بلندی پر بھی پہنچا تھا لیکن اس کا اضمحلال رک نہ سکا اس لیے کہ اس کی دستگیری کے لیے قومی بازو نظر نہیں آئے۔ قوم کی دیرینہ آرزو یہ آواز دے رہی ہے کہ برمحل قومی ضروریات اور قومی مصالح کا یہ تقاضا ہے کہ خود مسند صدارت سے سرفراز کو روزنامہ یا بائی ویکلی بنانے کی تدابیر پر غور کر کے ایک کامیاب نتیجہ کے ساتھ قوم کی سربلندی کی راہ نکالی جائے۔ اگر ۱۹۲۵ء میں ایک معزز صدر کے برکات کی وجہ سے سرفراز معرض وجود میں آیا تو ۱۹۶۹ء میں بلند پایہ صدارت کے برکات میں سرفراز کا روزنامہ یا بائی ویکلی ہونا قومی تاریخ میں ایک ولولہ انگیز مقام کا اضافہ کہا جائے گا۔ اس لیے بصد ادب عرض

ہے کہ سرفراز مینجنگ بورڈ کی رپورٹ کے سلسلہ میں جو امور جانچ طلب ہیں ان کا تعلق اس بحث سے بھی ہے کہ سرفراز کیوں روزنامہ یا بائی ویکلی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا توقع کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں بھی جانچ اور غور کر کے سرفراز کو روزنامہ یا بائی ویکلی بنانے کے لیے کوئی لائحہ عمل تجویز کیا جائے گا۔ جس کا کامیاب نتیجہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی چھیالیسویں صدارت کی ایک تاریخی یادگار کہا جائے گا۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ۴۷، شمارہ نمبر ۳۲۔ ۱۴ رمضان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۶۹ء، ص ۹

شیعہ حضرات عبرت حاصل کریں

مدیر سرفراز مصطفےٰ حسن رضوی

شیعوں کے یہاں متعدد و اعلیٰ دینی درسگاہیں ہیں۔ جیسے لکھنؤ کا ناظمیہ کالج، سلطان المدارس اور شیعہ عربی کالج یا فیض آباد کا وثیقہ اسکول یا بنارس کا جوادیہ کالج وغیرہ۔

سلطان المدارس اور وثیقہ اسکول ایسی درسگاہیں ہیں جو شاہان اودھ کے اوقاف سے چلائے جا رہے ہیں اور ان کے لیے جو رقم مقرر ہے اس کے متعلق یقین ہے کہ اتنا ضرور ملتا رہے گا۔ اسی طرح شیعہ عربی کالج کے چراغ کو روشن رکھنے کے لیے شیعہ ڈگری کالج فنڈ تیل فراہم کرتا ہے۔ کہنے کو ناظمیہ کالج بھی ایک وقف کے ماتحت ہے لیکن جہاں تک مالیات کا سوال ہے اسے وقف ناظم صاحب مرحوم سے غالباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سال ملتا ہے اور تقریباً تین ہزار جائدادی آمدنی سے۔ بس اس کی زیادہ سے زیادہ مستقل آمدنی کوئی چار ہزار ہے

باقی تیس پینتیس ہزار روپیے کا بجٹ افراد ملت سے عطیات ہی کر کے پورا ہوتا ہے اور اس رقم صرف ناظمیہ کالج کے محترم پرنسپل صاحب ہی کو اپنے ذاتی اثرات اور سوجھ بوجھ سے کام لے کر حاصل کرنا پڑتا ہے۔

موجودہ پرنسپل امیر العلما سے پہلے سرکار نجم الملۃ مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ اور سرکار مفتی اعظم مولانا سید احمد علی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ اپنے وسیع اور بے پناہ اثرات کے ذریعہ اس ادارے کے اخراجات چلاتے تھے اور اس طرح کہ نہ ہنگامہ ہوتا تھا نہ ہلّڑ نہ اخبار و پریس کے ذریعہ بھونڈا پروپیگنڈہ بلکہ خاموشی اور حسن وخوبی کے ساتھ عطیات حاصل کر کے ناظمیہ کالج کے اخرجات پورے کر لیے جاتے تھے۔

اب نئے پرنسپل امیر العلما مولانا سید حمید الحسن صاحب قبلہ کو اس بھاری بھر کم درسگاہ کی سربراہی ماہ اکتوبر ہی سے تفویض ہوئی ہے۔ یہ معلوم ہو کر فی الجملہ اطمینان ہوا کہ اس عرصہ میں آپ نے بڑے حسن وخوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے ہیں۔ آپ نے گذشتہ مہینوں کے کچھ قرضے بھی ادا کر دیئے ہیں اور اسٹاف کی تنخواہیں باقاعدہ ماہ بہ ماہ وقت پر ادا ہوتی رہتی ہیں۔ بظاہر کالج کے ڈسپلن میں بھی کوئی ڈھیل پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ اسٹاف اور طلبائے دینی دونوں محترم پرنسپل صاحب سے پورا پورا تعاون کر رہے ہیں۔

اگر کام اور انتظام کی رفتار یہی رہی اور پرنسپل صاحب حصول زر کے لیے نئے نئے ذرائع پیدا اور استعمال کرتے رہے تو یقیناً ناظمیہ کالج اپنے معیار کو باقی رکھنے میں کامیاب رہے گا۔ اور اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھ سکے گا۔

لیکن امیر جامعہ اس وقت تک کچھ نہیں کر سکے جب تک کہ موصوف کو عام افراد ملت

کی تائید وحمایت اور ان کا تعاون حاصل نہ ہو۔ اگر قوم نے توجہ مبذول رکھی تو یہ تعلیمی ادارہ اپنی سابقہ روایات کو باقی رکھتے ہوئے زندہ وبرقرار رہ سکتا ہے۔

شیعوں کے سارے ادارے مالی اضمحلال میں مبتلا ہیں اور ان کی ترقی وبقا اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ انہیں قوم مالیات کی طرف سے بے نیاز کر دے۔ ان تعلیمی اداروں ہی پر کیا موقوف ہے شیعوں کا کون سا ادارہ ہے جو مالی دلدل میں پھنسا ہوا نظر نہیں آتا۔ امامیہ مشن انجمن وظیفہ سادات ومومنین آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ، مدرسۃ الواعظین، تنظیم مکاتب شیعہ وغیرہ وغیرہ سب فقدان سرمایہ کی وجہ سے ترقی کرنے سے قاصر بنے ہوئے ہیں۔

اس کے برخلاف آپ سواد اعظم مسلمیں کی درسگاہوں اور دینی اداروں پر نظر جایئے سب اچھی حالت میں نظر آئیں گے ہم یہاں صرف دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کو مثال میں پیش کر رہے ہیں یہ ادارہ گذشتہ ۷۷ سال سے قائم ہے۔ آجکل اس میں دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد ۷۴۹ ہے جن میں سے ۷۷ طلبا جنوبی افریقہ، مشرقی افریقہ، ملیشیا، مڈاگاسکر اور نیپال وغیرہ کے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سال مستحق طلبا کو کوئی نوے ہزار روپئے کے وظائف دیے گئے ہیں۔ مدرسین اور اسٹاف کی مجموعی تعداد ساٹھ ہے۔ اس کے سالانہ اخراجات چار لاکھ روپیہ ہیں۔ اگر ناظمیہ کالج کے اخرجات چالیس ہزار تسلیم کر لیے جائیں تب بھی چالیس ہزار اور چار لاکھ میں جو تفاوت ہے وہ ہماری غیرت کے لیے تازیانہ کا کام دے سکتا ہے۔ یعنی ہمارا ناظمیہ کالج ندوۃ العلما سے دس منزل نیچے ہے۔

اسی طرح آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ کو دیکھئے کہنے کو تو اس کی پوزیشن آل انڈیا ہے اور آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے ماتحت چلایا جا رہا ہے۔ مگر جب ہم اپنے یتیم خانہ کا مقابلہ

مسلمانوں کے بعض دوسرے یتیم خانوں سے کرتے ہیں تو ہمارا سر شرم سے نیچا ہوجاتا ہے۔

ہم یہاں ایک مسلم یتیم خانہ کے کچھ تفصیلات بیان کرتے ہیں جو مالابار کے شہر کالی کٹ میں واقع ہے اور جس کا نام ہے ڈی، ٹی اسلام یتیم خانہ ہے۔ اس یتیم خانہ میں ۷۷ یتیم پرورش وتعلیم وتربیت حاصل کررہے ہیں اور دو ہزار دو سو طلبا کو سکنڈری اور پرائمری تعلیم دی گئی ہے۔ اس یتیم خانہ کے اخراجات تقریباً تین لاکھ سالانہ ہیں۔ اس کی دو نئی عمارتیں ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کی لاگت سے بننے والی ہیں۔ یہ یتیم خانہ ۱۹۲۲ء میں قائم ہوا تھا اور وہ اب تک ساڑھے چار ہزار سے زائد یتیموں کی پرورش کرچکا اور تعلیم دے چکا ہے۔ یتیم خانہ کے ماتحت ایک پرنٹنگ پریس اور کچھ ٹریننگ سینٹر بھی کام کررہے ہیں۔

ہمارے یتیم خانہ کی طرح اس یتیم خانہ کی بھی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے بلکہ وہ عوام کے عطیات، خیرات اور زکوٰۃ کی رقموں سے چلایا جاتا ہے۔ آخر کیا ہماری قوم اپنے یتیم خانہ کے لیے تین لاکھ روپیہ سالانہ جمع نہیں کرسکتی تاکہ وہ اطمینان اور بے فکری کے ساتھ اپنے بے سہارا یتیموں کی پرورش کرکے تعلیم دلاکر اور کوئی صنعت وحرفت سکھا کر اس قابل کردے کہ وہ بڑے ہوکر خود اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں اور جائز طور پر کسب معاش کرکے باعزت زندگی گذار سکیں۔

افلاک پہ غیروں نے بنائے ہیں نشیمن
یا ذوق نظر تا بہ لب بام کہاں تک

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ۴۷، شمارہ نمبر ۳۴۔۲۸ رمضان ۱۳۸۹ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۶۹ء، ص ۶

شیعوں میں صنعت وتجارت

رائج کرنے کے لیے شیعہ اقتصادی بورڈ کا تعمیری منصوبہ

مکرمی تسلیم۔ وقت کے اہم ترین تقاضے کو پورا کرنے یعنی شیعوں کی اقتصادی ومعاشی فلاح وبہبود کے پیش نظر شیعہ نوجوانوں کی تنظیم ''آل انڈیا شیعہ یوتھ فیڈریشن'' نے شیعہ اقتصادی بورڈ کی تشکیل کی ہے جس کا مقصد صنعت وحرفت اور تجارت کی طرف شیعوں کو متوجہ کرکے انہیں غریبی وبیکاری اور اقتصادی معاشی زبوں حالی سے نجات دلانا ہے۔

تقسیم ملک اور زمینداری کے بعد سے شیعہ فرقہ کی اقتصادی ومعاشی حالت دن بہ دن ناگفتہ بہ ہوتی جارہی ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں بھی ہمارا تناسب آبادی کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ بدقسمتی سے عام شیعہ صنعت وتجارت سے دور رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ذرائع آمدنی بہت محدود اور چھوٹے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم غریبی وبیکاری کا بڑے پیمانہ پر شکار ہیں۔ اس پر تازہ افتاد یہ کہ حالیہ شیعہ سنی فساد کی بھاری ضرب غریب اور محدود ذرائع کے شیعوں پر پڑی ہے اور ہمارے بہت سے بھائی بالکل بیکار اور تباہ حال ہوگئے ہیں اور لاکھوں روپئے کی ملکیت لوٹ مار اور آتشزنی کی نذر ہوگئی۔ ب

بہرحال اگر آج شیعوں کے اندر غریبی وبیکاری اور اقتصادی پسماندگی ایک مناسب حد تک ختم ہوجائے تو قومی وملکی سیاست اور ہر شعبۂ حیات میں شیعہ فرقہ کا رعب ووقار اور عزت اور ساکھ بہت بڑھ جائے اور ہمارے بیشتر مسائل ومشکلات کا خود بخود خاتمہ

ہوجائے۔موجودہ ترقی کے دور میں جبکہ دوسرے فرقوں کے لوگ صنعت وحرفت اور تجارت کے میدانوں میں روز افزوں ترقی کرتے جارہے ہیں وقت کا تقاضا ہے کہ شیعہ بھی دوسروں کے دوش بدوش آگے بڑھیں اور ترقی کریں۔

وقت کا تقاضا ہے کہ اپنے اقتصادی ومعاشی اور تمدنی وسماجی معیار کو بلند کرنے اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کو روشن وتابناک بنانے کے لیے احساس کمتری اور یاس ومحرومی کو خیرباد کہہ کر صنعتی وتجارتی میدانوں میں ہم بھی اپنا مقام پیدا کریں۔صنعت وتجارت اور محنت مزدوری کرنے میں ذرا بھی شرم وعار اور ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہئے اور نہ تو کسی کام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے کیونکہ ہمارے انبیائے صالحین اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے صنعت وتجارت اور محنت مزدوری کرکے قابل تقلید مثال قائم کردی ہے۔جس پر عمل کرکے ہم بھی اپنی دنیا وعقبیٰ کو سنوار سکتے ہیں۔

چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے اپنے محلوں میں جملہ ضروریات زندگی مثلاً سبزی شیرینی، دودھ، دہی وغیرہ کرانہ، بساط خانہ، اسٹیشنری، جلانے کی لکڑی وکوئلہ، خیاطی، لانڈری، کھانے اور چائے وغیرہ کی دکانیں کھول کر قوم کی بیکاری وغریبی کو کسی حد تک کم کیجئے مگر ہر کام میں محنت، ایمانداری، مستقل مزاجی اور صبر واستقامت لازمی ہے اور بہتر ہوگا کہ ہر کام باہمی تعاون واشتراک اور امداد باہمی کے طور پر کریں۔

علاوہ ازیں نفع بخش اور معمولی سرمائے سے شروع کی جانے والی مندرجہ ذیل گھریلو دستکاریوں کو محلے محلے پھیلا کر اپنے بہت سے بیکار اور غریب بھائیوں کی بیکاری وغریبی کا خاتمہ کیجئے۔ہمارے پروگرام میں مندرجہ ذیل گھریلو دستکاریوں کو شامل کیا گیا ہے۔

ضریح تعزیے بنانا، کاغذ کے پھول اور گلدستے بنانا، کاغذ کے لفافے اور دفتی کے ڈبے بنانا۔خوشبودار اگربتی بنانا، عرق کیوڑا گلاب بنانا۔جلدسازی اور دفتری کا کام، کتابت اور پریس کا کام، پینٹنگ، فوٹوگرافری، آئینہ سازی، ملمع سازی، گھڑی سازی، بوٹ سازی اور سوٹ کیس بنانا، سیاہی بنانا، ربڑ کی مہریں، لائٹر آئل بنانا، آتش بازی بنانا، سرکہ اور عرق تضاع بنانا، کپڑوں کی دھلائی، رنگائی، چھپائی، ٹیلرنگ، چکن، کڑھائی بنائی، آری، زری، کامدانی، بڑھئی گیری، بیکری، شیرینی بنانا، دودھ سے مختلف اشیا تیار کرنا، مرغی ومویشی پالنا، پخت وپز کا کام، فونٹن پن، ٹارچ ریڈیو کی مرمت، الیکٹرک وائرنگ وغیرہ وغیرہ۔

مندرجۂ بالا دستکاریوں کو محلے محلے پھیلا کر غریبی وبیکاری کا کسی حد تک خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ اس موقع پر ذہین تعلیم یافتہ نوجوانوں اور صنعت وتجارت کے ماہر وتجربہ کار حضرات سے گذارش ہے کہ صنعت وتجارت کے میدان میں آنے والے نئے اور ناتجربہ کار لوگوں کو رضا کارانہ مشورہ اور تعاون واشتراک پیش کریں۔ جملہ افراد ملت سے یہ درخواست ہے کہ جلد از جلد اپنے اپنے محلوں میں محلہ کمیٹیاں بنا کر ہم سے فوراً رابطہ قائم کریں اور امداد باہمی کے اصول پر ہر محلے میں کام شروع کردیں۔ ہر شخص جس چیز کی تجارت یا جس دستکاری کو بہتر سمجھے اس کو شروع کردے۔سرمایہ اگر کم ہو تو چھوٹے پیمانہ پر اور اگر سرمایہ زیادہ ہو تو بڑے پیمانہ پر یا کئی لوگ مل جل کر امداد باہمی کے طور پر کاروبار کریں۔محلہ کمیٹیاں اپنے محلہ کا انتظام خود سنبھالیں اور محلے کے غریب بھائیوں کی مالی اعانت کرکے انہیں کاروباری لائن میں لگائیں۔ اس سلسلہ میں شیعہ اقتصادی بورڈ صنعتی وتجارتی معلومات اور ضروری مشورے اور ہدایات اور تعاون واشتراک پیش کرتا رہے گا۔صنعت وتجارت اور ہمارے

تعمیری پروگرام سے دلچسپی واتفاق رکھنے والے حضرات فوراً ہم سے رابطہ قائم کریں۔

(ڈاکٹر) ایم۔ ایچ۔ ریاض حیدری (چیف آرگنائزر شیعہ اقتصادی بورڈ، جوائنٹ سکریٹری شیعہ یوتھ فیڈریشن) ۴۳ مشک گنج لکھنؤ۔ ۳

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ۴۷، شمارہ نمبر ۱۹۔ ۳ر جمادی الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۷ر اگست ۱۹۶۹ء، ص ۱۲

شیعہ کالج کی سکریٹری شپ کا مسئلہ

ہمعصر الناطق جو مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد لکھنو کی نگرانی وحمایت میں لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے، اپنی تازہ اشاعت میں نواب گنج، علی آباد کے فیصلہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ بہت زیادہ مناسب ہوگا کہ ریاست کی مزید تباہی سے پہلے کوئی صورت تصفیہ اور مصالحت کی اختیار کر لی جائے۔ اس سے طرفین کے ذاتی فائدہ کے علاوہ ایک نفع یہ بھی ہے کہ غریب شیعہ کالج جس غفلت شعاری کا شکار ہو رہا ہے اس سے نجات پا جائے گا۔ اگرچہ ہم اپنی ذاتی رائے کی بنا پر نواب نثار علی خان صاحب کے کچھ زیادہ موئد نہ تھے اور نہ اب ہیں لیکن جن مصالح کی بنا پر آپ کا انتخاب ہوا اس سے قطع نظر کر کے اب تو ہماری نظر میں آپ کے مقدمات نے آپ کو کسی قومی خدمت کا موقع نہ دیتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ آئندہ شیعہ کالج کی سکریٹری شپ کے واسطے کوئی دوسرا ہی شخص منتخب کیا جائے جس کا تجویز کر لینا ابھی سے بہت ضروری ہے۔ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ نواب صاحب موصوف اس کے نا قابل ہیں اور نہ یہ کہتے ہیں کہ انتخاب غلط ہوا بلکہ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ جس طرح موجودہ دور میں آپ شیعہ کالج کی کوئی خدمت اپنے مقدمات کی وجہ سے نہ کر سکے اسی طرح آئندہ بھی یہ عذر مانع ہے۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ کسی دوسرے ہی شخص کو خدمات کالج کا موقع دیں۔ (الناطق)

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ایک، شمارہ نمبر ۱۴۔ ۱۷ر ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۵ر نومبر ۱۹۲۵ء، ص ۷

شیعہ قوم کیسے ترقی کرسکتی ہے

عالیجناب باقر علی نجفی

قوم ترقی اس وقت کرسکتی ہے جبکہ اس کے اسباب معیشت اور سیاست بانظام اور منظم ہوں۔ چونکہ شیعہ قوم گذشتہ پونے دوسو برس سے ہندستان میں تنزلی کررہی ہے اور بہت کچھ فنا ہوچکی ہے۔ لہٰذا سخت کوشش کے بعد ترقی کرے گی۔ لیکن ناامیدی کی حالت نہیں ہے۔

گزشتہ تاریخ اور تنزلی:۔ شیعہ قوم کی تنزلی کے اسباب مسلمانوں کی تنزلی کے اسباب ہیں اور وہ آپس کے جھگڑے اور فساد سے شروع ہوگئے تھے۔ لیکن ۱۷۵۰ عیسوی سے بہت زیادہ تنزلی شروع ہوگئی تھی اور ۱۸۵۰ عیسوی سو برس میں بہت تنزل ہوگیا اور اب ۱۹۲۵ میں تقریباً قوم فنا ہوگئی ہے۔ کسی چند افراد کا کس خاص شعبہ زندگی میں نمایاں ہونا قوم کی ترقی کی علامت نہیں ہے بلکہ قوم کی قابل ترقی ہونے کی علامت ہے۔ لیکن ان نمایاں افراد کو قوم سے علیٰحدہ نہ ہونا چاہئے بلکہ قوم کو ساتھ لینا چاہئے۔

تنزلی کا راز:۔ شیعہ قوم کی اصلی تنزلی کا راز افلاس، بے روزگاری اور ۔۔۔۔دن بہ دن گرانی کا زیادہ ہونا ہے اور پھر سیاسیات سے تو میں نظرانداز کرتا ہوں ار امورمعیشت کو تحریر کرتا ہوں کیونکہ امور معیشت اور سیاست لازم وملزوم ہیں ۔ اگر امورمعیشت درست ہوگئے تو سیاست ضرور آجائے گی کیونکہ امورمعیشت کا تعلق قوم سے

بحیثیت افراد کے ہے اور امور سیاست کا تعلق بحیثیت اجتماع کے ہے۔

شیعہ قوم کی تقسیم:۔ جس طرح سے ہر قوم میں آٹھ گروہ بحیثیت انتظام امورمعیشت کے پائے جاتے ہیں اسی طرح سے شیعہ قوم میں بھی آٹھ گروہ پائے جاتے ہیں قوم کو ان آٹھ گروہوں کا علیٰحدہ علیٰحدہ انتظام کرنا ضروری ہے اور اگر قوم خود ان کا انتظام نہیں کرسکتی ہے تو ہمسایہ قوم سے مدد لینا چاہئے یا بادشاہ وقت سے مدد حاصل کرنا چاہئے اور بادشاہ وقت پر مدد کرنے کا حق زیادہ ہے۔ لہٰذا بادشاہ وقت سے مدد طلب کرنا ضروری امر ہے اور اگر بادشاہ وقت مدد نہ دے تو اسے قطع تعلق کرکے دوسرے ہمسایہ قوموں کے ساتھ شریک ہوجانا چاہئے اور پھر حکومت وقت کو مجبور کردینا چاہئے کہ وہ ہمارے مطالبات کو پورا کرے ورنہ یا ہم فنا ہوجائیں گے یا حکومت وقت فنا ہوجائے گی۔

پہلا گروہ:۔ باکار یا باروزگار لوگوں کا ہے اس سے میرا مقصود وہ ہے کہ جو اپنی اور اپنے متعلقین کی پرورش بذریعہ کسی مستحسن اور اچھے پیشہ کے کرسکے مثل کاشتکاری، زمینداری، تجارت، صنعت وحرفت، ملازمت وغیرہ کے اور وہ اس پیشہ سے مطمئن بھی ہیں اور کسی بہتر پیشہ کے تلاش میں نہیں ہیں۔ اس گروہ سے قومی کاموں میں مدد مل سکتی ہے۔ اور چندہ وغیرہ بھی دینے کے قابل ہیں اور اس گروہ کی تعداد ہماری قوم میں سوائے چند افراد کے بہت کم ہے اور جو ہیں بھی وہ قوم سے اتنے جدا ہیں کہ قوم کی آواز ان تک نہیں پہنچتی ہے۔ لیکن قوم کا فرض اس گروہ کی ترقی کے واسطے اسباب مہیا کرنا ہے لیکن قوم نے اس کی ترقی کے واسطے کوئی کوشش نہیں کی ہے اور یہ اس کا اولین فرض تھا اور لازمی اور واجبی امر ہے۔ اور اسی سبب سے وہ نمایاں افراد قوم سے جدا ہیں کیونکہ اگر وہ قوم سے لیں تو سوائے ان کے نقصان

کے خود ان کو کوئی فائدہ قوم سے نہیں پہنچتا ہے اور قوم پر جوان کی خدمت کرنے کا حق ہے اس کو قوم پہچانتی نہیں ہے اور ادا نہیں کرتی ہے اور ان سے ؟؟؟؟؟؟؟؟ رہتی ہے۔ اس وجہ سے پہلا گروہ قوم کو جاہل نادان ناکارہ کہہ کر نفرت ؟؟؟؟؟؟؟ باہمی فوائد کو قوم اور پہلا گروہ مدنظر نہ رکھیں اس میں میل اور اتحاد نہ ہوگا۔ اور ایک دوسرے کو مدد نہ پہنچے گی۔ اس وقت پہلے گروہ اور قوم میں بجائے مدد پہنچنے کے بعض حالت میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور پہلا گروہ بجائے اپنی قوم کے نفع پہنچانے کی غیر قوم کو نفع پہنچاتا ہے اور قوم بجائے اپنے پہلے گروہ کے فائدہ پہنچانے کے دوسرے قوم کے پہلے گروہ کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ جب تک اس میں تناسب حقوق شناسی نہ ہوگی۔ پہلے گروہ اور قوم میں ربط نہ ہوگا اور اس کا الزام پہلے گروہ پر بھی ہے اور قوم پر بھی ہے لیکن قوم پر زیادہ ہے قوم پہلے گروہ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور اس کے حقوق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک بحیثیت قوم سیاست میں داخل نہ ہو اور اس کو اپنا نصب العین مطمح نظر نہ قرار دے اور اس مقام سے قوم کو ظاہری طریقہ سے بحیثیت قوم سیاست میں دخل انداز ہونا لازمی ضروری اور واجبی ہے ورنہ قوم فنا ہو جائے گی اور سیاست میں داخل ہو کر پہلے گروہ کی مدد کرنا چاہئے اور تب اسے بھی قوم کو کافی مدد ملے گی اور اس گروہ کا مفاد بھی قوم سے وابستہ ہوگا تو وہ گروہ بسبب اپنی مفاد یا قومیت کے قوم سے ملے گا اور یوں ترقی ہوگی لیکن قوم کو پہلے اس کی مدد اور ترقی کا سامان کرنا چاہئے کیونکہ قوم بحیثیت جڑ ہے اور اگر قوم خود نہیں پہلے گروہ کو مدد پہنچا سکتی ہے تو دوسرے ہمسایہ قوم سے مدد لے کر اس کو فائدہ پہنچائے یا بادشاہ وقت سے مدد حاصل کرے اور بادشاہ وقت مدد ملے تو ہمسایہ قوموں سے مل کر بادشاہ وقت کو قوم کے مطالبات پورا کرنے پر مجبور کر دے اور چونکہ اس وقت ہندستان

میں غیر کی حکومت ہے لہٰذا اگر بادشاہ جو کہ غیر ہے مدد نہ دے تو ہمسایہ قوم جو کہ شہری ہیں ان سے اتحاد کر کے یا خود فنا ہو جائیں یا بادشاہ وقت کو فنا کر دیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ بادشاہ وقت شیعہ قوم کے ساتھ کوئی خاص علت علاوہ دیگر ہندستانی اقوام کے کیوں کرے گا ہاں اگر بادشاہ وقت کو کوئی شیعہ قوم سے ایسا فائدہ پہنچنا متصور ہو کہ جو دوسرے ہندستانی اقوام سے نہیں پہنچ سکتا ہے تو البتہ خاص رعایت بسبب اپنی خاص فائدہ کرے گا ورنہ ہرگز خاص رعایت نہیں کرے گا کیونکہ عدالت میں اس کے فرق آئے گا اور دوسری ہندستانی قومیں بھی وہ خاص رعایت طلب کریں گے اور وہ حق بجانب ہوں گے اور اگر ان کو بادشاہ حق نہ دے گا تو ان پر ظلم ہوگا لیکن یہ امر کہ شیعہ کم تعداد میں اور پست ہیں اس واسطے حکومت وقت کا فرض ہے کہ وہ کم تعداد قوم کی اور پست قوم کی مدد کرے۔ یہ اس وقت ہے کہ فی الواقع حکومت وقت پست قوم یا کم تعداد قوم کی مدد کے واسطے تیار ہو۔

فرض:۔ لیکن سب سے فوری فرض قوم کا یہ ہے کہ پہلے گروہ کے۔۔۔۔ میدان ترقی مہیا کرے اور ان کے واسطے مدد بہم پہنچائے اور شیعہ قوم نے اس گروہ کے واسطے کچھ نہیں کیا ضرور اور بہت جلد سامان مہیا کرے ورنہ قوم فنا ہو جائے گی اور پہلا گروہ ضرور اور بہت جلد قوم کو اپنے مطلب کے موافق بنا لے ورنہ پہلا گروہ بھی فنا ہو جائے گا۔

دوسرا گروہ:۔ باکار یا بار روزگار تو ہے لیکن وہ اپنے موجودہ روزگار کام، یا پیشہ سے راضی وخوش نہیں ہے اور دوسرے بہتر جگہ کی تلاش میں ہے لیکن موجودہ پیشہ میں مشغول تو ہے لیکن ترک نہیں کرتا ہے اور مطمئن نہیں ہے۔ اگر اس گروہ کے متعلق قوم کا یہ فرض ہے کہ اس کے حسب منشا روزگار کام یا پیشہ مہیا کرے ورنہ یہ گروہ بھی دوسری قوم کے دروازہ پر

جائے گا اور پھر اس سے قوم کو فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ دوسری قوم کو فائدہ پہنچے گا اور بعض حالت ایسی ہوجائے گی کہ یہ گروہ بھی دوسری قوم میں منسلک ہوجائے گا اور خود کو بھی نقصان پہنچے گا اور قوم بھی نقصان اٹھائے گی۔ لیکن افسوس شیعہ قوم نے اس گروہ کے واسطے اچھا برا کچھ بھی نہیں کیا اور اگر قوم خود انتظام نہیں کرسکتی ہے تو ہمسایہ قوم یا حکومت وقت سے مدد طلب کر کے انتظام کرے ورنہ قوم فنا ہوجائے گی۔

تیسرا گروہ:۔ ان بے کار یا بے روزگاروں کا ہے جو کہ ہر طرح کا مستحسن روزگار کرنے کے واسطے تیار ہیں اور ہر وقت وہ کام یا روزگار کے تلاش میں رہتے ہیں لیکن ان کے واسطے کوئی کام نہیں ملتا ہے اور بعض کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتے ہیں۔ ان کے واسطے بھی قوم نے کوئی تدبیر نہیں کی قوم کا فرض ہے ان کے متعلق یہ ہے کہ ان کے واسطے روزگار یا کام مہیا کرے۔ شیعہ بیت المال لکھنؤ نے بے روزگاروں کے واسطے تجارت کا سامان کیا تھا لیکن وہ بالکل ناکافی ہے۔ اگر قوم خود نہیں روزگار مہیا کرسکتی تو دوسری ہمسایہ قوم سے مدد لے یا حکومت سے مدد حاصل کر کے ان کا کوئی انتظام کرے ورنہ قوم فنا ہوجائے گی۔

چوتھا گروہ:۔ ان کمسن لڑکوں کا ہے جو بسبب کمسنی کے کام نہیں کرسکتے اور نہ کوئی ان کے پاس ذریعہ معاش ہے جسے وہ اپنی پرورش کرسکیں۔ اس گروہ کے واسطے بھی قوم نے کچھ نہیں کیا اور اس قسم کے لڑکے دوسری قوم سے مدد طلب کرنے کے واسطے مجبور ہیں اور دوسری قوم میں مل کر خود بھی فنا ہوجائیں گے اور قوم بھی فنا ہوجائے گی۔ لہٰذا قوم کو اس کی بھی فکر کرنا چاہئے۔ لکھنؤ شیعہ یتیم خانہ اور اعلیٰ پیمانہ پر ہونا چاہئے۔ یا مختلف مقامات پر یتیم خانہ قائم کرنا چاہئے جس میں بہتر انتظام ہو اور اگر قوم خود نہیں کرسکتی تو ہمسایہ قوم سے یا بادشاہ وقت سے مدد

طلب کر کے انتظام کرے ورنہ قوم فنا ہوجائے گی۔

پانچواں گروہ:۔ کمسن لڑکیوں کا ہے جو بہ سبب کمسنی کے کام نہیں کرسکتی ہیں اور نہ کوئی ذریعہ معاش رکھتی ہیں۔ ان کے واسطے بھی قوم نے کچھ نہیں کیا۔ لہٰذا قوم ایسی لڑکیوں کے واسطے کھانا، کپڑا، مکان، تعلیم کا انتظام کرے ورنہ یہ لڑکیاں دوسرے قوم میں منسلک ہوجائیں گی اور قوم کو بھی نقصان پہنچے گا اور اگر قوم خود کوئی انتظام نہیں کرسکتی تو دوسری قوم سے مدد لے کر یا حکومت وقت سے مدد لے کر انتظام کرنا چاہئے ورنہ قوم فنا ہوجائے گی۔

چھٹا گروہ:۔ ان ضعیف العمر اور ناتواں مردوں کا ہے جو کئی کام بہ سبب پیرانہ سالی کے نہیں کرسکتے اور نہ ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش موجود ہے جس سے وہ اپنی بسر اوقات کریں۔ اس گروہ کے واسطے بھی قوم نے کوئی انتظام نہیں کیا۔ البتہ لکھنؤ میں وقف حسین آباد کے روپیہ سے شریف منزل اور رئیس منزل قائم ہے لیکن وہ کافی نہیں ہے اور زیادہ انتظام کی ضرورت ہے ورنہ ایسے بوڑھے لوگ دوسری قوم کے دروازہ پر جائیں گے اور پھر رفتہ رفتہ دوسرے میں شامل ہوجائیں گے اور خود بھی فنا ہوجائیں گے اور قوم کو بھی فنا کردیں گے۔ اس کے واسطے بھی قوم بہت جلد اور بہتر انتظام کرے اور اگر قوم خود انتظام نہیں کرسکتی ہے تو دوسرے قوم یا حکومت وقت سے مدد طلب کر کے انتظام کرے ورنہ قوم فنا ہوجائے گی۔

ساتواں گروہ:۔ ان ضعیف العمر عورتوں کا ہے جو کہ بہ سبب ضعف العمری کے کوئی کام نہیں کرسکتی ہیں اور نہ ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش کا ہے جس سے وہ اپنی پرورش کرسکیں۔ اس گروہ کے واسطے بھی قوم نے کوئی انتظام نہیں کیا ان کے واسطے قوم کو کھانے

پینے رہنے کے واسطے انتظام کرنا ضروری اور لازمی ہے ورنہ یہ بیچاریاں دربدر ٹھوکر کھاتی ہیں اور کھائیں گی اور دوسرے قوم میں مل کر فنا ہوجائیں گی اور قوم بھی فنا ہوجائے گی اور اگر قوم خود نہیں کوئی انتظام کرسکتی تو ہمسایہ قوم یا بادشاہ وقت سے مدد طلب کر کے انتظام کرے ورنہ قوم فنا ہوجائے گی۔

آٹھواں گروہ:۔ بیماروں کا ہے۔ان کے واسطے زنانہ اور مردانہ مریض خانہ تیار کرنے چاہئے ورنہ دوسرے مریض خانوں میں جا کر اپنی قومیت اور ہمدردی کو فراموش کر کے دوسرے کے ممنون احسان اور ہمدردی کے یار سے دیگر دوسری قوموں کو فائدہ پہنچائیں گے اور اپنی قوم کو بھول جائیں گے اور پھر دوسری قوم میں فنا ہوجائیں گے۔اس گروہ کے واسطے قوم نے کچھ انتظام نہیں کیا البتہ شیعوں کا ایک یا دو اسپتال لکھنؤ میں ہے لیکن وہ کافی نہیں ہیں اور شیعہ اسپتال مریض خانے قائم ہونا چاہئے اور اگر قوم کچھ نہیں کرسکتی تو ہمسایہ قوم یا حکومت وقت سے مدد طلب کر کے انتظام کرے ورنہ قوم فنا ہوجائے گی۔

آ گر ان آٹھوں گروہوں کا انتظام قوم نے یعنی افراد نے مل کر نہ کیا اور اگر چہ ایک گروہ بھی بغیر انتظام کے رہ گیا تو سب اور فوری قوم کے فنا کا باعث ہوگا جس طرح سے چھت میں ایک ذرا سا سوراخ چھت کو برسات میں گرا دینے کے قابل ہے اسی طرح سے ایک گروہ بھی قوم کے فنا کر دینے کی بہت زیادہ قابلیت رکھتا ہے۔بنانا مشکل ہے لیکن بگاڑنا آسان ہے۔

لیکن بات یہ ہے کہ آیا قوم شیعہ ان سب کاموں کو خود بغیر حاکم وقت یا ہمسایہ قوم کے مدد کے پورا کرسکتی ہے یا نہیں اگر پورا کرسکتی ہے تو جلد ان آٹھوں گروہوں کا انتظام کرنا چاہئے اور اگر خود کوئی انتظام نہیں کرسکتی ہے تو ہمسایہ قوم سے مدد طلب کرے اور اگر ہمسایہ قوم

مدد نہ دے جیسا کہ اس سے امید نہیں ہے۔کیونکہ وہ خود بھی بے دست و پا ہیں اور اسباب معیشت کی تنگی اور گرانی کے تکلیف میں مثل شیعہ قوم کے مبتلا ہیں۔تو اب سوائے حاکم وقت کی مدد کے اور کوئی تدبیر نہیں ہے۔لہٰذا حاکم وقت سے مدد طلب کر کے آٹھوں گروہوں کا انتظام کرے ورنہ قوم فنا ہوجائے گی اور اگر حاکم وقت مدد نہ دے تو پھر حاکم وقت سے قطع تعلق کر کے ہمسایہ قوموں سے مل کر تمام ہندستانی مطالبات کے طلب کرنے میں عملی جدوجہد کر لینا چاہئے اور سوراج پوری طریقہ سے حاصل کرنا ضروری اور لازمی ہوگا اور اس طرح کے مطالبات کے طلب کا یہ ہی نتیجہ ہے کہ اگر حکومت وقت غالب ہوتی تو اس نے ان مطالبات کے طلب کرنے والوں کو فنا کر دیا یا ان مطالبات طلب کرنے والوں نے حکومت وقت کو فنا کر دیا اور حکومت وقت یا قوم کو فنا کرنا نظام و تنظیم پر موقوف ہے۔فوج اور گولہ بارود اور قتل وخون کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر شیعہ قوم کے آٹھوں گروہوں کا انتظام درست ہوجائے تو اسی کا نام تنظیم یا نظام ہے۔اور پھر یہ بھی بنیادی پتھر ہے۔گذشتہ عظمت اور جلال قومی کے حاصل کرنے کا۔خدا کرے ہماری قوم کے آٹھوں گروہوں کا انتظام اور تناسب ایسا ہوجائے جس سے ایک دوسرے کے حقوق ادا ہوں اور ایک کو دوسرے گروہ سے مدد ملے اور تناسب حقیقی قائم ہو کر قوم پھر ترقی کرے بحق محمد وآلہ محمد۔ ۴ر نومبر ۱۹۲۵ء

باقر علی نجفی مبلغ اسلام۔بتوسط تھامس کوک لڈ گیٹ، سرکس لندن

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ایک، شمارہ نمبر ۱۸۔۱۶ر جمادی الاول ۱۳۴۴ھ مطابق ۳ر دسمبر ۱۹۲۵ء، ص ۳

سرفراز کی پالیسی کی حمایت میں دو مراسلے

(جناب سید نصیر حسین صاحب حسینی پاروی)

سرفراز مورخہ ۹ رنومبر ۱۹۶۶ء کے صفحہ تین پر ''سرفراز کی پالیسی کے خلاف تین مراسلے'' کے عنوان سے تین حضرات کے مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں سب بڑا مضمون سید علی ہادی صاحب رضوی چھولسی کا ہے۔ ان مضامین کا جواب براہ راست محترم مدیر سرفراز سے متعلق ہے لیکن چونکہ بالواسطہ سید علی ہادی صاحب کے مضمون سے میرا بھی تعلق پیدا ہوتا ہے اس لیے مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ اسی طرح پر کہ جب سے قومی آرگن سرفراز قائم ہوا ہے یعنی ۱۹۲۵ء سے اس وقت تک میں سرفراز کا ہمدرد ہوں اور برابر میرے مضامین سرفراز کی معمولی وغیر معمولی اشاعتوں میں شائع ہوتے رہے ہیں اور اسی کے اسپیشل نمبروں میں بھی میرے مقالے ملیں گے۔ اگر میں یہ کہوں کہ سرفراز میں شائع ہونے والے میرے مضامین کا بہت بڑا ذخیرہ ملے گا تو یہ غلط نہ ہوگا اور انہیں مضامین میں سرفراز کی پالیسی اور اس کے اڈیٹر کے تصحیح نقطہ نظر کی حمایت بھی ملے گی۔ ملک وملت کے مشہور صحافی خواجہ اسداللہ اسد مرحوم کا بھی میں مداح تھا اور اس کے بعد موجودہ مدیر شہر سید مصطفےٰ حسن کے زور قلم، صحیح نقطہ نظر، قومی فلاح وبہبود کی ترجمانی 'معیاری قابلیت' ملک وقوم کی اصلاح وترقی کے لیے موزوں اور مفید رجحانات وتجاویز اور آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی بنیادی پالیسی کی حمایت میں سید مصطفےٰ حسن نے جو کچھ لکھا میں نے اس کی نیک نیتی اور حمایت حق کے اصول پر تائید کی۔ مصطفےٰ حسن ایک بوریہ نشین اور درویش صفت مجاہد ملت ہے۔ نہ اس کا کوئی دربار ہے اور

نہ اس کی جاو بیجا قصیدہ خوانی کے لیے ہم جیسے بے لوث بے غرض اور خوددار افراد قوم کا نفس آمادہ ہوسکتا ہے لیکن سید علی ہادی صاحب فرماتے ہیں کہ ''ایڈیٹر صاحب جا بے جا توصیف وستائش کرنے والا ایک گروہ ہے بس وہی سرفراز کا سب کچھ ہے۔ سرفراز کا دفتر محمد شاہ کا دربار بنا ہوا ہے اور سرفراز میں بس انہیں حضرات کے مضامین شائع ہوتے ہیں جو خوشامدی ہیں اور اڈیٹر صاحب کی تعریف وتوصیف زبان وقلم سے کرنے کی مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ الفاظ سرفراز کے باعزت 'غیر جانبدار' خوددار اور حق پسند مضمون نگاروں کے لیے توہین آمیز ہیں۔

سید علی ہادی صاحب نے اپنے اس مضمون میں مدیر سرفراز اور سرفراز کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ کسی ایک نقطہ نظر پر مستقل ہوکر نہیں لکھا گیا ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس قطعی ومستقل پالیسی کے انسان ہیں۔ وہ شیعہ ہیں لیکن ان کے مضمون سے شیعی نقطہ نظر کی حمایت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ وہ ہندستانی ہیں لیکن ان کے نظریات کو دیکھتے ہوئے ان کے دل میں قومی حکومت کی ہمدردی اور وطنی جذبہ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ وہ ایک جگہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ مسلم مجلس مشاورت سے ہمیں بھی اختلاف ہے اور میں بھی یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے لیکن پھر اسی کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس اختلاف کے یہ معنی بھی نہ ہونا چاہئے کہ ہم ہاتھ دھوکر مسلم جماعت ومجلس مشاورت کے پیچھے پڑ جائیں اور ان کے مضمون سے مسلم مجلس مشاورت کی ہمدردی کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ جدید اخبار ''قائد'' کے متعلق مدیر سرفراز نے جو کچھ لکھا تھا اور اس کے ساتھ لفظ اعظم کے اضافہ کے لیے تفریح کے طور پر جو خیال ظاہر کیا تھا اس سے علی ہادی صاحب کو سخت تکلیف

پہنچی۔ ملک ووطن کا کوئی فرد جس کا ''نظریہ'' دوقومی نظریہ'' کے مخالف ہو اور جو صحیح معنوں میں قوم پرور اور وطن پرست ہو مسلم لیگ اور اس کی ہو بہو تصویر مسلم مجلس مشاورت یا جماعت اسلامی کے نظریات اور فرقہ وارانہ رجحانات سے کبھی متفق نہیں ہوسکتی۔ سید علی ہادی صاحب کا مضمون یہ بتاتا ہے کہ ان کو کانگریس اور کانگریسی حکومت سے سخت بیزاری ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ کسی زمانہ میں کانگریسی تھے اور شاید جب ان کے اغراض پورے نہیں ہوئے تو وہ کانگریس سے کٹ کر سوشلسٹ ہوگئے اور اب نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس سیاسی پارٹی میں شامل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب جنرل الیکشن کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ شاید مسلم مجلس مشاورت کے بنائے ہوئے ''دلفریب گھروندے'' کے سہارے ان کے کچھ ذاتی اغراض ہوں اور یہ اغراض اس حد تک پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مضمون میں یہ لکھتے ہیں کہ

''مجلس مشاورت سے تو اختلاف بجا ہے مگر آج اس پر مسلم عوام وجمہور قریب قریب متحد ہو چکا ہے کہ ۱۹۶۷ء کے الیکشن میں کانگریس کو ووٹ نہ دے کر احتجاج کا یہ موثر و پرامن طریقہ ضرور آزمایا جائے اس سے جہاں کانگریس کا یہ خناس دور ہوجائے گا کہ خواہ کچھ ہوجائے مسلم ووٹ تو ہمارے ریزرو محفوظ ہیں وہاں دوسری پارٹیوں کو بھی مسلمانوں کا وزن محسوس ہوگا۔''

ان غلط سیاسی رجحانات کے ضمن میں فرقہ واریت کی حمایت بجائے خود ایک افسوسناک بات کہی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ جو سب سے اہم بات علی ہادی صاحب نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ اب آگے چل کر ہماری بلا سے کوئی مضبوط حکومت بنے یا نہ بنے۔''

ملک کی سالمیت ملک کا امن وامان اور ملک میں ایک مضبوط حکومت کا قیام ہر وہ شخص چاہے گا جو ملک ووطن کا غدار نہ ہو اور عقل ودیانت ملک کے اندر اسی قومی حکومت کی حمایت کرے گی جو مستحکم حکومت کہی جاسکتی ہو لیکن علی ہادی صاحب فرقہ وارانہ ذہنیت اور کانگریس دشمنی میں اتنے سرشار معلوم ہوتے ہیں کہ ملک کے تمام تحفظات کو نظر انداز کرتے ہوئے یہاں تک تیار ہیں کہ ملک میں ''طوائف الملوکی'' پھیل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اور ملک کے اندر کوئی مضبوط حکومت بنے یا نہ بنے لیکن وہ کانگریس کے چمن کو ویران دیکھنا چاہتے ہیں خواہ گلستان ہند ویران ہوجائے۔

ملک کی آزادی کو ۱۹ سال ہوگئے۔ اس دوران میں کئی جنرل الیکشن ہوئے۔ جمہوری لائن پر رائے دہندگان ووٹ کے لیے آزاد رہے اور برابر کانگریس برسر اقتدار آئی اور اب بھی آئندہ جنرل الیکشن میں عوام آزاد ہیں کہ جس کو چاہیں ووٹ دیں۔ ملک کے اندر جتنی سیاسی پارٹیاں ہیں ان میں ۱۹ سال کا زمانہ گذر جانے کے باوجود اتنی قوت نہیں پیدا ہوئی کہ وہ کانگریس کے شکست دے سکیں یا ان کے ذریعہ ملک کے اندر کوئی مضبوط حکومت قائم ہونے کی امید کی جاسکتی ہو لیکن اگر ہم یہ دیکھتے کہ سید علی ہادی صاحب ملک کی مسلمہ سیاسی پارٹیوں میں سے کسی پارٹی کی حمایت کررہے ہیں تو ہمیں ان کے مضمون سے فرقہ وارانہ گندگی پھیلنے کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا لیکن وہ مسلم لیگ یا مسلم لیگ کے عکس وثنیٰ سے اس طرح چپکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ موجودہ دور میں جب کہ ملک کو فرقہ واریت کے جراثیم سے محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے اس قسم کے خیالات جو سرفراز کے کالموں میں علی ہادی صاحب کی طرف پیش کیے گئے ہیں ہر وطن پرور شیعہ اور ہر بہی خواہ ملک کے نزدیک بلاشبہ قابل

اختلاف سمجھے جائیں گے۔ یہ بھی غلط ہے کہ مدیر سرفراز کانگریسی ہونے کی وجہ سے جا و بے جا ہر بات میں کانگریس اور کانگریسی حکومت کی ہمنوائی کرتے ہیں ۔ وہ مناسب موقعوں پر کانگریس اور کانگریسی حکومت کی تعمیری اور صحت مند تنقید بھی کرتے ہیں اور عمومی ترجمانی کا حق ادا کرنے میں کبھی پیچھے نہیں رہتے۔ مدیر سرفراز کانگریس پارلیمنٹری بورڈ کے ممبر نہیں ہیں۔ وہ حق بات کہنے کے لیے آزاد ہیں اور اسی حق پسندی اور غریب عوام کے ساتھ ہمدردی کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف ملک کا شیعہ طبقہ بلکہ عوام تک ان کے اداریہ اور افکار و خیالات کی قدر کرتے ہیں البتہ خود غرض متعصب اور گندہ ذہنیت کے افراد مدیر سرفراز کے خلاف جو بھی فرد جرم لگائیں اس کا تعجب نہیں۔

سید علی ہادی صاحب نے اتحاد بین المسلمین پر بڑا زور دیا ہے اور مدیر سرفراز کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ ان کی غلط پالیسی سے اتحاد بین المسلمین پارہ پارہ ہو رہا ہے اور اس ضمن میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور مصر میں سید قطب کو پھانسی دینے کے قضیوں پر زور دیتے ہوئے سرفراز کے ایڈیٹر کی پالیسی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

سرفراز آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا قومی آرگن ہے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد میں معاصر اقوام سے مشترکہ ضروریات میں ہم آہنگی و اتحاد بھی شامل ہے اور آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی اسی پالیسی کا ترجمان سرفراز مینیجنگ بورڈ بھی ہے۔ سرفراز اور سرفراز کے ایڈیٹر شیعہ کانفرنس کی پالیسی اور سرفراز مینیجنگ بورڈ کے نقطۂ نظر کے خلاف ہرگز کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ سرفراز کی موجودہ پالیسی کے خلاف اس طرح کا مضمون جو سید علی ہادی صاحب نے شائع فرمایا ہے اب تک سرفراز میں شائع نہیں ہوا تھا اور باوجودیکہ مدیر سرفراز

نے اپنی ایک گزشتہ اشاعت میں ایک نوٹ لکھا کہ سرفراز کی موجودہ پالیسی کے خلاف یا سید علی ہادی صاحب کی تائید میں جس کسی کو مضمون لکھنا ہو وہ اپنے صحیح پتہ کے ساتھ سرفراز میں اشاعت کے لیے بھیجے۔ لیکن سرفراز مورخہ ۲۵ نومبر ۶۶ میں سرفراز کی پالیسی کے متعلق جو مضامین شائع ہوئے وہ ''سرفراز کی پالیسی پر اظہار پسندیدگی'' کے عنوان سے اور سرفراز یا مدیر سرفراز کی پالیسی کی مخالفت میں اب تک کوئی دوسرا مضمون شائع نہیں ہوا اس لیے سید علی ہادی صاحب کا یہ کہنا کہ اطراف بمبئی، بمبئی میں اور جا بجا بہت سے افراد قوم سرفراز کی پالیسی کے مخالف ہیں اور وہ مدیر سرفراز کے نظریات و سیاسی رجحانات کو پسند نہیں کرتے ہیں کسی طرح صحیح ماننے کے قابل نہیں اور علی ہادی صاحب کا مضمون سوائے ذاتی اغراض پر محمول ہونے کے کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ ملک کے اندر شیعہ قوم کی ایک بڑی و اہم مردم شماری کو دیکھتے ہوئے عین الیکشن کی فضا میں ۹ نومبر ۶۶ کے سرفراز میں تین مخالف تصویریں دیگر افراد قوم کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتی ہیں۔

جہاں تک اتحاد بین المسلمین کا سوال ہے شیعوں کا قدم ہمیشہ اس کے دائرہ کے اندر رہا۔ مسلمانوں میں جو طبقہ اور جو افراد خوش عقیدہ، غیر متعصب، سنجیدہ، محب اہل بیت اور امن پسند کہے جا سکتے ہیں ان سے مدیر سرفراز نے کبھی الجھنا پسند نہیں کیا۔ لیکن جب مسلم اکثریت کے کسی طبقہ نے شیعہ سنی سوال پیدا کر کے اتحاد بین المسلمین کے مقصد عظیم کو خود پارہ پارہ کرنا چاہا تو اس کے خلاف سرفراز کا قدم ضرور آگے بڑھا اور مدیر سرفراز کے قلم میں حسینیتؑ اور شان اہل بیتؑ کی ترجمانی کے وقت کبھی کوئی لرزش نہیں پیدا ہوئی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں گزشتہ ہنگاموں سے جس راز کا افشا ہوتا ہے مدیر سرفراز نے اس کی صحیح نبض شناسی کرتے ہوئے جو کچھ لکھا اس کی تائید اور لوگوں نے بھی کی ہے اور کر رہے ہیں۔ سید قطب کی

موت پر سوادِ اعظم کے ایک طبقہ کی طرف سے جو کچھ لکھا وہ درحقیقت قوم وملت کی صحیح ترجمانی حق کی آواز اور جذبۂ حسینیت کا اظہار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سوادِ اعظم اور اتحاد بین المسلمین کی جا و بے جا حمایت کا غالب اثر شاید علی ہادی صاحب کو یہاں تک رجعت قہقری کے لیے آمادہ کردے کہ وہ یہ کہنے پر بھی اتر آئیں کہ جب حسینؑ مظلوم کے مسلک اور نظریات سے مسلمانوں کی اکثریت متفق نہیں تھی اور یزیدی حکومت اجماع کے بل بوتے پر قائم ہوئی تھی تو حسینؑ مظلوم کو اتحاد بین المسلمین کے مقصد کو پیش نظر رکھنا چاہئے تھا اور وہ یزیدی نقطہ نظر کے تحت امت میں تفرقہ نہ پڑنے مقصد کو اعلائے کلمۃ الحق کے مقصد پر ترجیح دیتے۔ کیا علی ہادی صاحب ۶۰ھ و ۶۱ھ کے ان واقعات پر بھی نظر کرنے کے بعد اپنی رائے پر اٹل رہیں گے کہ ''شیعہ قوم اس کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے کہ وہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہر محلہ میں الگ بنائے اور افتراق بین المسلمین کے الزام سے اپنی پیشانی داغدار کرے۔''

علی ہادی صاحب کو یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے جداگانہ انتخاب کی مخالفت میں مخلوط انتخاب کی حمایت کن حالات میں کی تھی۔ اس سلسلہ میں آل پارٹیز کانفرنس کی تجاویز بھی قابل غور ہیں۔ شیعہ جمہور کا متفقہ فیصلہ مخلوط انتخاب کی تائید میں یہ مجبوری اور ملت شیعہ کے قومی وسیاسی مقاصد کی حمایت میں ہوا تھا جس کے ذمہ دار وہ مسلمان ہیں جو عام انتخابات کے موقع پر شیعہ سنی سوال پیدا کر کے امیدوار کو شکست دینے پر تل جاتے تھے۔ کیا اس سلسلے میں ملت جعفریہ کا مذکورۂ بالا قومی فیصلہ یعنی مخلوط انتخاب کی حمایت بھی بقول علی ہادی صاحب ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کے مترادف ہے؟

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ۴۴، شمارہ نمبر ۳۰۔ ۲۵ رشعبان ۱۳۸۶ھ، ۹ ردسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۲

سرفراز کی تائید میں دوسرا مراسلہ

حکیم مرزا محمد علی

مکرمی! نہ میں سیاسی انسان ہوں اور نہ دینی ومذہبی تعلیم کے لحاظ سے کسی بڑے مرتبہ پر فائز۔ مگر آپ کی تحریروں سے میں کافی متاثر ومطمئن ہوتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ شیعہ کو قومی حیثیت سے تشکیل کی وجہ سے سخت نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

آپ سرفراز میں اب تک جو کچھ لکھتے رہے ہیں اس سے میں متفق رہا ہوں اور اسے برمحل سمجھا ہے۔

سید قطب کی سزائے موت اور کشمیر میں ہوئے مبارک کی چوری کے سلسلے میں آپ نے جو کچھ تحریر کیا وہ بالکل بجا تھا مگر معترضین کی عقلوں پر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ اعتراض جڑ دیا۔ بیشک اتحاد بین المسلمین بہت ضروری ہے اور میں تو اس سے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ سنی شیعہ اتحاد سے زیادہ ضروری ہندو مسلم اتحاد ہے۔ اس لیے کہ ہمیں ہندوؤں ہی کے ساتھ رہنا، سہنا، مرنا، کھانا پینا اور زندگی بسر کرنا ہے۔ محلہ میں اگر کسی پڑوسی سے ہماری ناچاقی ہوجاتی ہے تو اتنے دن کا ٹنا دوبھر ہوجاتے ہیں۔ ہندو مسلم ناچاقی کو کیسے انگیز کیا جاسکتا ہے۔ اتحاد کے لیے ہمارے ائمہ معصومین کا بھی حکم ہے۔ مگر حق کو چھپانا اور اعتراضات کا جواب نہ دینا بھی تو جرم ہے۔

پردہ کے مسئلہ پر آپ نے ایک زمانہ میں ہندستان کے محترم ومحبوب لیڈر پنڈت

جواہر لال نہرو کے خلاف جس جرأت سے لکھا تھا وہ مجھے آج تک یاد ہے اور اسی پر مجلہ العلم لکھنؤ نے آپ مبارکباد پیش کی تھی اور آپ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اسی ہمت ومردانگی سے اپنے ممدوح مولف ''شہید انسانیت'' کے خلاف بھی لکھئے۔

اس پر آپ نے جو معرکۂ آرا لیڈر ''شہید انسانیت'' کے قضیہ کے سلسلہ میں غالباً نومبر ۱۹۵۹ء حسب ذیل شعر

استعاروں میں بیان کرنے کے دن باقی نہیں
داستاں اب صاف لفظوں میں سنانا چاہئے

کے ساتھ لکھا تھا وہ شاہکار تھا اور اس کا جواب مخالفین کو ایک لمبے چوڑے پمفلٹ کے ذریعہ دینا پڑا تھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے قضیہ کے سلسلے میں بھی آپ کا جو موقف تھا وہ بالکل صحیح تھا۔

حکیم مرزا محمد علی انچارج گورنمنٹ یونانی ڈسپنسری
سدھور ضلع بارہ بنکی

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ۴۴، شمارہ نمبر ۳۰۔ ۲۵ رشعبان ۱۳۸۶ھ، ۹ ردسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۳

وقف ناصریہ لاہور کی بربادی اور پردہ پوشی کی ناکام کوشش

عالی جناب مرزا مصطفےٰ علی ہمدانی، جنرل سکریٹری انجمن اصغریہ پنجاب، لاہور

کام اس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستم گر کہے بغیر

وقف ناصریہ لاہور کی تباہ حالی کے متعلق اب تک جس قدر مضامین ہماری طرف سے جریدہ سرفراز لکھنؤ واتحاد امروہہ میں شائع ہو چکے ہیں ان سے شیعہ پبلک کو پنجاب کے اس سب سے بڑے وقف کے اندرونی حالات کا بخوبی علم ہو چکا ہے۔ ہمارے عائد کردہ الزامات اور جائز اعتراضات کے کسی حصہ کی تردید نہیں ہو سکی اور ہو بھی کیوں؟ جبکہ ہمارے اعتراضات کی اہمیت وواقعیت میں کسی کو کلام نہیں اور نہ جب ہم نے کسی امر کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا۔

ہمیں نواب نثار علی خان صاحب سے بہ حیثیت نواب کسی قسم کی شکایت نہ تھی کیونکہ یہ ان کے خاندانی مناقشات ہیں جن سے کسی دوسرے کو کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ اگر ہمیں شکایت ہے تو صرف اس وجہ سے کہ جائداد ووقف

ناصریہ آج کل ان کے قبضہ میں ہے اور نواب صاحب اس کے نظم ونسق کی کما حقہ پروا نہیں کرتے جس سے یہ گراں مایہ وقف تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ ان حالات کے ماتحت حق وانصاف کا تقاضا تھا کہ یا تو ہمارے عائد کردہ الزامات کی تردید کی جاتی یا اصلاح احوال کی طرف قدم بڑھایا جاتا۔ مگر بجائے جواب اعتراضات اب ایک عرصہ کے بعد نواب نثار علی خان صاحب نے لاہور کے ایک بے اثر اخبار کی وساطت سے ہمیں بدنام کرنے کی ٹھانی ہے۔ یہاں تک بس نہیں بلکہ اس اخبار میں میرے خلاف دشنام طرازی سے بھی کام لیا ہے اور لیا جا رہا ہے۔ نواب نثار علی خان صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ کاٹھ کی تلوار یا بالفاظ صحیح تر کاغذی تلوار کے بل بوتے پر وقف کی جنگ لڑنا آسان نہیں، حضور گالیوں سے نہ آج تک کام چلا ہے اور نہ چلے گا۔ اس طریق پر یہ گتھی نہیں سلجھ سکتی بلکہ ہمیں گالیاں دلوا کر آپ اس امر پر مجبور کر رہے ہیں کہ ہم وقف کے ان ناگفتہ بہ حالات کو بھی ابھی سے پبلک کے سامنے لے آئیں جو ہم نے اس وقت کے لیے محفوظ رکھ چھوڑے ہیں۔ جبکہ وقف ناصریہ کے خلاف صیغہ اوقاف آل انڈیا شیعہ کانفرنس یا کسی دوسرے شخص کی طرف سے عدالت میں دعویٰ دائر کیا جائے گا۔ گالیاں دلوا کر آپ ہمیں پبلک کی نظروں میں ذلیل وخوار نہیں کر سکتے بلکہ آپ کے موجودہ طرز عمل سے عوام الناس میں آپ کے متعلق 'حسن ظن' میں کچھ اور اضافہ ہوگا۔

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے جاگیں گے کیوں
ہیں گرفتا وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کو اس ہستی سے بھی روشناس کرا دیا جائے جو ان دنوں کسی مصلحت سے وقف ناصریہ کے 'متولی' کی بدعنوانیوں پر پردہ ڈالنے کی خاطر اپنا زور قلم صرف کر رہے ہیں۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے خلاف سر نواب علی فتح خان صاحب مرحوم نے ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کر کے چھ مہینے کے لیے لکھنؤ سینٹرل جیل کی سیر کرائی تھی۔ دنیا ان رنجدہ حالات سے بخوبی واقف ہے۔ ہمیں ان کے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں۔

نواب نثار علی خانصاحب کو اگر چاروناچار اسی ہستی کی آڑ لے کر اپنی حفاظت مطلوب تھی تو ہمارے اعتراضات کا جواب دیا ہوتا۔ عائد کردہ الزامات کی تردید کی ہوتی تاکہ دنیا کو کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کا موقع ملتا۔ سرفراز کے صفحات پر ہمارے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں کیا ہی اچھا ہوتا اگر ان کی تردید میں سرفراز ہی کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ اس طریق پر پبلک کو تصویر کا دوسرا رخ بھی معلوم ہو جاتا ورنہ لاہور کے ایک گمنام اخبار کے ذریعہ سے ہمیں گالیاں دلوا کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑنا اور دل کی بھڑاس نکالنا منفعت بخش ثابت نہیں ہوسکتا۔ حقائق کو جھٹلانا آسان نہیں۔ ہماری ذات پر ناروا حملوں سے آپ ہمیں

خائف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم اس خرافات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ مگر یاد رکھئے کہ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر برسانا خطرے سے خالی نہیں۔ بمصداق ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' اگر ہم بھی ذاتیات کی بحث چھیڑ دیں تو یقین جانئے کہ دھوئیں اڑ جائیں گے مگر یہ مثل نیک خدا آپ ہی کو مبارک کرے۔ اگر ہمیں گالیاں دلوا کر آپ کوئی لذت محسوس کرتے ہیں تو خوشا قسمت جی بھر گالیاں دیجئے۔ شوق سے دہ دہ ملاحیاں سنایئے کہ تہذیب ومتانت کانوں میں انگلیاں دے لے۔

زہے نصیب ؎

میں اور حظ وصل خدا ساز بات ہے
جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

خادمان قوم کے لیے روز ازل سے گالیاں ہی لکھی جا چکی ہیں۔ اور یہ ہمیشہ سے ان کے لیے طرۂ امتیاز رہا ہے اور رہے گا۔ دنیا خوب جانتی ہے کہ ہمارا کیا قصور ہے؟ کیا اسی لیے ہمیں گالیاں نہیں دی جارہی ہیں۔ کہ ہم نے وقف ناصریہ نے کے ناگفتہ بہ حالات کا پردہ کیوں فاش کیا اور اس لیے پبلک کی توجہ ان حالات کی طرف منعطف کرائی۔ کیوں ہم نے وقف ناصریہ کے گلستان کو تباہ نہ ہونے دیا۔ کیوں ہم ٹھنڈے دل سے ''متولی'' وقف کی بدعنوانیوں اور ان کے مشیران با

تدبیر کی کارروائیوں کو نہ دیکھتے رہے اور کیوں ہم نے چالیس ہزار روپیہ سالانہ سے زائد کی آمدنی کے وقف کو تباہ وبرباد ہونے سے بچانے کی کوشش کی۔

میرا قصور یہ ہے کہ ان کی گلی میں
کیوں
گاڑی نہ میں نے دینِ رسول خدا کی
لاش

یہ ایک حقیقت ثابت ہے کہ جن کے یہاں دلیل وبرہان کا قحط ہوتا ہے وہی اکثر وبیشتر ذاتیات کی بحث چھیڑا کرتے ہیں۔ ہم ذاتیات کی بحث میں الجھ کر مقصد اصلی کو ضعف نہیں پہنچانا چاہتے۔ ہم نواب نثار علی خانصاحب اور ان کے عبدالدینار اور عبدالدراہم حواریوں سے ببانگ دہل کہے دیتے ہیں کہ ان کارروائیوں سے کام نہیں چل سکتا گندہ دہنی اور دشنام طرازی کے ذریعہ سے ہمیں اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہیں رکھا جاسکتا۔ ہم اس کیچڑ میں لتھڑ کر حقیقی مقصد یعنی اصلاح وقف ناصریہ سے دست کش نہیں ہونا چاہتے آپ شوق سے گالیاں دیتے جائیں ہم ہر بار یہی کہیں گے۔

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ
رقیب

گالیاں کھاکے بے مزا نہ ہوا

ہمیں طمع زر و مال نہیں اور نہ ہم دنیا کے عوض عاقبت کو بیچنا چاہتے ہیں ہم چند سنہری ٹکلیوں کے بدلے میں ایمان فروشی پر نہیں اتر سکتے۔ یقین جانئے کہ وقف ناصریہ کی اصلاح کے لیے ہم اپنی امکانی کوششیں صرف کر دیں گے۔ ہم انشاءاللہ اس وقت تک لکھتے جائیں گے جب تک ہمارے ہاتھوں میں سکت باقی ہے اور جب تک وقف ناصریہ کی حالت نہیں سدھرتی۔ خواہ اس نیک مقصد کے حصول کے لیے ہمیں مصائب و شدائد ہی کا سامنا کیوں نہ ہو ہم بفضلہٖ مال مظلوم کربلاؑ کے تحفظ کے لیے ہر ممکن قربانی کرنے کو تیار ہیں۔

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے
سینہ کس کا ہے مری جان، جگر کس کا ہے

دنیا خوب جانتی ہے کہ وقف ناصریہ کی بے جا حمایت کرنے والوں کا مطمح نظر کیا ہے ہم ایسے افراد کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ قہر خدا سے ڈریں اور مال مظلوم کربلا غضب کرنے میں ممد و معاون نہ بنیں۔ اس طرح خلاف منشا واقف مال وقف خرد برد نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ہمیں ہدف مطاعن ٹھہرا کر وقف کی ناگفتہ بہ حالت اور متولی وقف کی من مانی کارروائیوں پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔ کیا ہمیں مورد الزام ٹھہرا کر قبرستان مومن پورہ اور ویران مساجد کی حالت درست ہو سکتی ہے۔ کیا

ہمیں کوسنے سے موجودہ متولی کو قانون اور رائے عامہ کی گرفت و باز پرس سے بچایا جا سکتا ہے۔ کیا ہمیں گالیاں دلوا کر چالیس ہزار روپیہ سالانہ کے حساب سے دس برس کی آمدنی (یعنی چار لاکھ روپیہ) کے متعلق قانونی مواخذہ سے محفوظ رہا جا سکتا ہے اور کیا ہمیں ڈرانے دھمکانے سے ان الزامات کی تردید ہو سکتی ہے یا ہمیں اس راہ سے منحرف کیا جا سکتا ہے۔

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کرلو تیر کو

ہم اس سے پیشتر بھی لکھ چکے ہیں اور ایک بار پھر کہے دیتے ہیں کہ ہمیں کسی کی ذات سے کوئی پرخاش نہیں اور اس کے ساتھ ہی نہ تو ہم نواب نثار علی خان صاحب کے شرمندۂ احسان ہیں اور نہ خان بہادر نواب محمد علی خان صاحب قزلباش سی۔ ایس۔ آئی کے ممنون۔ کہ کسی کے عیوب پر پردہ ڈالا جائے یا کسی کی بیجا حمایت میں زور قلم صرف کیا جائے۔ اگر نواب نثار علی خان صاحب وقف کی اصلاح فرمادیں تو یقین جانئے کہ سرفراز ہی کے ذریعہ ہم ان کی مساعی کا اعتراف کرنے کو تیار ہیں۔ ہم بلا خوف لومۃ لائم اور بلا روئے رعایت کہتے ہیں کہ خان بہادر نواب محمد علی خانصاحب قزلباش باوجودیکہ وقف ناصریہ ان کے قبضہ میں نہیں ہے پھر بھی عزاداری سید الشہداء علیہ السلام کی خاطر موصوف اپنی گرہ سے ہزاروں

روپیہ صرف کر چکے ہیں اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ لاہور کا عشرہ محرم الحرام موصوف ہی کی ذات سے آج تک روایات سابقہ کا حامل رہا ہے۔ ورنہ خدا جانے لاہور میں عزاداری کا کیا حشر ہوا ہوتا۔

نواب نثار علی خان صاحب کی بے جا حمایت میں ہمیں گالیاں دینے والے بتائیں کہ گذشتہ محرم الحرام میں کس قدر رقم صرف کی گئی ہے۔ شیعیان لاہور گواہ ہیں کہ امسال عشرہ محرم میں وہ ''مبارک حویلی'' جو کبھی مجالس عزا اور نذر و نیاز کی وجہ سے پنجاب بھر میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی تھی اور جہاں عراق و ایران کے ذاکرین خاص طور پر ایام محرم کے لیے مدعو کیے جاتے تھے کیسی سونی پڑی تھی۔ کیا معززین لاہور میں سے کوئی ایک بھی ہمارے اس بیان کی تکذیب فرما سکتے ہیں۔ معاف فرمایئے اگر یہ کہا جائے کہ کونسل آف اسٹیٹ کی رکنیت حاصل کرنے کے لیے تو چالیس پینتالیس ہزار روپیہ پانی کی طرح بہا دیا جا سکتا ہے مگر عزاداری سید الشہداء پر پھوٹی کوڑی تک صرف نہیں کی جا سکتی۔ افسوس! صد افسوس! مزید اطمینان اور ہمارے بیان کی تصدیق کے لیے اخبار اثنا عشری لاہور کے محرم نمبر میں ملک مہدی حسین صاحب سکریٹری شیعہ ینگ مین ایسوسی ایشن کا مضمون بعنوان ''وقف ناصریہ لاہور کی حالت زار'' ملاحظہ فرمائیں، جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ وقف ناصریہ لاہور کی بربادی پر جملہ قوم کے صدائے

احتجاج بلند کر رہی ہے۔ اگر ملک صاحب کے عائد کردہ الزامات صحیح نہ تھے تو لاہور ایسے شہر میں جہاں بیسیوں روزانہ اخبار شائع ہوتے ہیں۔ ان کے بیان کی تردید کی ہوتی۔ مضمون محولہ بالا سے کچھ عرصہ پہلے حکیم نورالدین صاحب جعفری نے اخبار اثنا عشری ہی میں کربلائے گامے شاہ کے سلسلہ میں جو لرزہ خیز الزامات عائد کیے تھے اگر مبنی بر صداقت نہیں تھے تو ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی ہوتی ورنہ کسی کا یہ کہنا کہ وقف ناصریہ کی حالت دیگر اوقاف سے بدرجہا بہتر ہے۔ کوئی وزن نہیں رکھتا اور یقیناً دعویٰ بے دلیل ہے۔ جسے کوئی ذی ہوش قبول نہیں کر سکتا۔ کہنے کو تو دو اور دو چار نہیں بلکہ اور دو اور دو پانچ بھی کہے جا سکتے ہیں مگر دلائل سے اسے ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔

کیا معززین لاہور میں سے کوئی صاحب ہمارے مندرجہ تحت اعتراضات کی تردید فرمانے کے لیے آمادہ ہیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کو نواب سر فتح علی خان صاحب کے زمانۂ حیات میں ہر ماہ کی نوچندی جمعرات پر ''مبارک حویلی'' میں مجلس عزا کا دستور تھا۔ کھانا تقسیم کیا جاتا تھا اور ایک نوچندی پر سو روپیہ سے کم کسی صورت میں بھی خرچ نہیں ہوتا ہوگا۔ گویا سال بھر میں بارہ سو صرف نوچندی کے اخراجات کے لیے مقرر تھا۔ مگر کیا سر نواب فتح علی خان صاحب مرحوم کی وفات کے بعد کبھی اس مد میں یا جملہ تقریبات پر ہی اس رقم کا عشر عشیر بھی صرف کیا گیا؟

پھر اس کے علاوہ مرحوم کے زمانہ حیات میں عیدالاضحیٰ، عیدالفطر، نوروز، عید غدیر، عید مباہلہ وغیرہ کے مواقع پر سیکڑوں روپیہ اٹھ جاتا تھا۔ کیا آج نواب نثار علی خان صاحب قومی و مذہبی خدمات میں اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر گامزن ہیں؟ یقیناً ان تمام اعتراضات کا جواب نفی میں ہوگا۔ کوئی اور تو کیا خود نواب نثار علی خان صاحب اس کی تردید نہیں فرما سکتے، ہمیں گالیاں دینا آسان ہے مگر ان حقائق کو جھٹلانا مشکل ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کی رکنیت حاصل کرنا سہل مگر مال مظلوم کربلا کے بیجا صرف کے بعد قوم کی نظروں میں کسی کو کوئی وقعت نہیں حاصل ہوسکتی۔ نواب نثار علی خان صاحب اگر املاک وقف کا صحیح استعمال کرتے ہوتے تو سب سے پہلی فرصت میں اپنے مکان مسکونہ یعنی ''نواب پیلیس'' کو مسمار کرا دیتے کیونکہ نواب پیلیس کی زمین بھی تو املاک وقف میں سے ہے۔ یا کم از کم زمین کا کرایہ ہی وقف کی آمدنی میں داخل کیا ہوتا کیا اسی ایک مثال سے وقف ناصریہ کی تباہ حالی روز روشن کی طرح آشکار نہیں ہوجاتی اور کیا زمین وقف پر نواب صاحب کا مکان مسکونہ املاک وقف کے بیجا استعمال کی بین دلیل نہیں اب کچھ عرصہ سے نواب صاحب کے حاشیہ نشین وقف ناصریہ کے وجود ہی سے انکار کر رہے ہیں اور اس امر کی ناکام کوششوں میں مصروف ہیں کہ قوم کو کسی طرح ساکت کر دیا جائے۔ ہم نواب نثار علی خان سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ بذات خود اس امر کا اعلان فرما دیں کہ ''وقف

ناصریہ'' کوئی وقف نہیں اور ہمارے آباواجداد نے جو اسے وقف مشتہر کر رکھا تھا وہ از سرتاپا غلط تھا۔ اور اتنا عرصہ عوام الناس کو مغالطہ میں رکھا گیا ہے ورنہ درحقیقت وقف ناصریہ کا عدم وجود برابر ہے۔ نیز پریوی کونسل کے فیصلہ میں وقف ناصریہ کے متعلق غیر مشتبہ الفاظ میں جو حوالہ دیا گیا ہے وہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ورنہ بصورت دیگر ایسی پاور ہوا ہوائی کو مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی۔

کچھ وقف ناصریہ ہی پر منحصر نہیں شیعوں کے بہت سے اوقاف میں گاؤخورد ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی داعی ہے کہ صیغۂ اوقاف آل انڈیا شیعہ کانفرنس کو ایسی مستحکم بنیادوں پر قائم کیا جائے یہ صیغۂ احوال کے لیے بیش از بیش سرگرمی کا اظہار کر سکے۔ وقف ناصریہ کے بارے میں شیعیان پنجاب اور صیغۂ اوقاف کا فرض ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کریں کہ اختتام مقدمہ تک وقف ناصریہ کے لیے حکومت کی طرف سے ایک ''ریسیور'' مقرر کر دیا جائے تاکہ وقف ناصریہ کی آمدنی حسب منشا کے واقف خرچ کی جائے۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ جلد ۹، شمارہ نمبر ۲۹۔ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ، مطابق ۲۱ اگست ۱۹۳۳ء، ص ۵

سرفراز کی عملی اعانت

(عالی جناب نصیر حسین الحسینی پاروی ضلع غازی پور، مقیم بہ حال رودولی ضلع فیض آباد)

اڈیٹر صاحب سرفراز کی اپیل سے متاثر ہوکر یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے محبوب قومی اخبار سرفراز کی مالی حالت کو بہتر بنانے میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لینا چاہئے۔ چنانچہ اولاً قصبہ رودولی میں مصطفےٰ علی خان صاحب کو جو ایک پر جوش اور مذہبی درد رکھنے والے فرد قوم میں اپنا ہم خیال بنایا۔ بہر حال خان صاحب موصوف نے بمقام قصبہ رودولی بعد ختم نماز عید مومنین کے مجمع میں سرفراز کی قومی خدمات اور اس کی مالی مشکلات کو ظاہر کرتے ہوئے سرفراز کی اعانت کے لیے مجمع کو توجہ دلائی۔ اس کے بعد خاکسار نے مجمع کو مخاطب کرکے اپنی تقریر میں یہ کہا کہ یہ مسلمہ ہے کہ قوم کے صحیح جذبات کی ترجمانی اور قومی حقوق کی محافظت کے لیے اخبار کا وجود نہایت ضروری ہے اور اخبار ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے قوم کا شمار زندہ قوموں میں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ہماری قوم میں سرفراز ہی ایک ایسا اخبار ہے جس سے ہماری تمام قومی توقعات پوری ہوسکتی ہیں۔

قوم کا یہی ایک اخبار ایسا ہے جو تمام خصوصیات کا جامع ہے جس کی بیش بہا خدمات نے قوم میں چار چاند لگا دیئے۔ قوم کا یہی ایک اخبار ایسا ہے جو حق کی حمایت میں کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی مرعوب نہیں ہوتا ہے۔

خصوصاً ایسے نازک سیاسی دور میں جس سے ہم گذر رہے ہیں اس اخبار کی دلیرانہ قومی خدمات بہت زیادہ قابل قدر ہیں۔ چنانچہ مثالوں سے یہ بتایا گیا کہ سرفراز نے اب تک

قوم کی حمایت میں جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اس کے بار احسان سے قوم سبکدوش نہیں ہوسکتی اور اس کے فاضل اڈیٹر خواجہ اسداللہ صاحب اسدؔ نے جس قابلیت اور درد دینی سے ہمارے قومی مطالبات کی حمایت اور قومی حقوق کی حفاظت کی ہے وہ یقیناً قابل شکر گذاری وہمت افزائی کے ہے۔ اسی معزز اخبار کی پرزور آواز اور اس کے فدائے ملت اڈیٹر کی پرخلوص کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج سرفراز قومی پریس ایسا شاندار پریس قوم کے قبضہ میں ہے لیکن آج کل اقتصادی کشمکش کی وجہ سے اس قومی اخبار کی مالی حالت نہایت نازک ہو رہی ہے اس وجہ سے اس کی اعانت کرنی اور اس کے لیے خریدار بنانا یا خریدار بننا ہم سب کا قومی فریضہ ہے۔ اس کے بعد یہ اسکیم پیش کی گئی کہ آپ میں کہ ہر مستطیع فرد کو اس قومی اخبار کی خریداری منظور کرنی چاہئے اور اگر تنہا خریدار بننے کی استطاعت نہیں ہے تو مشترکہ رقم کے ذریعہ سے اپنے میں سے کسی ایک کے نام اخبار ہی جاری کرادیجئے۔ چنانچہ یہ آخری تجویز نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور مومنین قصبہ ردولی نے کچھ رقم اسی وقت اور کچھ رقم عید کے دوسرے اور تیسرے روز جس کی مجموعی تعداد مبلغ ???۱۲/ ہوئی مشترکہ انتظام سے جمع کرکے یہ طے کیا کہ اس رقم سے سرفراز کے دو پرچے دو مندرجہ ذیل اشخاص کے نام جاری کرادیئے جائیں جس سے ہر شریک کو یکساں فائدہ اٹھانے کا حق ہوگا۔

عید کے دوسرے روز اس مقصد کی اشاعت کے لیے موضع کو??? جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ سادات کی ایک چھوٹی سی بستی ہے جو قصبہ رودولی سے دو میل کے فاصلہ پر جانب مشرق واقع ہے۔ یہاں کے مومنین گردش زمانہ کی وجہ سے بہت پریشان حال ہیں مگر ان میں مذہبی درد اور قومی جوش موجود ہے چنانچہ یہاں کے مومنین نے بھی مشترکہ طور سے مبلغ چھ

روپیہ جمع کر کے یہ طے کیا کہ اس رقم سے ایک پرچہ صرف ایک مندرجہ ذیل شخص کے نام جاری کرادیا جائے۔

اسی مقصد کے لیے عید کے تیسرے روز موضع کوڑہا سادات بھی جانا پڑا۔ سادات کی یہ بستی قصبہ رودولی سے تین میل کے فاصلہ پر جانب شمال واقع ہے۔ چنانچہ یہاں کے قومی درد رکھنے والے مومنین نے بھی مشترکہ انتظام کے ذریعہ سے مبلغ چھ روپیہ جمع کر کے یہ طے کیا کہ اس رقم سے ایک پرچہ صرف ایک مندرجہ ذیل شخص کے نام جاری کرادیا جائے۔

مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ جس کی رقم مبلغ ۲۴ روپئے جمع ہوئی جو حاضر خدمت ہے لہٰذا متکلف خدمت ہوں کہ سرفرازؔ کے چار پرچے ایک سال کے لیے حسب تفصیل ذیل جاری فرمادیجئے۔

۱۔ جناب مجتبیٰ علی خان صاحب۔ قصبہ رودولی محلہ کٹرہ ڈاکخانہ رودولی ضلع بارہ بنکی۔

۲۔ جناب سید منظور حسین صاحب قصبہ رودولی محلہ صوفیانہ ڈاکخانہ رودولی ضلع بارہ بنکی۔

۳۔ جناب سید سردار حسین صاحب۔ موضع کوپہ کاپ۔ ڈاکخانہ رودولی ضلع بارہ بنکی۔

۴۔ جناب سید علی اوسط صاحب۔ موضع کوڑہا سادات ڈاکخانہ بھلسر ضلع بارہ بنکی۔

مصطفےٰ علی خانصاحب کا یہ قومی جوش یقیناً قابل ستائش ہے کہ وہ اپنے کاموں کا ہرج کر کے برابر میرے ساتھ رہے اور اس نیک مقصد میں بہت کوشش کی۔

میری یہ رائے ہے کہ مذکورہ بالا اصول پر اگر کام ہوتا رہے تو بہت کچھ امید کامیابی ہے مگر افسوس کہ کام کرنے والوں کی کمی ہے۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ۸، شمارہ نمبر ۶۳۔۹ رشوال ۱۳۵۱ھ،، ۵ رفروری ۱۹۳۳ء ص ۲

یتیم خانہ نسواں

ایں کار از تو آید و مرداں چنین کنند

(سید کلب عباس صاحب آنریری سکریٹری یتیم خانہ نسواں آل انڈیا شیعہ کانفرنس لکھنؤ)

یتیم خانہ نسواں کے اجرا نے جو ایک باایثار خاتون کے ہاتھوں سے عمل میں آیا مندرہ بالا عام مثل کو بالکل الٹا ثابت کر دیا ہے۔ قمر جہاں بیگم صاحبہ کی ہم صنف خواتین اب اس کو الٹ کر یوں مردوں کو طعنہ دے سکتی ہیں۔ ''انچہ مرداں نمی آیدز نان چنین کنند۔'' اور ان کا ایسا کہنا بالکل حق بجانب ہوگا بنگمری کے اجلاس میں یہ تحریک پاس ہوئی تھی اور اس وقت کے جوش کو دیکھتے ہوئے خصوصاً اس کے حامیان کے انہماک سے اس کا اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تحریک بہت جلد کامیاب ہوگی۔ ہمارے جوشیلے دوست مسٹر محمد حسنین صاحب نے ایک گرانقدر سالانہ عطیہ اور دیگر لوازمات یتیم خانہ فراہم کرنے کا قطعی وعدہ کیا تھا۔ ان کی اہلیہ نے خود لکھنؤ میں اسی غرض کے لیے قیام کر کے ایتام کی نگرانی کا پکا وعدہ فرمایا تھا۔ ان کے اور میرے احباب نے اپنے اپنے مقامات پر اس تحریک کی اشاعت اور یتیم خانہ نسواں کے افتتاح کے لیے مالی اعانت کا حتمی تہیہ کر لیا تھا اور بعض ہمدردان ملت نے اس پر عمل کر کے دکھایا بھی یعنی اتنے دور دراز ؟؟؟؟ جیسے بنادی (بغداد) سے اس کار خیر کے لیے ماہانہ چندے فراہم کر کے بھیجے۔ بعض معزز خواتین نے کسی مجلس عزا کے موقع پر یا دیگر مذہبی صحبتوں میں اس تحریک کی اشاعت بھی فرمائی ایسے خدا ترس اور دردمند حضرات کی فہرست مع ان کے جمع کردہ عطایا کے سرفراز میں شائع ہوتی رہی ہے اس لیے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں مگر افسوس کہ ایسی رقوم کی آخری تعداد اس وقت تک صرف مبلغ ؟؟؟ تک پہنچ سکی

ہے۔ظاہر ہے کہ اس قلیل رقم سے ایک یتیم بچی کی بھی مستقل پرورش وتعلیم وتربیت ممکن نہ تھی اور اگر یہی رفتار ہماری قوم کی توجہ اور سخاوت کی رہتی تو ایک قرن تک بھی یتیم خانہ نسواں کا جو یتیم خانہ نسواں کمیٹی کے ممبران سے نہ ہوسکتا لیکن خدا جزائے خیر دے قمر جہاں بیگم صاحبہ کو جنہوں نے اپنے صنف سے نام نہاد کمزوری کا الزام مٹا دیا اور خود اپنے ذاتی سرمایہ سے یتیم خانہ نسواں کا اجرا کر کے اس کو عام کر دیا اور اس کے دروازوں کو ہر یتیم بچی کے لیے کھول دیا اپنی اپیل میں تمام دیگر نے ہم صنف بہنوں کو شرکت وامداد کی دعوت دی۔ یہی نہیں بلکہ ایسے اہل ذکور سے جن کو اس تحریک سے ہمدردی ہے ان سے بھی ہاتھ بٹانے کی استدعا موصوفہ فرما رہی ہیں۔ایسی صورت میں حسب ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں جن سے خود ان کا جواب مل جاتا ہے۔

۱۔کیا ایک عورت کا یہ ایثار ہم مردوں کے لیے قابل تقلید نہیں ہے۔

۲۔کیا ہم بھی اسی قسم کا ایثار اپنے استطاعت کے بموجب کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ؟

۳۔اگر رکھتے ہیں تو پھر کیا یتیم بچوں کا حق ہمارے اوپر نہیں ہے؟

اب تک ہمارے بردران ملت یہ کہتے تھے کہ یتیم بچیاں مشکل سے ملیں گی اور اگر ملیں گی بھی تو ان کا حدود شرعی کے اندر معاشرت اسلامی کو مدنظر رکھتے ہوئے تربیت پانا دشوار ہے لیکن یہ یتیم خانہ اپنے اجرا سے خود ان اعتراضات کی تردید کر رہا ہے۔ ماشاء اللہ آٹھ بچیاں اس کے اندر داخل ہیں۔اور متعدد امیدوار یتیم بچیاں بوجہ جگہ کی قلت اور عدم گنجائش سرمایہ کے داخل نہیں ہوسکیں اور تمام ضروری احتیاط پردہ داری اور اسلامی معاشرت کی ؟؟؟ ہیں یتیم لڑکیاں بالکل اسلامی طریقہ پر تعلیم پا رہی ہیں اور قمر جہاں بیگم صاحبہ اس کی اس قدر فکر کرتی ہیں کہ آپ نے دستور العمل میں یہ شرط صاف صاف درج کر دی ہے۔

جو لڑکی یتیم خانہ میں داخل ہوگی اس پر بموجب مذہب شیعہ اثنا عشریہ ادائے صوم وصلوٰۃ ودرستی اخلاق وحیاداری پردہ شرعی وغیرہ کی پابندی لازم ہوگی۔ ان کی پرورش وتعلیم نیک بخت خداشناس سلیقہ شعار خواتین کے سپرد رہے گی۔''

علاوہ اس کے بغیر کسی عالم دین اور معزز مقامی رئیسوں یا ممبران کمیٹی کی سفارش وتقرر کے کہ وہ دراصل قابل امداد ہیں داخل یتیم خانہ سوال نہ ہوسکے گی اور صرف تین سال سے ۹ سال تک کی عمر کی لڑکی داخل یتیم خانہ ہوسکتی ہے۔

مذکورہ بالا ضوابط اور پابند مذہب مستورات کے لیے کافی ضمانت ہیں کہ اس یتیم خانہ میں کسی خلاف شرع یا مذہب واخلاق امر کو روا نہ رکھا جائے گا۔ پھر ابھی تک اس ادارہ کی طرف ہماری قوم کے افراد کی فردِ اناث نے کوئی توجہ تام نہیں فرمائی۔ یتیم خانہ کی ضرورت اظہر من الشمس ہے اور اس کے فوائد ہویدا اور پیدا اس ادارہ میں بیک وقت یتیم بچیوں اور بیواؤں اور مستحق امداد مستورات کی پرورش ہوسکتی ہے کیونکہ اول الذکر کی نگرانی اور خدمت سب سے بہتر بیوگان اور مستحق امداد مستورات کرسکتی ہیں اور اس کے معاوضہ میں ان کی پرورش کی جاسکتی ہے جو منظر لکھنؤ میں خاص طور سے اور دوسری سادات کی بستیوں میں عام طور پر شیعہ ضعیف اور محتاج مستورات کا روزانہ دیکھنے میں آتا ہے۔اس سے ثابت ہے کہ ان کی دریوزہ گری نہ صرف ان کے لیے رسوا کن ہے بلکہ اس کی وجہ سے بہت سی بداخلاقیاں ان میں پیدا ہوجاتی ہیں۔

کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ان قبیح امور کا انسداد کریں اور کیا یتیم خانہ نسواں ان انسدادی تدبیروں میں سے سب سے زیادہ موثر اقدام نہیں ہے۔شاید بعض ابنائے قوم کو یہ

خیال ہو کہ پھر بھی یہ یتیم خانہ نسواں ایک نجی ادارہ ہے جس پر جمہور قوم کا کافی اثر و تسلط قائم نہ رہ سکے گا۔ مگر اول تو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا خود اس کی بانیہ نے اعلان کر دیا ہے کہ یہ ادارہ وقف عام ہے اور اس کی نگراں جماعت بھی عام خواتین پر مشتمل رکھی ہے۔ دوسرے ایک اپنی نجی تحریر میں بھی موصوفہ نے اس مطلب کو نہایت وضاحت سے یوں تحریر فرمایا ہے۔

''ظاہر ہے کہ ہم پردہ نشین خواتین محض ناتجربہ کار اس کار اہم کو کیونکر انجام دے سکتی ہیں۔ مشترکہ قوت و امداد سے ہر ادارہ کامیاب ہوسکتا ہے غرضیکہ میں ہمیشہ سے شیعہ کانفرنس کی سرپرستی و ذمہ داری پر ایک یتیم خانہ و درسگاہ نسواں کا قائم کرنا چاہتی تھی مگر اس نے کچھ توجہ نہ فرمائی اب بھی میں بزرگان قوم کی ماتحتی میں اپنے فرائض انجام دینے کو حاضر ہوں۔

اسی تحریر کی بنا پر شیعہ کانفرنس کی مقررکردہ منتخب کمیٹی اس امر پر غور کر رہی ہے کہ اس کی مانٹگومری کی یتیم خانہ نسواں کمیٹی اور قمر ٹرسٹ یتیم خانہ کمیٹی میں کن اصولوں پر اتحاد عمل قائم کیا جائے اور کس طرح سے ان دونوں فنڈ کو مدغم کر دیا جائے کمیٹی انشاء اللہ عنقریب ایسے اصول طے کر دے گی اور اس کے بعد اس یتیم خانہ نسواں پر جمہوری تسلط غیر متزلزل عنوان سے قائم ہو جائے گی۔ پس یہ آخری وسوسہ بھی برطرف ہوا جاتا ہے کیا اب بھی ہمدردان ملت ہر دو طبقہ کے یعنی مرد اور عورتیں دونوں اپنی مشترکہ قوت سے اس یتیم خانہ کو کم از کم اس پایہ پر نہ پہنچا دیں گی جس پر ان کا یتیم خانہ ذکور ہے یعنی ایک عمارت مخصوص یتیم خانہ نسواں کے لیے تیار ہو جائے جس میں کم از کم ۱۰۰ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت و پرورش کا انتظام ہو سکے؟ آپ مجھ سے دریافت فرمائیں گے کہ اس کے لیے تعمیری نظام کیا ہے۔ میں حسب ذیل طریقہ جس پر غریب امیر مرد عورت سب عمل پیرا ہو سکتے ہیں تجویز کرتا ہوں۔ ضرورت اس کی ہے کہ ان

تجویزوں کی تعمیل کرانے کی ذمہ داری اپنے سر لینے کے لیے ہر دو طبقے کے افراد اپنی اپنی خدمات پیش کریں اور فرض شناسی کے ساتھ انہیں انجام دیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اخبار سرفراز میں ایسے نام جلد شائع ہوں گے۔

اول:۔ امام ضامن کی رقم جمع کر کے اس فنڈ میں دیا کریں۔

دوم:۔ ہر مجلس عزا میں ایک حصہ یتیم خانہ نسواں کے ایتام کے نام سے نکالیں اور اس کی قیمت اس فنڈ کے لیے جمع رکھیں۔

سوم:۔ ہر مذہبی یا برادری کی صحبت میں ایک گولک مقفل سربمہر یتیم خانہ نسواں کی گشت کرائیں اور اس میں پیسہ دھیلا جو جس سے ممکن ہو ہر مستطیع سے ڈالنے کی استدعا کریں۔

چہارم:۔ دونوں وقت کے کھانے کی جنس نکالتے وقت یتیم خانہ نسواں کے نام والے کٹورہ یا ہانڈی میں ایک چٹکی ڈال دیا کریں اور مہینہ کے آخر میں وہ سب جمع ہو کر خواہ بمشکل جنس یا بشکل نقد (بعد فروخت) یتیم خانہ نسواں کو بھیج دیا کریں۔

پنجم:۔ تقریبات کے موقع پر جو کچھ مصارف اس تقریب میں ہوں اس کا سوواں حصہ یتیم خانہ نسواں میں دیا اور بھیجا کریں۔

رفتہ رفتہ یہ فنڈ انشاء اللہ اسکاٹش بیوگان کے فنڈ سے بڑھ جائے گا اور ہماری یتیم بچیاں زیور تعلیم و تربیت سے اس طرح سے آراستہ ہو کر نکلیں گی کہ وہ ماں باپ والی بچیوں کے لیے قابل رشک ہوں گی۔

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ۸، شمارہ نمبر ۷۶۔ ۲۸/ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ، ۲۵/ مارچ ۱۹۳۳ء، ص ۲

آل انڈیا شیعہ کانفرنس

اور

مرزا عطا حسین صاحب لاہوری

نمی دانم چرا غردوں بحال ما نمی سازد

اگر پریشانی ست زلف یار ہم دارد

(عالی جناب فخر قوم سردار اعجاز حسین صاحب قزلباش، پشاور)

نہ معلوم شیعہ کانفرنس نے کس منحوس دن جنم لیا تھا کہ اس کی زندگی کبھی بھی اندرونی حملوں سے محفوظ اور بے خطر نہ رہی۔ اگر چہ مقام شکر ہے کہ نحوست کے ساتھ تھوڑی سی سخت جانی بھی اس کے نصیب میں لکھی تھی جس نے آج تک اسے برباد ہونے نہ دیا ورنہ وہ تو کبھی کی فنا ہو چکی ہوتی اور فنا بھی ہوتی انہی ہاتھوں سے جن ہاتھوں نے اسے بنایا تھا۔

شیعوں کے لیے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی وہی حیثیت ہے جو ہندوؤں کے لیے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی اور اگر دونوں میں کچھ فرق ہے تو یہ کہ ہندوؤں نے کانگریس کے نام پر ہزار ہا جانیں قربان کر دیں اور لاکھوں روپیہ خرچ کر ڈالا مگر شیعہ ہمیشہ اس تاک میں رہے کہ موقع ملے تو برباد کر دیں۔

''ببین تفاوت رہ از کجا تا بکجا''

کانفرنس ستائیس سال سے قوم کی خدمت کر رہی ہے اس کے اراکین یا عہدہ دار بے منت و بے؟؟ اپنے اوقات عزیز کا بڑا بھاری حصہ خدمت قوم کے لیے وقف کر کے کانفرنس کو چلا رہے ہیں اور انہی کی متفقہ جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج شیعوں کی آواز بھی حکومت

کے کانوں تک پہنچ رہی ہے۔ وہ مختلف مقامات پر سالانہ جلسے کر کے سال گذشتہ کی روئداد وخدمت گذاری قوم کو سناتے اور سال آئندہ کے لیے قومی ضرورتوں اور ان کی تکالیف کا پروگرام مرتب کر کے سال بھر اس تگ ودو میں رہتے ہیں کہ آئندہ سالانہ جلسہ تک ان ضرورتوں کو پورا کریں اور قوم کی تکلیفات کو دور کر دیں۔ ان جلسوں میں تمام ہندستان کے شیعوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے اور ہر ایک قوم کو اجازت ہے کہ اس قومی اسٹیج پر اپنے مطالب کا اظہار کرے اور کانفرنس کے لائحہ عمل یا اس کی ہیئت ترکیبی پر اعتراض کرنے کی ایسی تجویز پیش کرے جن سے کانفرنس کا نظام عمل زیادہ مفید ثابت ہو۔

میں نے مرزا عطا حسین صاحب کے مضمون مندرجہ اخبار اثنا عشری مطبوعہ ۲۵ر فروری کو بغور پڑھا۔ مرزا صاحب نے دیباچہ میں اپنی قومی درد کا بہت اظہار کیا ہے اور اپنی تحریر کو نیک نیتی اور غمخواری پر مبنی کرنے کی بڑی کامیاب کوشش کی ہے اور مجھے کوئی حق حاصل نہیں کہ میں ان کی اس صداقت شعاری پر شک کروں۔ البتہ مجھے ان سے اتنی شکایت ضرور ہے کہ خدام قوم کے متعلق جو ریمارک کیا ہے اور جن زمایم اخلاق سے ان کو منصوب کیا ہے اس میں مرزا صاحب نے اپنے آپ کو کسی طرح حق بجانب ثابت نہیں کیا۔ یعنی اپنے اس دعوے کے ثبوت میں مرزا صاحب نے کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی۔ اور وقت بواہیر کے جس واقعہ کو انہوں نے بطور نظیر پیش کیا ہے وہ کسی طرح بھی ان کے حق میں نہیں۔

پار سال جب کانفرنس کے سالانہ جلسے لاہور میں ہو رہے تھے تو میں لاہور میں موجود تھا۔ اور اس وقت کانفرنس کے اسٹیج پر موجود تھا جس وقت بوہروں کے وقف کا مسئلہ معرض بحث میں آیا۔ اس بحث نے معمول سے کچھ زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی اور اس کی

وجہ یہ تھی کہ بوہروں کے چند ایک نمائندے لاہور میں اس مطلب کے لیے آئے ہوئے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے ان کے وقف کے متعلق کوئی ذکر کانفرنس کے اسٹیج پر نہ کیا جائے۔ یا بالفاظ دیگر اس وقف کا ذکر سکریٹری صاحب صیغہ اوقاف کی رپورٹ سالانہ سے خارج کیا جائے اور مجھے اس امر کے اظہار کرنے میں بھی تامل نہیں کہ ان واقعات کے دوش بدوش زر نقد کا بھی تذکرہ ہوتا تھا یعنی کہ وہ نمائندے اس مطلب کے حاصل کرنے کے لیے بہت سا روپیہ خرچ کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ مولوی سید کلب عباس صاحب نے صیغہ وقف کی سالانہ رپورٹ پڑھی اور اس امر پر اظہار امتنان و؟؟ کیا کہ گورنمنٹ نے ان کی اس روز ولیوشن متعلق وقف بواہیر بمبئی کو منظور کر لیا جس کو کانفرنس نے اپنے اسٹیج پر بمقام بمبئی پاس کیا تھا۔ مولوی مرزا احمد علی صاحب قبلہ نے رپورٹ کے اس جزو پر اعتراض کیا اور کوشش کی کہ یہ حصہ رپورٹ سے خارج کیا جائے۔ سید کلب عباس صاحب نے فرمایا کہ جس رزولیوشن کو خود کانفرنس نے پاس کیا تھا اس کی کامیابی پر اظہار مسرت اس جدوجہد کا ایک لازمی نتیجہ ہے اور صیغہ وقف کے سکریٹری کا فرض ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اور اگر ان کو فرائض منصبی کے بجالانے سے اس طرح روک دیا جائے تو وہ مجبور ہوں گے کہ اس صیغہ سے استعفیٰ دیں۔ چنانچہ اس بحث مباحثہ کے بعد رپورٹ کثرت رائے سے پاس ہوگئی۔

اب ناظرین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس میں ضد یا ہٹ دھرمی کی کون سی بات تھی اور پھر یہ کہاں کی منطق ہے کہ اس بنا کہ مولوی کلب عباس صاحب نے فلاں معاملہ میں ضد کی یا ہٹ دھرمی کی (جو ایک دعویٰ بے دلیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا) تمام عہدہ داران کانفرنس کو ضدی، ہٹ دھرم اور خود پسند یا خود غرض کہا جائے۔

فریقین یعنی مرزا عطا حسین صاحب اور مرزا محمد اصغر صاحب اس بحث مباحثہ میں مولانا مرزا احمد علی صاحب قبلہ کا ذکر بھی ایک سے زیادہ مرتبہ آچکا ہے۔ مولانائے موصوف کی شخصیت مذہبی نقطہ نگاہ سے نہ صرف لاہور بلکہ سارے پنجاب میں ایک ایسی قابل قدر ہستی ہے جو محتاج تعارف نہیں بلکہ ان کا مرتبہ ان اوصاف سے بھی زیادہ بلند ہے جو مرزا عطا حسین صاحب نے ظاہر کئے ہیں مگر اس کے معنی یہ نہیں ہو سکتے کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے یا غلط فہمی سے مبرا ہیں جس کا ثبوت معاملہ زیر بحث میں موجود ہے اور ہر ایک صاحب بصیرت انسان دیکھ سکتا ہے کہ وقف بواہیر کے معاملہ میں وہ کہاں تک حق بجانب تھے۔

مرزا عطا حسین صاحب کو علم ہے اور یہ ایک حقیقت باہرہ ہے کہ ہندستان بھر میں شیعوں کی یہی ایک مرکزی طاقت ہے۔ مگر اس کے کارپرداز فرشتے نہیں بلکہ انسان ہیں اور انسان سے خطائیں سرزد ہوا کرتی ہیں۔ قوم کے ہر ایک فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کو ان کے عیوب و نقائص سے باخبر کرے (اور ان کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ حتی الامکان ان نقائص کے دور کرنے کی کوشش کریں) مگر کانفرنس کی عظمت و وقار اور اس کے اراکین کی جلالت قدر اور ایثار ضرور اس امر کی متقاضی ہے کہ اظہار نقائص یا اعتراضات میں ان خدام ملت کے پاس ادب سے چشم پوشی نہ کی جائے اور معترض کا لب ولہجہ توہین آمیز نہ ہو۔ اور اعتراضات کے دلائل بھی معقول ہوں۔

کہ حجت قوی باید معنوی نہ رگ ہائے گردن بہ حجت قوی

اپنے مضامین زیر بحث ہیں مرزا عطا حسین صاحب نے عہدہ داران کی اس مفروضہ بیماری کا علاج بھی تجویز کیا ہے کہ وہ ہر سال تبدیل کیے جائیں اور تبدیل مرکز کی بھی

تجویز کی ہے۔ میں ان کے ان تجاویز کی نہ مخالفت کرتا ہوں نہ تائید (اس لیے کہ ان کا انحصار رائے عامہ پر ہے) اور چونکہ کانفرنس کے سالانہ جلسہ امسال مستقبل قریب میں دہلی میں ہونے قرار پائے ہیں بہتر ہوگا کہ جناب مرزا صاحب اس موقع پر دہلی تشریف لے جا کر ان تجویزوں کو قوم کے روبرو پیش کریں تا کہ رائے عامہ خود فیصلہ کرے۔ والسلام

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ۸، شمارہ نمبر ۶ ۷۔ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ، ۲۵ مارچ ۱۹۳۳ء، ص ۳

مدرسہ ناظمیہ کی کہانی اسی کی زبانی

ممتاز الواعظین عالی جناب مولانا سید ابرار حسین پاروی

ابناء ملت سلام علیکم۔ دنیا میں میں محتاج تعارف نہیں کون سا خطہ ارض ایسا ہے جہاں میری علمی شعاعیں نہ پہنچی ہو۔ قوم شیعہ کی مایہ ناز ہستی اسلام کے سچے جانثار مذہب وملت کے حقیقی خدمت گذار اکثر و بیشتر میری ہی آغوش تربیت کے پالے ہیں۔ جنہیں گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا انہیں یکہ تاز میدان علم بنایا۔ جو تشنگان علم تھے انہیں سیراب کر کے ان کی کشت تمنا کی آبیاری کی اگر میں اپنے ہونہار فرزندوں اور لائق سپوتوں کو یاد کر کے یوں فخر کروں کہ اولئك اولادی تجئنی بمثلهم۔ اذا جمعتنا یا جریر المجامع (مفہوم شعر) یہ ہماری اولادیں ہیں ان کی مثال کوئی پیش کرے تو ہرگز یہ فخر میرا بے جا نہ ہوگا۔ برا ماننے کی بات نہیں مجبوراً مجھے کہنا پڑتا ہے کہ میری ان ہی شکستہ ہڈیوں اور کمزور بازوؤں نے بہت سے قوی مجاہد تیار کیے اور بہت سے حامی ملت پیدا کیے۔ میں گو خود ایک خاموش واعظ ہوں لیکن بہت سے مشہور فصیح وبلیغ خطیب اور اکثر میدان تحریر کے سپاہی بنائے رہا۔ ہاں میرا ایک زمانہ تھا اور خوب تھا جبکہ میں کسی کا محتاج نہ تھا۔ کسی سے کوئی غرض وابستہ نہ تھی۔ میرے لائق فرزند خود میری خبر لینے والے میری آغوش میں رہتے تھے۔ لیکن افسوس ہزار افسوس اے فرزندان قوم آج زمانہ میرے ساتھ بیوفائی کی چند دنوں سے میں محتاج غیر ہوں۔ میرا دست سوال دراز ہے اور شکستہ ہڈیوں سے هل من ناصر ینصرنا کی آواز پیدا ہو رہی ہے۔ ہائے کوئی میری آواز سننے والا اور لبیک کہہ کر میرے بازوؤں کا تھامنے والا نہیں۔ حیدصد حیف

اس میں شک نہیں کہ میر بعض بیش بہا موتی صدف قبر میں پنہا ہو گئے وہ اس جگہ ہیں جہاں میں عنقریب پہنچنے والا ہوں لیکن ابھی وہ مجھ سے بہت دور ہیں ان کو یاد کر کے دل ہل جاتا ہے۔ آنکھوں سے سیل اشک جاری ہوتا ہے۔ مگر پھر خیال کر کے دل کو قرار ہوتا ہے۔ کہ بحمدہ ابھی میرے بہت سے ہونہار فرزند موجود ہیں۔ خدا ان کو ہمیشہ آباد رکھے جن سے بہت کچھ امید کی جاسکتی ہے۔ اب میری فریاد انہیں افراد سے ہے جو میرے آغوش تربیت میں ایک زمانہ بسر چکے ہیں۔ اے میرے لائق ہونہار بچو شرم کرو شرم، میں اس حالت میں مبتلا ہوں اور تمہیں خبر نہیں آؤ اور آ کر نزع کی حالت ہی میں سہی میری عیادت تو کر لو کچھ نہیں کر سکتے تو سورہ یٰسین ہی پڑھ کر اپنے ہاتھوں سے مجھے وداع کر دو اپنے معالج و تیماردار سرپرست مولانا نجم العلماء سے عرض پرداز ہوں کہ آپ تیمارداری کرتے کرتے تھک چکے۔ آپ اپنے قلم سے چند سطریں لکھ کر میرے تمام کمسن نوجوان بچوں کو یہاں بلائیے۔ بلا کر میری نبض دکھائیے اور ان سے کہئے کہ علاج کر دیا زندہ دفن کر دو سب ایک تاریخ معینہ پر ایک بار اور میری گود میں آجائیں میں ان سب کو اچھی حالت میں دیکھ کر خوش ہولوں اور سینہ سے لگالوں اور وہ مجھے بری حالت میں دیکھ کر افسوس کر لیں۔ یا اور شاید سب مل کر کوئی روا تجویز کریں بہت ممکن ہے کہ میری ضعیفی دیکھ کر رحم آجائے اور سب کے سب میری پیری کا کوئی سہارا پیدا کریں۔ جس طرح ہو سکے آپ سب کو ضرور اکٹھا کر دیجئے میں غیرت دلاؤں گا۔ حق پرورش مانگوں گا۔ ناممکن ہے کہ میرے غیرت دلانے پر بھی حق نمک ادا نہ کیا جائے۔

مولوی اختر علی صاحب تلہری نے ابھی میری حالت زار لکھ کر قوم کو متوجہ کیا ہے۔ ان کا شکر گذار ہوں لیکن اب میری غرض یہ ہے کہ مولوی صاحب موصوف قوم سے

پہلے میرے ان بچوں کو جگائیں جو مجھے بھول کر اپنا پیٹ بھر کر سو رہے ہیں۔ اگر وہ جاگ جائیں تو ساری قوم کو جگا سکتے ہیں۔ مجھے اپنے ایسے ہونہاروں سے سخت شکایت ہے کہ ان ہوتے ہوئے میری حیات وموت کا مسئلہ قوم کے سامنے پیش ہے اور وہ خرّاٹے کی نیند سو رہے ہیں۔ قبلہ وکعبہ ان کو جگائیے اور اپنے یہاں سب کو ضرور بلوائیے اور ان سے میرے علاج کی صورتیں پوچھئے۔ ان سب کی طرف سے ایک انجمن قائم کر کے ہمارے قابل فخر نشانی شمس العلماء مولوی سید سبط حسن صاحب کو اس کا پریسیڈنٹ بنائیے۔ اگر وہ کھڑے ہوجائیں گے تو پھر میری کشتی حیات گرداب مصیبت سے نکل کر ساحل مراد پر آلگے گی۔ مجھے اپنے ان بچوں سے خاص طور پر شکایت ہے جو بحمداللہ اطراف عالم میں اپنا اثر پھیلائے ہوئے تبلیغی خدمتیں انجام دے رہے ہیں۔ سخت تعجب ہے کہ حافظ کفایت حسین ومولوی عدیل اختر ایسے ہمدرد جو ایک زمانے میں میری حمایت ونصرت میں ہر شخص سے برسرپیکار رہتے تھے۔ میری آغوش تربیت سے نکلتے ہی مجھے بھول گئے اور کبھی دریافت خیریت بھی نہ کی۔ قبلہ وکعبہ سے پھر مکرر عرض ہے کہ فرداً فرداً ان تمام افراد کو جلد سے جلد بلائیں یقیناً میری صورت دیکھ کر آپ کا ہاتھ بٹائیں گے اور میری تیمارداری وعلاج میں منہمک ہو کر کوئی خاص صورت تجویز کریں گے۔ والسلام

یہ خاکسار کی ایک خاص تجویز ہے جو قبلہ وکعبہ استادی العلام نجم الملۃ مدظلہٗ کی بارگاہ میں پیش ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اگر قبلہ وکعبہ کوئی جلسہ مقرر کریں اور تمام طلبا مدرسہ ناظمیہ کو جو کسی حالت میں ہوں طلب فرمائیں۔ ہر شخص اپنے حسب حیثیت دس پانچ دو ایک روپیہ بھی ماہوار مقرر کر دے تو بڑی کامیابی ہو اور آئندہ ملازمان عالی جو مناسب سمجھیں۔

راقم: خادم الطلبا، سید ابرار حسین پاروی (ممتاز الافاضل)
مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ سٹی

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ جلد ۸، شمارہ نمبر ۴۷۔ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ، ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء، ص ۵

شہادت حسینؑ کا منشا اور انسانی سیرت کی تعمیر

(حجت الاسلام مولانا سید حامد حسین رضوی صاحب، عشروی، طاب ثراہ، بہرائچ)

او ماتمیٔ حضرت شبیر خبردار
ہاں بھول نہ جانا کہیں منشائے شہادت

حسینؑ کی شہادت کی خونی تہوں میں انسانی سیرت کی تعمیر کے ہزاروں درس چھپے ہوئے ہیں۔ کردار سازی کے اہم اجزا ہیں۔ ایک انسان کو تہذیب، اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدن کی منزلیں کس انداز سے طے کرنا چاہئے شہید کربلا اور ان کے رفقا اور اہلبیت کے اقدامات ان امور کے لیے مکمل ہدایت نامہ ہیں۔ فتنہ وفساد سے بچتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق حق وصداقت کی حمایت پر نازک سے نازک حالات میں قائم رہنا اور دنیوی ترغیبات کو ٹھکراتے ہوئے امن عامہ کا نصب العین سامنے رکھنا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے اپنی تمام کائنات لٹا دینا واقعہ کربلا کے چند نمایاں پہلو ہیں۔

اگر شہید کربلا کے حکیمانہ اقدامات پر اس زاویۂ نگاہ سے نظر کی جائے کہ اس سے اپنی انفرادی واجتماعی سیرت صالح بنائی جائے تو حسینؑ کی پیروی کے ادعا کرنے والوں کی زندگی کا ہر پہلو درخشاں ہوجائے اور دنیا کی اقوام وملل کی صفوں میں اخلاقی اور سیاسی حیثیت سے انہیں امتیاز حاصل ہوجائے۔

اب اگر ماتمیان حضرت شبیر کی انفرادی واجتماعی زندگی اس معیار پر پوری نہیں اترتی اور ان کی سیرت کی کتاب میں دیانت وراستبازی کے صفحات نہیں ملتے تو درحقیقت یہ

نتیجہ ہے؟؟؟ کے جذبہ کے فقدان کا۔

یہ امر قابل افسوس سہی مگر ہے واقعہ کہ ہم دنیوی خواہشوں میں اس قدر آلودہ ہو گئے ہیں اور ہمارے افکار وخیالات کی دنیا اس قدر بگڑ چکی ہے کہ ہمیں سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا کہ شہدائے کربلا کے اقدامات کا مقتضیات عصر کے مطابق اپنے اعمال میں ہلکا ہی سہی رنگ پیدا کرنا اس لیے لازمی ہے کہ ماموم وامام میں کوئی ارتباط تو باقی رہے۔

اس وقت تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی غیر شخص ہمارے اعمال وافعال پر نظر ڈالے تو اسے یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ ہمارا حسینؑ شہید سے فی الواقع حقیقی رشتہ ہے۔ حق پژدہی اور صداقت شعاری سے کوسوں دور ہیں۔ اسلامی دیانت کے سایہ میں پرورش پائی ہوئی اخلاقی طہارتوں سے ہمیں کوئی رابطہ نہیں۔ ثروت واقتدار کے آستانے ہیں اور ہماری پریشانیاں سیاسی گھاتوں سے ہمیں لگاؤ ہے صرف اپنے نفس کی خواہشوں کی تکمیل کی فکر میں ہیں۔ انسانیت کی خدمت سے ہمیں کوئی ربط نہیں۔ کربلا والے دیانت کے جس راستہ پر چلے تھے وہ قریب قریب ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ قربانی وایثار کا وہ معیار عام انسانوں کے بس کی چیز نہ سہی لیکن انہوں نے جس راستہ کی نشاندہی کی تھی کاش کہ اسے تو ہم نہ بھلاتے۔ عام حالات میں تو سچ اور ایمان کی حمایت میں کوئی سرگرمی دکھاتے۔ لیکن یہ تو اس وقت ہوتا جب ہم نے اس واقعہ سے کرداری تعمیر کا ساز وسامان چاہے وہ تھوڑا ہی سا سہی حاصل کیا ہوتا۔ یہاں تو عالم ہی دوسرا ہے گریہ وزاری اور ماتم وغیرہ کی رسمیں (جو یقیناً اپنی جگہ پر ضروری اور اہم ہیں) انجام دے کر ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس واقعہ نے ہم پر جو کچھ فرض عائد کیا تھا وہ ہم نے انجام دے دیا۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ یہ سب ضروری باتیں خود منزل

نہیں ہیں بلکہ منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہیں ان امور میں غفلت اور تساہل کسی طرح بھی روا نہیں ہے لیکن یہی سب کچھ نہیں ہے۔ عمل کے قدموں کو آگے بڑھنے کی ضرورت ہے تاکہ دنیا یہ سمجھ سکے کہ حسینؑ کے ماتم کرنے والے سیرت وکردار کے لحاظ سے بھی انسانیت کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔ ان کے آنسو کسی کمزوری کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ واقعات غم سے صحت مندانہ انسانیت کے جائز تاثر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسی صورت میں دنیا سے کہا جاتا ہے۔

او بے خبر نہ ہنس مری چشم پرآب پر
یہ اشک ہیں بہار گلستان زندگی

اختر تلہری

شاید بعض صاحبوں کو میری ان باتوں میں لہجہ کی کچھ تلخی نظر آئے لیکن میری یہ تلخ نوائی قطعاً قابل درگذر ہے۔ دل میں جب درد زیادہ ہوجاتا ہے لہجہ میں کڑواہٹ کا آجانا حیرت خیز نہیں ہے۔ یوں بھی جب ''ذوق نغمہ'' کمیاب ہوجائے تو 'نوا' کو تلخ تر بنانا مصلحت کی چیز قرار دیا گیا ہے۔ یاران تیز گام محمل سے قریب ہوتے جارہے ہیں اور ہم ''نالہ جرس کارواں' میں محو ہیں یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں ہے اگر ہوسکے تو عزائے امام کے سلسلہ میں اپنی نگاہ کا رخ فی الجملہ بدلئے۔ اپنی فکر ونظر میں ذرا وسعت پیدا کیجئے۔ منشائے شہادت کو گریہ وماتم کے سہمے میں نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیجئے۔ کیونکہ اسی طرح سیرت وکردار کے صفحات پر انسانیت کے نقوش ابھر سکتے ہیں اور ہمارے گریہ وماتم سے عالم کے دل لرزاور کلیجے کومل ہوسکتے ہیں۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ محرم نمبر، جلد ۳۱، شمارہ نمبر ۱۔ ۱۳۷۳ھ، ۱۹۵۲ء، ص ۱۷

سرمایہ شیعہ کالج سے قرض کی ضرورت ہے

(عالی جناب سید سعید حیدر زیدی سہارنپوری)

مکرم محترم۔ جناب ایڈیٹر صاحب اخبار سرفراز لکھنؤ۔ سلام علیکم۔ اخبار سرفراز میں یہ خبر دیکھ کر مسرت ہوئی کہ شیعہ کا سرمایہ منافعہ پر قرض دیا جانے والا ہے۔ واقعی شیعہ قوم تمام قوموں سے نادار اور قرض کی اس قوم کو زیادہ ضرورت رہتی ہے۔ ان حالات کے لحاظ سے حضرات ٹرسٹیان صاحبان شیعہ کالج کا یہ مستحسن اقدام غریب قوم کی جائیدادوں کو جو آئے دن ساہوکاروں اور دوسری قوموں کے پاس جارہی ہے بچانے میں کافی مدد دے سکتا ہے اور اس لیے حضرات ممدوحین قابل مبارکباد ہیں اور چونکہ خادم قوم کو خود قرضہ کی ضرورت ہے اس لیے درخواست قرضہ جناب ٹرسٹیان صاحبان کی خدمت میں روانہ کی ہے تاکہ قوم کے وہ حضرات بھی جو اس سرمایہ سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں درخواستیں دیں۔

نقل درخواست مرسل گرامی ہے۔ امید کہ اخبار سرفراز کے کسی گوشہ میں جگہ دے کر مجھے اور حضرات قوم کو جو خواہش مند ان قرضہ ہیں مشکور فرمائیں گے۔

درخواست بخدمت ٹرسٹی صاحبان شیعہ کالج لکھنؤ

جناب عالی۔ گذارش خدمت یہ ہے کہ عرصہ سے یہ خادم قوم اور سید زادہ انقلاب زمانہ سے پریشان ہے اور وطن چھوڑ کر حیدرآباد ریاست میں ملازم ہوگیا ہے۔ آٹھ دس ہزار روپئے کی جائداد ضلع سہارنپور میں ذاتی رکھتا ہے۔ اس جائداد پر پانچ ہزار روپیہ قرض کی ضرورت ہوگئی ہے۔ ساہوکاران سہارنپور بوجہ حالت زمانہ مکان وآراضیات پر روپیہ قرض

دینے سے گریز کررہے ہیں لہٰذا ملتجی ہوں کہ خادم کا ذاتی مکان جو عمدہ اور پختہ اور آراضیات جو نہایت عمدہ اور آبادی کے دور؟؟؟؟ کے درمیان واقع ہے۔ پانچ ہزار روپئے میں رہن بالقبض شیعہ کالج کے نام فرمایئے ورنہ اس جائداد پر دو روپیہ سیکڑہ سودی رقم عطا فرمادیں۔ گو سود لینا دینا حرام ہے تاہم یہ روپیہ قومی ہے اور اس میں قوم کا فائدہ ہے اور اس کی غالباً اجازت بھی صاحبان فتاویٰ سے مل سکتی ہے۔ لہٰذا امیدوار ہوں کہ درخواست منظور فرمائی ہے اور عزت بخشی جائے۔ جائداد کا ہر طرح اطمینان فرمایا جاسکتا ہے۔ فقط

راقم عرضی گذار

سید سعید حیدر زیدی سہارنپوری

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ، جلد ۹، شمارہ نمبر ۷ ۳۔ ۲۹ر جمادی الاول ۱۳۵۲ھ، مطابق ۲۱ر ستمبر ۱۹۳۳ء

شیعہ کالج کا سرمایہ

(عالی جناب محمد مہدی حسن رضوی)

شیعہ کالج کا جو سرمایہ بصورت نقد گورنمنٹ پرامیسری نوٹ و گورنمنٹ سیکوریٹیز ہے اس کی تقسیم اس طرح پر کی گئی ہے کہ دولاکھ پچاس ہزار روپیہ کے گورنمنٹ پرامیسری نوٹ شیعہ انٹرمیڈیٹ وشیعہ اسکول کے لیے حسب ہدایت سررشتہ تعلیم علیٰحدہ کردیئے گئے ہیں جو ہمیشہ اسی طرح علیٰحدہ ومحفوظ رہیں گے۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ کا سرمایہ گورنمنٹ سیکوریٹیز اور بینک میں لگا تھا، جس کے منافع سے شیعہ عربی کالج اور دفتر مجلس ؟؟؟ کے اخراجات ہوتے تھے۔ دوتین سال سے عام اقتصادی خرابی کے اثر کسے علاوہ شیعہ کالج واسکول کی آمدنی میں اس وجہ سے بھی کمی ہوگئی کہ ایک بڑی رقم شیعہ کالج کی عمارت پر صرف ہوتی جس کی آمدنی پہلے کالج واسکول پر صرف ہوتی تھی۔ ریاست نواب گنج علی آباد سے جو امداد ملتی تھی اسے خان بہادر نواب محمد علی خان صاحب نے جب سے ان کے حق میں ریاست کی ڈگری ہوئی بند کردیا۔ عام تخفیف کی اسکیم کے تحت میں گورنمنٹ امداد بھی کم ہوگئی ان نقصانات سے عہدہ برآ ہونے کی میں نے یہ صورت تجویز کی کہ شیعہ اسکول کو شیعہ کالج کی جدید عمارت میں منتقل وشامل کردیا جائے سررشتہ تعلیم سے اس اسکیم کی منظوری حاصل کرنے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں لیکن بالآخر کامیابی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تخمیناً دو ہزار روپیہ سالانہ کے مستقل مصارف کم ہوگئے اور شیعہ اسکول کے لیے جدید عمارت کی ضرورت باقی نہ رہی جس کے لیے سررشتہ تعلیم زور ڈال رہا تھا اور جس پر کم ازکم ایک لاکھ روپیہ صرف

ہوتا۔ اسٹاف کی تنخواہوں میں بھی کچھ عارضی اور کچھ مستقل تخفیف کرکے کسی نہ کسی طرح آمدنی وخرچ کا توازن قائم رکھا گیا۔ ان حالات پر نظر کرتے ہوئے شیعہ کالج کے فنانس کمیٹی نے اپنے ۲۰ رنومبر ۳۳ء کے جلسہ میں بورڈ کو توجہ دلائی تھی کہ آمدنی میں اضافہ کے تدابیر اختیار کیے جائیں تاکہ آمدنی وخرچ کا توازن قائم رہ سکے۔ لیکن جدید دشواری یہ لاحق ہوئی کہ ایک طرف گورنمنٹ نے ساڑھے چھ فیصدی والے بانڈ کی نسبت یہ نوٹس دے دیا کہ ۱۵ راگست ۱۹۳۳ء کو ان کا روپیہ واپس کردیا جائے گا۔ دوسری طرف امپریئل بینک نے شرح منافع گھٹا کر دو فیصدی کردی چونکہ اس وقت تک الہ آباد بینک معقول شرح پر فکسڈ ڈپازٹ کا معاملہ کرتی تھی۔ اس لیے شیعہ کالج کی فنانس کمیٹی نے ۲۸ رجون ۱۹۳۳ء کے جلسہ میں طے کیا کہ رقم مذکورہ الہ آباد بینک میں رکھی جائے لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ اب الہ آباد بینک نے بھی اپنی شرح گھٹا کر دو روپیہ آٹھ آنہ فیصدی کردی ہے اس لیے یہ مسئلہ شیعہ کالج کے بورڈ آف ٹرسٹیز میں پیش کیا گیا اور ۲۷ راگست کے جلسے میں بعض ٹرسٹی صاحبان نے یہ رائے دی کہ شیعہ عربی کالج اور دفتر مجلس امناء کا خرچ جس نقد سرمایہ کے منافع سے ہوتا ہے اس سے کوئی جائداد خریدی جائے اسی سلسلہ میں جناب نواب نثار علی خان صاحب کی کوٹھیوں کا بھی ذکر ہوا جو لکھنؤ میں ہیں اور جن پر کچھ بار قرض بھی ہے جسے نواب صاحب موصوف بعض کوٹھیوں کو فروخت کرکے ادا کرنا چاہتے ہیں چونکہ اکثر مقامی ٹرسٹی صاحب ان کوٹھیوں کی حیثیت سے ذاتی طور پر واقف تھے۔ حقیت اور بار کفالت وغیرہ کا حال بھی معلوم تھا معاملے کے بھی جلد طے پانے کی امید تھی (واضح رہے کہ جس قدر تاخیر سے کوئی معاملہ ہوتا اسی قدر کالج کا نقصان تھا اس لیے کہ اس وقت تک واپس شدہ رقم پر کوئی منافع نہ ملتا اور اگرچہ رقم بینک میں فکسڈ

ڈپازٹ کی جاتی تو بہت قلیل آمدنی ہوتی اور پھر سال بھر تک کوئی دوسرا معاملہ ہوسکا) اس لیے بورڈ نے اس معاملے کر مراتب طے کرنے کے لیے ایک سلیکٹ کمیٹی مقرر کردی۔ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ پر بورڈ نے جس شکل میں معاملہ منظور کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ نواب نثار علی خان صاحب چار کوٹھیاں جن کی قیمت کم ازکم مبلغ ایک لاکھ تیس ہزار ہے اور جائداد زمینداری واقع جرول ضلع بہرائچ جس کی قیمت کم ازکم ۴۱۰۰۰ ہے۔

شیعہ کالج کے ہاتھ اس طرح بیع کریں کہ اگر اندر پانچ سال کے زرِ ثمن ادا کردیں تو معاملہ بیع فسق ہوسکے گا ورنہ بیع قطعی ہوجائے گی اور دعویٰ وغیرہ کی ضرورت لاحق نہ ہوگی۔ زرِ ثمن تخمیناً ایک لاکھ چالیس ہزار ہوگا۔

۲۔ نواب صاحب جائداد بیع کا ٹھیکہ پانچ سال کے لیے لیں گے اور تخمیناً مبلغ بارہ ہزار چھ سو روپیہ سال بلا عذر وصول وعدم وصول شیعہ کالج کو ادا کرتے رہیں گے۔

۳۔ ایک سال کا زرِ ٹھیکہ نواب صاحب پیشگی ادا کریں گے اور آئندہ بھی پیشگی ادا کرتے رہیں گے۔

۴۔ چار سال کے زرِ ٹھیکہ کے ادا ہوتے رہنے کے اطمینان کے لیے نواب صاحب دو کوٹھیاں ضمانت میں مکفول کریں جن کی قیمت کم ازکم ۶۷۰۰۰ ہے۔

۵۔ نواب صاحب شیعہ کالج فنڈ میں پانچ ہزار روپیہ کا عطیہ دیں گے۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ، جلد ۹، شمارہ نمبر ۷ ۳۔ ۲۹ر جمادی الاول ۱۳۵۲ھ، مطابق ۲۱ر ستمبر ۱۹۳۳ء، ص ۳

امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو کس نے دفن کیا؟

(عالی جناب حجۃ الاسلام، محسن الملۃ مولانا سید محسن نواب رضوی)

مذہب شیعہ میں یہ بات ایک مسلمہ حیثیت رکھتی ہے کہ معصوم کے آخری خدمات معصوم ہی انجام دیتا ہے اور معتبر بیانات سے یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو دفن کرنے کے لیے سید سجادؑ بہ اعجاز کوفہ سے کربلا پہنچے تھے اور بنی اسد کی ہمراہی میں شہداؑ کی آخری خدمت تدفین آپ ہی نے انجام دی۔ ان سب امور سے قطع نظر کرکے باطنی حیثیت سے امام حسینؑ کو کس نے دفن کیا اس کے معلوم کرنے کے لیے ہمارا ذیلی مختصر بیان پڑھنے کی زحمت گوارہ فرمائیے۔

فریقین کو معتبر روایات سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں ظاہر ہوسکتا۔'' ذیل کے دو خواب متعدد و معتبر کتابوں میں درج ہیں جنہیں ہم یہاں پر جناب شیخ الطائفہؒ کے ایسے مسلم الثبوت بلند پایہ محقق کی امالی سے نقل کرتے ہیں۔

پہلا خواب۔ قال ابن عباس نے روایۃ سعید بن جبیر عنہ، قال فلما کانت البتہ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے منامی اغیر اشعث فذکرت لہ ذالک وسائ بقدعن شافہ فقال الم تعلم انی فرغت من دفن الحسین واصحابہ۔

ابن عباس کا اس روایت میں بیان ہے جس کو ان سے سعید ابن جبیر نقل کرتے ہیں کہ جب رات ہوئی تو میں نے خواب میں رسول اللہؐ کو دیکھا کہ آپ غبار آلود اور بال پریشان ہیں میں نے حضرت سے اس کا ذکر کرکے ان کی اس حالت کا سبب دریافت کیا تو حضرت

نے فرمایا کہ کیا تم کو خبر نہیں؟ میں حسینؑ اور ان کے اصحاب کے دفن سے فارغ ہوا ہوں۔

دوسرا خواب۔ عن الصادق علیہ السلام قال اصبحت یوماء ام سلمہ رضی اللہ عنہا بتکی فقید ممّ بکائك، فقالت قتل ابنی الحسین ؟؟ذاللت انی مارأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نند مضی الاللة فرأیتہ شاحیاً باکیاً۔ فقالت قلت ماعی اراك یا رسول اللہ شاحباً کیئباقال مازلت اصفر القبور للحسین واصحابہ علیہ وعلیہم السلام۔ صادق آل محمد فرماتے ہیں ایک دن صبح کو ام سلمہؓ روتی ہوئی بیدار ہوئیں کہا گیا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ کہنے لگیں آج رات میرا بیٹا حسینؑ قتل ہو چکا اور یہ اس لیے کہ جب سے رسولؐ خدا کی وفات ہوئی میں نے آپ کو خواب میں نہیں دیکھا مگر آج کی رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ آپ کا چہرہ اترا ہوا ہے اور آپ رو رہے ہیں کہتی ہیں میں نے حضرت سے عرض کیا یہ کیا ہے کہ میں آپ کو دیکھ رہی ہوں کہ حضور کا چہرہ متغیر ہے اور آپ رنجیدہ ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ میں آج دن بھر حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے لیے قبریں کھودتا رہا۔

تقریباً ایک ہزار برس پہلے کے جلیل القدر عالم دین کی کتاب میں اسلام کے دو عظیم شخصیتوں کے یہ خواب لکھے ہوئے ہیں۔

ہمارا اعتقاد رسولؐ اور ان کے اہل بیتؑ کے لیے یہ ہے کہ ہم ان کو حیتاً میتاً ایک ہی حالت میں سمجھتے ہیں وہ زندہ ہیں اور بارگاہ الٰہی میں منازل قرب پر فائز ہیں اور روزی بھی پا رہے ہیں۔ لہٰذا جناب رسول خداؐ کا دفن امام حسینؑ کے لیے تشریف لانا ہماری نظر میں کسی طرح محل تعجب نہیں ہوسکتا بلکہ نانا کو اپنے نواسے سے جو بے پایا محبت تھی اس کا تقاضا بھی یہی

تھا۔ کیا ان حقائق کے بعد اس خیال کے لیے کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے کہ معاذ اللہ امام مظلوم کو یہودیوں نے دفن کیا۔''

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ جلد ۳۶، شمارہ نمبر ۹۔ ۰۲ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ، مطابق ۱۷ ستمبر ۱۹۵۸ء، ص ۲۷

شہدا کی حیات کا فلسفہ

(عالی جناب مولانا شفیع حیدر رضا بہرائچ)

یہ امر واقعہ ہے کہ شہدائے راہ خدا چونکہ وقت سے پہلے برضا و رغبت استقرار حق پر اپنی جانیں قربان کرتے ہیں اسی لیے ان کی انرجی، ان کی نفسانی قوت، روحانی طاقت باقی رہتی ہے جیسا کہ کربلا کے واقعات شاہد حال ہیں۔ نزع روح کے بعد ان کی روحیں ان کے اجسام پاک میں منتقل کردی جاتی ہیں اور انہیں اختیار دے دیا جاتا ہے کہ وہ جہاں چاہیں جائیں اور جہاں چاہیں نہ جائیں۔ ان کی تصرفات روحانی بعد موت بھی ویسی ہے باقی رہتے ہیں جس طرح حیات میں بظاہر ان کے اجسام بے سر ہوجاتے ہیں مگر نفسانی طاقت ان کے ہر عضو میں متصرف وقابض رہتی ہے۔ وہ ہاتھوں کو حرکت دے سکتے ہیں۔ نیز پر بے تن کے سر سے تکلم فرما سکتے ہیں۔ اپنے جسم کشتہ کے لہو کی متضاد تاثیریں دکھا سکتے ہیں، نابینا کو بینا اور بینا کو اندھا کر سکتے ہیں۔ سر و تن کے افتراق کے بعد بھی وہ زخمی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کانوں سے سن سکتے ہیں، دماغ سے کام لے سکتے ہیں۔ یہ ہے مرگ شہدا یہ ہیں ان کے ادنی تصرفات جو ہماری حیاتی تصرفات سے کہیں بالاتر کہیں مافوق بلکہ ہماری سمجھ سے بھی بلند تر۔

حیات کا فلسفہ:۔ اب انہیں مردہ نہ کہئے میت کا اطلاق ان پر نہ کیجئے جبکہ ان کی موت ہماری حیات سے بدرجہا بہتر۔ اب اس موت کے بعد وہ کونسی حیات ہے جس کو اسلام نے ان کو زندہ کہا ہے اور مردہ کہنے والوں کو روکا ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو۔ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔ کہ بعد موت جو ان کو حیات ملتی ہے اس کے فلسفے کے بیان سے ہمارا قلم حاضر

ہے، لیکن ظاہری آثار پر نظر کرنے سے جو اپنے مابعد یہ شہدا چھوڑ جاتے اور وہ محسوس ومشہور بھی ہوتے ہیں ان کو دیکھ کر حکم حیات لگایا جاسکتا ہے انہیں کو میں یہاں پر عرض کر کے اپنے بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ جس مقصد کے لیے شہدا نے جنگ و پیکار کی ہے اور شہ رگ کا خون بہایا ہے وہ مقصد بعد موت تا قیامت باقی ہے۔ حسین آج جس مقصد زریں کو لے کر اٹھے اور یزیدی فوج نے اسے روکا۔ یہاں تک کہ اسے کامیاب بنانے کے لیے امام نے ایک ایک بچے کا خون بھی دریغ نہ کیا خود اور ساتھی مٹ گئے مگر اس مقصد زریں کو قیامت تک کے لیے زندہ کر گئے پس وہ مقصد کیا زندہ رہا بلکہ حسین اور ان کے ساتھی زندہ ہوگئے اور رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے۔

۲۔ ایک مثل کہی جاتی ہے کہ جس نام کا زندہ اس کا نام زندہ اور جس کا نام زندہ اس کا نام پس وہ کب مردہ۔ آج حسین نہیں ہیں، مگر جس مشن کے لیے انہوں نے جنگ کی اور اپنی قربانیاں پیش کیں وہ مشن آج بھی جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا اور اس مشن کے ذیل میں نہ صرف اسلامی احکام وفرامین کا اجرا ہوتا ہے بلکہ اور دیگر انبیا ورسل ماسبق کے حالات بھی زندہ اور تازہ کیے جاتے ہیں۔ یہ مجالس تمام اسرار وغوامص وتبلیغ کے حامل ہوتی ہیں۔ پس اس مشن کی بقا حسین کی بقا ہے اور نہ صرف حسین کی بقا ہے بلکہ توحید کی بقا، نبوت کی بقا، امامت کی بقا، تمام احکام اسلامیہ کی بقا ہے۔

اسی نظریہ کے تحت میں خواجہ معین الدین چشتی نے ایک رباعی میں مقصد حسینی کا ذکر فرمادیا ہے۔ گویا ایک تاریخ بہت بڑے سانحہ کو چار مصرعوں میں سمو دیا ہے۔ ہر سانحہ وواقعہ

میں چار چیزوں کا بیان لازمی وضروری ہے۔

اول جس کا واقعہ ہو اس کی شخصیت کا بیان۔ دوسرے جس سے وہ سانحہ علمی ظہور میں آیا ہو اس کا ذکر تیسرے سبب واقعہ چوتھا نتیجہ واقعہ۔ اب رباعی ملاحظہ فرمائیے۔

شاہ است حسین بادشاہ ہست حسین　　دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سرداد۔ نداد دست در دست یزید　　حقا کہ بناء لا الہ است حسینؑ

حسینی شخصیت کا اظہار اوپر کے دونوں دن میں کیا ہے جو حق ہے۔ کس سے یہ واقعہ ظہور میں آیا یعنی یہ شہادت کس سے ظہور میں آئی وہ یزید ملعون ہے جو شقی ترین عوالم سے ہے۔ کس مدت سے یہ ظہور میں آیا، لا الہ کی بناء کو یزید کھوکھلا کرنا چاہتا تھا حسین نے اسے مضبوط کیا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ حسین نے دست نجس یزید میں ہاتھ تو نہ دیا یعنی بیعت کر کے اس کی کفریات کو تسلیم نہ کیا لیکن سر دے دیا اور اس سر دینے سے حسین لا الہ یعنی بقاء اسلام کی بناء مستحکم قرار پائے پس جب تک اسلام زندہ حسین زندہ۔

۳۔ کہا جاتا ہے ماخلف خلف مامات۔ جس نے اپنے مرنے کے بعد اپنا فرزند صالح چھوڑا وہ ہرگز نہیں مرا اگر ارباب عقل کے نزدیک یہ مسئلہ صحیح ہے تو حسین کہ اب کب مردہ ہیں۔ دنیا کے باپ جو فرزند چھوڑتے ہیں وہ صالح بھی ہوتے ہیں اور طالح بھی۔ صالح کا ذکر نہیں کیونکہ طالح فرزند بدتر انہ مارد کثردم وہ فرزند ہی کیا جس کا عدم وجود سے بہتر ہو۔ بقول شاعر ؎

زنان باردار اے مرد ہوشیار　　اگر وقت ولادت مار زانید
ازاں بہتر۔ نزدیک خردمند　　کہ فرزندان ناہموار زانید

ہر کیف جو فرزندان صالح ہوتے بھی ہیں اگرچہ ان سے ان کے پدر کا نام زندہ ہو جاتا ہے مگر؟؟؟؟؟ ان کی حیات باقی ہے فرزند صالح اپنی حیات تک ضرور اپنے باپ کی یاد تازہ رکھتا ہے لیکن چونکہ وہ حیات طویل لے کر نہیں آتا ہے۔ عادت جاریہ کے مطابق وہ چند دن زندہ رہ کر اپنے ساتھ اپنی یاد بھی اور اپنے باپ کے نقوش کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

برخلاف امام شہید کے۔ کہ اس شہادت عظمیٰ سے ایک تو یہ شرف آپ کو ملا کہ امامت کی نسل آپ ہی سے چلی گویا آپ بعد جناب امیر ابوالائمہ قرار پائے۔ نو امام آپ کے صلب سے پیدا ہوئے۔ دوسرے یہ کہ ان نو اماموں میں آٹھ امام بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے تیسرے اسی شہادت بالائے شہادت کے صلہ میں قدرت نے ان کو نو ان دہ فرزند عنایت کیا جسے حیات جاوید عطا فرمائی۔ اسی کی طرف اسلام کی الہامی کتاب میں اشارہ کیا گیا ہے۔

لاتحسبن الذین قتلو فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون۔ فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر۔ جلد ۳۰، شمارہ نمبر ایک۔ ۱۳۷۲ھ ۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء ص ۸۷

حقیقت کا انکشاف اور شیعہ کانفرنس کو ہمدردانہ مشورہ

(عالی جناب سید رضا قاسم، مظفر پور۔ بہار)

شیعیان مظفر پور کی تباہی و بربادی کا حال اجمالاً میری درد بھری تحریر سے معلوم ہو چکا ہوگا۔ اور میں ممنون ہوں مدیر سرفراز کا کہ ممدوح نے میری درد بھری آواز کو قوم تک پہنچانے کا موقع عنایت فرمایا۔ نیز میں اپنی قومی کانفرنس کے احساس کا مشکور ہوں کہ ایسے مصائب و آلام کے موقع پر جبکہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ جماعت اپنے مصیبت زدہ افراد کی امداد کے لیے سرگرم کار ہے۔ وہ بھی اپنی قوم کی تباہی و بربادی پر محض آنسو نہیں بہا رہی ہے بلکہ تباہ شدہ افراد قوم کی امداد کے لیے چندہ کی فراہمی میں امکانی جدوجہد کر رہی ہے اور اب مجھے صرف امید ہی نہیں بلکہ قومی توقع ہے کہ میری قوم کے مخیر صاحبان احساس۔۔۔۔ہم مصیبت زدوں کی درد بھری داستان سن کر ضرور اس باہمت و پر احساس ادارے کے توسط سے ہماری امداد کرنے سے باز نہ رہیں گے۔ مجھے یہ دیکھ کر گونہ امید بندھی ہے کہ میری قوم گرچہ بہت دیر کے مگر بیحد متاثر ہوئی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ دیر آید درست آید کے مصداق شیعہ ریلیف فنڈ کے ذریعہ مصیبت زدہ بھائیوں کی کافی اور ہمت افزا امداد ہو سکے گی۔

یوں تو بہت سی ریلیف کمیٹیاں یہاں آئیں انہوں نے امداد کی اور کر رہی ہیں مگر ان کے طریق امداد کچھ ایسے نرالے تھے کہ باوجود ان کی امداد کے گویا امداد نہ ہوئی ان کی امداد میں بہت سی بدعنوانیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں جس کا صحیح پتہ اخباروں کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک ہی امر گوش گذار کر دینا کافی ہوگا کہ اس زلزلہ عظیم نے وہ کایا پلٹ دی کہ

ایک حالت میں نظر آنے لگے برناؤ پر
اس بلا کی آفتوں میں کیا امیر اور کیا فقیر

باوجود ان حالات کا احساس رکھتے ہوئے محض ظاہری شکل وصورت وگذشتہ ان اسباب کی دائمی بقا کا خیالی نقشہ اپنے دل میں قائم و برقرار رکھتے ہوئے کارکنان ریلیف نے بہتیرے حقیقی ضرورتمندوں کی ضرورت کا نظر انداز کر دیا۔ اور ان کے دل میں ہرگز کسی قسم کا احساس نہ ہوا کہ آیا واقعی جو پندرہ جنوری سے پہلے دوسروں کی امداد کر سکتے تھے اور کرتے تھے۔ وہ خود اس وقت قابل امداد ہیں۔ مختصراً یہ کہ ضرورت وغیر ضرورت کا سوال ہی نہ رہا۔ بلکہ جس نے بھیس نہ بدلا اس کو کسی نے بھیک نہ دی جس سے متوسطین کی سراسر حق تلفی ہو رہی ہے۔ اور وہ جیسے ضرورت مند زلزلے کے بعد تھے اب بھی ویسے ہی ہیں۔ ان کو تو اتنا بھی کسی نے نہ پوچھا کہ کس حال میں ہو جیتے ہو یا مرتے ہو، اگر کسی نے انتہائی مجبوری میں امداد کرنے والوں سے کچھ درد دکھ کہنا بھی چاہا تو بجائے اس کے کہ اس کی مصیبتوں سے ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ان کی درخواست کو عدیم الفرصتی کا عذر کر کے خارج از سماعت کر دیا گیا یا اس کی گذشتہ سرمایہ داری کو یاد دلا کر اس جملہ سے نمک پر جراحت کا کام کیا گیا کہ تم تو سرمایہ دار ہو مقام انصاف ہے کہ کارکنان ریلیف فنڈ کے ایسے خیالات کہاں تک جائز اور قابل تحسین ہو سکتے ہیں۔

یہ تو حال ہے امداد کرنے والوں کا اب لگے ہاتھوں ہمارے یہاں کے نمائندوں کا حال بھی سن لیجئے جب ہمارے پاس روپیہ تھے اور جب ہم اس قابل تھے کہ دوسروں کی مدد کر سکتے تھے۔ تو بعض وہ پیشہ ور حضرات جو دوسرے ضلعوں سے آکر یہاں اپنا سرمایہ زندگی مہیا کر رہے تھے اور ہنوز کر رہے ہیں۔ یہاں کے شیعوں کی باگ کو ہاتھ میں لے کر اپنے نام

ونمود کے خواہاں اور جویاں تھے اور جب بیرونی افراد یا بیرونی ادارات کے نمائندے فراہمی چندہ یا کسی قسم کی امداد کے لیے یہاں آتے تھے تو وہ ہرگز خوشنودیٔ خدا اور رسول کی غرض سے نہیں بلکہ محض اپنی دھاک بٹھانے یا ذاتی مفاد کے خیال سے ان کا ہاتھ بٹا کر یہاں کے شیعوں سے چندے دلوا کر یا دیگر امداد کرا کر ان آنے والوں کی نظروں میں سرخرو بن کر اپنی شہرت و وقعت غیر مقامی حضرات کی نظروں میں پیدا کرتے رہتے تھے۔ اب مجھے نہایت افسوس کے ساتھ ان سے پوچھنا پڑتا ہے کہ کہاں ہیں وہ ظاہری ونمائشی حضرات جو شیعیان مظفر پور کی لیڈری کے خواہاں تھے۔ یہاں کے شیعوں پر غربت اور تباہی آتے ہی ان پر کیسی گہری نیند طاری ہوگئی کہ یہیں موجود ہیں آنکھیں کھلی ہیں سب مصیبت وآلام پیش نظر ہیں مگر پھر سوئے ہیں۔ افسوس جو کام ان کو کرنا چاہئے تھا وہ اب ہم ایسے لوگ کر رہے ہیں اور ان کی حالت بقول اکبرؔ یہ ہے کہ ؎

کھاتے پھرتے ہیں ڈنر جا کے وہ حکام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

افسوس جن کو اپنی قومی نمائندگی پر بڑا فخر تھا اور یہاں کے شیعوں کو طوعاً و کرہاً اپنا قومی نمائندہ تسلیم کر لینا پڑا تھا۔ انہوں نے آج تک یہ نہ پوچھا کہ اے شیعو! اے میرے قومی بھائیو! تم کس حال میں ہو؟ حقیقت تو یہ ہے کہ جن افراد قوم کے اردگرد وہ موقع شناس لیڈر منڈلا کرتے تھے اب وہ ادھر کا رخ تک نہیں کرتے کہ تم لوگ کس حال میں ہو۔

ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے شیعہ کانفرنس کو آگاہ کرتا ہوں کہ اگر وہ ان ہی دیرینہ لیڈروں کی وساطت سے یہاں کے شیعوں کی امداد کرے گی تو ہرگز جائز امداد نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں کے دیرینہ لیڈر حضرات جو دوسرے مقامات کے رہنے والے ہیں ان کو ہرگز

مقامی شیعوں کے حقیقی مصائب وآلام کا احساس نہ رہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو خود کرایہ کے مکانوں میں قیام پذیر تھے۔ اور الحمدللہ اس تہلکہ نے تمام مکانوں کو گرا کر آئے دن کرایہ کی اداکاری سے بھی ان کو سبکدوش کر دیا ہے۔ اور وہ فی الحال جھوپڑی میں رہ کر بھی اپنے سرمایہ اور وقار کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں بفضلہٖ تعالیٰ ان کے وطنی مقامات پر بھی ان کے مکانات اور جمیع سامان اس گرداب سے محفوظ ہیں۔ عشق کی مصیبتوں کو کوئی کیا جانے جو کبھی عاشق ہوا نہ ہو۔ حقیقی معنوں میں نقصانات تو وطنی افراد کے ہوئے اور وہی پریشان و بے سروسامان ہیں۔ کیونکہ ان کے مکانات اور ان کی دیگر سرمایہ داری اسی شہر اور ضلع سے وابستہ تھی۔ مقامی لیڈروں کی موجودہ بے حسی نے یہ حقیقت اب اچھی طرح منکشف کر دی کہ وہ فرض شناس وصاحب احساس نہیں بلکہ موقع شناس وصاحب اغراض ہیں۔ سچا نمائندہ وہی ہوسکتا ہے اور اسی کی رائے صائب ہوسکتی ہے جو اچھے اور برے سب کا شریک ہو اور صاحبان مصیبت کی داستان قوم کے کانوں تک پہنچا کر ان کے گاڑھے وقتوں میں کام آئے۔

آخر میں شیعہ کانفرنس کو ہمدردانہ مشورہ دیتا ہوں کہ جہاں اس کو شیعیان مظفر پور کی تباہی و بے سروسامانی کا احساس ہوا ہے وہاں یہ بھی یقین رکھے کہ اگر اس نے دیرینہ لیڈروں کی وساطت سے کام لیا تو یہاں کے مصیبت زدہ شیعوں کی حقیقی امداد نہ ہوگی ان کے زخم دل کا اندمال تو کجا بلکہ ناسور پیدا ہوجائے گا۔ اور اس امدادی فنڈ کا بھی وہی حال ہوگا جو اوروں کا ہوا یعنی نیکی برباد و گناہ لازم۔

راقم آثم سید رضا قاسم، مختار مظفر پور

(فاضل نامہ نگار اطمینان رکھیں آل انڈیا شیعہ کانفرنس جن حضرات کے ذریعہ سے

تقسیم ریلیف کا کام لے گی وہ قوم کے آزمودہ سپاہی ہوں گے، نام ونمود کے بندے نہ ہوں گے اور نیکی برباد گناہ لازم کے اندیشہ کا وقت ہی نہ آنے پائے گا۔(ایڈیٹر)

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر۔جلد ۹، شمارہ نمبر ۷۶۔ ۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ، ۲۸/ فروری ۱۹۳۴ء ص ۴

شیعہ کالج، شیعہ یتیم خانہ ودیگر قومی ادارات اور ارباب ملت

(عالی جناب فخر قوم سید کلب عباس نقوی ایڈووکیٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس)

خدا جانے نکتہ چینی اور ایراد کی ذہنیت ہمارے ارباب ملت کو قسام ازل نے کتنی فراوانی سے عطا فرمائی ہے کہ ہم اس کا پورا پورا صرف اپنے ادارات کا جائزہ لینے میں صرف کر دیتے ہیں۔کاش کہ یہ جائزہ عدل وانصاف پر مبنی اور ذاتی یا مستند معلومات کا نتیجہ ہوتا مگر ستم یہ ہے کہ بغیر ذاتی چھان بین کے ہم بہت سی سنی سنائی شکایتوں کو اس اعتماد اور وثوق کے ساتھ پیش کرتے ہیں جیسے کہ ہم کو ان کا حق الیقین مشاہدہ عینی سے حاصل ہوا ہو۔ایسی غیر ذمہ داری نکتہ چینی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ متعدی وبا دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور وہ ایسی باتوں کو باور کر کے ان ادارات کے خلاف ہوجاتے ہیں۔اس طرح پر حلقہ معترضین وسیع ہوتا جاتا ہے۔اور حلقہ مؤیدین تنگ۔ان ادارات کی زندگی حلقۂ مؤیدین کے عطیہ جات کی مرہون منت ہوتی اور قدرتاً ان عطیہ جات پر اس کا ردعمل پڑتا ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ادارے جن کے مہر وعنایت اور جود وعطا کے محتاج ہیں انہیں کے مہر وعطا سے محروم ہوکر جو ذرائع ان کے جائز اصلاح وترقی کے ہوتے ہیں وہی ذرائع مفقود ہوجاتے ہیں اس لیے کہ بغیر روپے کے ان کی اصلاح اور ان کے لیے مایحتاج کی فراہمی ممکن نہیں اور روپیہ کا ملنا اصلاح ہوجانے پر معلق۔اس دور تسلسل میں اداروں کی حالت زبوں سے زبوں تر ہوتی جاتی ہے اور یہ زبوں حالی غلطی سے ان اداروں کے اندرونی نظم ونسق کی خرابی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔

یہی حال ہمارے شیعہ کالج اور شیعہ یتیم خانہ اور دیگر قومی ادارات مثلاً قومی گھر سرفراز۔صفی دارالمطالعہ کا ہے۔کس کس امید اور حوصلہ کے ساتھ ان کو قائم کیا گیا تھا۔خیال تھا

کہ اگر صرف ایک پائی فی روپیہ اپنی آمدنی کا ہمارے افراد قوم ان کو دیں گے تو یہ معراج ترقی پر پہنچ جائیں گے مگر شروع میں جو سرمایہ ان کا جمع ہو گیا وہیں پر رہ گیا اور قدرتاً چونکہ سکون تنزل کی طرف مائل ہوتا ہے ان کے حالات میں پژمردگی پیدا ہونے لگی۔ شیعہ کالج کا بجٹ ۱۹۴۰ء سے آج تک خسارہ کا بجٹ رہا اگر ہز ہائنس نواب رام پور اپنی ذاتی فیاضی اور ٹیکنیکل فنڈ سے اس خسارہ کو پورا نہ کرتے تو آج تک کالج تحت الثریٰ تک پہنچ جاتا۔ مگر بروقت امداد پہنچ جانے سے اس ادارہ کو بلا تخریب باقی رکھا اور اس کا اندرونی نظم ونسق برابر درست رہا۔ اس کا اسٹاف اہل اور قابل اور اس کی تعلیم عمدہ اور پسندیدہ رہی۔ اچھے سے اچھے اساتذہ اچھے مشاہروں ؟؟؟؟ اسٹاف پر رہے۔ مشاہیر سررشتہ تعلیم کی خدمات اس کے لیے حاصل کی گئیں۔ مسٹر سین۔ سید محسن مرزا، سید مقصود حسین نقوی، ظفر حسین خاں، خواجہ سید اطہر حسین جیسے کارکردہ تجربہ کار اور قابل پرنسپل اس کے مقرر کئے گئے۔ انہوں نے کالج کے اندرونی نظم وتربیت میں بھی بہت کچھ اصلاحیں کیں۔ طلباء کو فرض شناس اور عزت نفس کا حامل بنایا ان میں احساس قومی پیدا کیا۔ اور وقار کالج کے برقرار رکھنے کی اسپرٹ ان میں پیدا کی۔ خطابت اور تنظیم کا مادہ ان میں پیدا کیا۔ تعلیمی نتیجے بھی اچھے دکھائے مگر ہمارے نکتہ چیں احباب شیعہ کالج میں عیب ہی عیب پاتے رہے۔ کاش وہ عیبش ہمہ گفتنی ہنرش نیز بگو پر عمل کرتے اور اس پر بھی غور کرتے کہ کالج کے منزل مقصود پر نہ پہنچنے کی ذمہ داری ہمارے اوپر بھی آتی ہے۔ دینیات کی تعلیم، ناظر دینیات کا تقرر، محافل مذہبی کا انعقاد، امدادی وظائف، فیس کی معافی وغیرہ کی خصوصیتیں جو شیعہ کالج میں ایک شیعہ طالب علم کو حاصل ہیں اور کہاں ملتی ہیں۔ طلباء کے لیے عمدہ دارالاقامہ، اچھی لائبریری، بہترین عمارت اور دینی ماحول کی تو کسی نے تعریف نہ کی وہاں کی چھوٹی سی

چھوٹی کمیوں کا ذکر منظر عام پر آ گیا۔ یعنی کالج میں بجلی نہیں، ہوسٹل میں پائپ اور بجلی نہیں، کالج بہت دور پڑتا ہے۔ بعض استاد وقت پر نہیں آتے۔ نتیجہ سو فیصدی نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ جیسی شکایتیں مہیب صورت میں پیش کی جانے لگیں۔ حالانکہ بجلی کے لیے ذمہ داران کالج ہمیشہ کوشاں رہے اور بالآخر حاصل ہی کر کے رہے۔ دیگر اصلاحات کے لیے بھی برابر سعی ہوتی رہی۔ دوری مقام کالج کا شکوہ کوئی کان کج کالج، پنڈت کوکرن ناتھ کالج (پار) ندوہ اور آرٹس آف کریفٹس اسکول اور گورنمنٹ اسکول چار باغ کے متعلق آج تک سننے میں نہیں آیا لیکن ہمارے کالج میں کمی طلاب کی اکیلی وجہ اس کی دوری بتائی جاتی ہے۔ سنتے تو یہ تھے کہ تعلیم گاہوں کو شہر کے پر آشوب روزگاری حصوں سے دور ہی ہونا چاہئے۔ مگر یہ خوبی ہمارے کالج کے لیے قبح ہو گی۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جہاں تک نتیجہ کا تعلق ہے اس پر کبھی لحاظ نہیں کیا جاتا کہ داخلہ کے لیے اپنے کالج میں کیسے طلبا بھیجے جاتے ہیں اور ان کی ترقی کے لیے کیا کیا اثمرات کام میں لائے جاتے ہیں۔ حال تو یہ ہے کہ جب ہر طرف سے ہارا بے چارہ تو چلا شیعہ کالج۔ تاہم میں گزشتہ دس سال کے نتائج بمقابلہ دیگر ڈینا فیشل کالجوں کے پیش کر کے یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ ہمارے کالج کا نتیجہ ان کے مقابل میں خراب نہیں رہا۔ ہاں فرسٹ ویٹ گورنمنٹ کالجوں سے اگر موازنہ کیا جائے تو ضرور مدھم نظر آئے گا۔

گذشتہ تین سال میں سائنس ڈگری کالج نے جو غیر معمولی ترقی کی ہے اور جس قدر

اس کے تعداد طلباء میں اور لوازمات تعلیم میں اضافہ ہوا ہے اس پر بجا ناز کیا جا سکتا ہے۔ آرٹس سائڈ میں طلباء میں ضرور کمی ہوتی ہے مگر اس کا سبب وہ عام رجحان ہے جو اس دور میں سائنس کی طرف جمہور خلائق کا ہے۔ حکومت بھی سائنس نواز ہو رہی ہے۔ والدین بھی سائنس کو راہ نجات سمجھتے ہیں اور اس کے حاصل کیے بغیر تعلیم کو غیر مکمل سمجھتے ہیں۔ لڑکے کے رجحانات سے ان کو کوئی کام نہیں اب تک آرٹ والے ملازمت میں برابر کا حق رکھتے تھے۔ مگر اب وہ حق بھی مسلمانوں سے اور علی الخصوص شیعوں سے سلب کر لیا گیا۔ یہ ذوق ادب رکھنے والی جماعت اب بے ادب بنائی جا رہی ہے۔ زبان کٹ چکی اب دل و دماغ کی تاراجی درپیش ہے۔ غضب ہے کہ انٹر آرٹس میں کل 17 لڑکے رہ گئے ہیں اور ان میں فارسی لینے والا کوئی نہیں۔ اردو کے پانچ اور باقی نام اللہ کا۔ اس پر جب آرٹس کلاسز کے بند کرنے کا سوال اٹھتا ہے تو شور و واویلا بلند ہوتا ہے مگر ہمارے طلبا کے اولیاء یہ نہیں غور کرتے کہ یہ سب تو انہیں کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ طلباء کو آپ آرٹس کورس پڑھاتے نہیں اور شیعہ کالج میں بوجہ بعد مسافت بھیجتے نہیں تو پھر کیا انٹر آرٹس میں فرشتے آ کر پڑھیں گے۔ اراکین شیعہ کالج نے بڑی کاوش سے بجٹ کا توازن قائم کر کے آرٹس کے درجوں کو امسال باقی رکھا ہے اور اس کے بقا کو داخلہ متعلمین پر معلق کیا ہے۔ کیا حامیان بقا کے انٹر آرٹس کا اب یہ فریضہ نہیں ہے کہ وہ اپنے شیعہ کالج میں آرٹس کے طلباء کا داخلہ بڑھائیں اور اس طرح سے اپنے ملت کے ادبی ذوق کو ٹھیس نہ لگنے دیں۔ خود انہیں کے ہاتھ میں کالج کی ترقی اور آرٹس کے بقا کی کنجی ہے۔ کیا اور کوئی موقع امتحان کا آئے گا۔ کیا ایسے موقع پر ہمارا فریضہ نہیں ہے کہ بعد مسافت کا خیال چھوڑ کر ایک بلند نظریہ کے ماتحت اپنے بچوں کو شیعہ کالج آرٹس میں داخل کرائیں اور وہاں کی شیعی فضا اور اپنے ہمدرد اساتذہ سے

استفادہ حاصل کریں۔

شیعہ یتیم خانہ کے متعلق میں تفصیل سے دوسرے مقالہ میں لکھوں گا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ اپنا واحد مرکزی یتیم خانہ ہے جو ۱۹۱۰ء سے اب تک قائم ہے۔ اس کی شاندار اور وسیع عمارت اس کا دارالاقامہ اس کے صنعتی درجات، اس کی مسجد اس کا دارالصنائع ایسے ہیں کہ جن کو اغیار نے بھی نظر احسان سے دیکھا ہے۔ سر مالکم ہیلی، سبھاش چندر بوس، کمال یار جنگ کمیٹی اور خود ڈپارٹمنٹ آف انڈسٹریز نے اس کے نظم و ترتیب کو سراہا ہے مگر ہم کو اس کے اندر کالا ہی کالا نظر آتا ہے۔ 'خیانت'، 'خیانت'، 'خیانت'، 'لوٹ'، 'غارت'، یہی آوازے ہر طرف سے اٹھتے ہیں۔ کہاں خیانت ہے کس مد کی خیانت ہے کون خائن ہے اس کی کوئی جانچ نہیں کرتا۔ آڈٹ خیانت نہیں کہتا۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر۔ جلد ۳۱، شمارہ نمبر ۷۔ ۳۰ر شوال، ۱۳۷۳ھ، ۲ر جولائی ۱۹۵۴ء ص ۴

شیعہ کالج لکھنؤ

(عالی جناب مصطفےٰ حسن رضوی اڈیٹر سرفراز

جس طرح آج کل ہر خاندان معاشی کشمکش اور مالی مشکلات میں گرفتار نظر آ رہا ہے اسی طرح ہمارے قومی ادارے بھی مالی پریشانیوں کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ کوئی ادارہ ایسا نہیں جو اطمینان کی سانس لے رہا ہو۔ ہر جگہ بجٹ کے عدم متوازن ہونے کی شکایت سننے میں آ رہی ہے اور آمدنی و خرچ کے عدم توازن نے ہر ادارہ کو موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ہمارا شیعہ کالج بھی ان دنوں ایسی ہی مصیبت میں گرفتار ہے۔ اس کا بجٹ بھی غیر متوازن رہتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی آمدنی قلیل اور اخراجات کثیر ہیں۔ بجٹ میں توازن قائم رکھنے کی صرف یہی دوصورتیں ہوسکتی ہیں کہ یا تو اخراجات کو اتنا گھٹا دیا جائے کہ وہ آمدنی کی سطح پر آجائیں یا آمدنی میں اتنا اضافہ ہوجائے کہ اخراجات پورے ہوتے رہیں۔ ظاہر ہے کہ اخراجات کسی طرح کم نہیں کیے جاسکتے، نہ استادوں کی تنخواہیں گھٹائی جاسکتی ہیں۔ نہ عملہ میں اتنی تخفیف کی جاسکتی ہے کہ اس کا برا اثر تعلیم پر پڑے۔ بہرحال ہونا گریز مصارف عموماً کالجوں میں ہوا کرتے ہیں۔ وہ شیعہ کالج میں بھی ہوتے ہیں۔ ان میں کسی کتر بیونت کی گنجائش نہیں اور اگر حد سے زیادہ کتر بیونت کردی جائے تو کالج کا معیار پست ہوکر رہ جائے گا۔

اب بجٹ کو متوازن بنانے کے لیے ایک یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ آمدنی میں معقول اضافہ کیا جائے۔ کالج کی آمدنی کے تین ہی ذرائع ہوسکتے ہیں۔ ایک حکومت کی گرانٹ دوسرے ٹیوشن فیس اور تیسرے اہل دول کے عطایا۔

اس زمانہ میں جب کہ نکبت وافلاس کا دور دورہ ہے، زمینداریاں باقی نہیں رہی ہیں، تعلقے ختم ہوچکے ہیں، تاجروں کا طبقہ خود کساد بازاری کا شکار ہے۔ دولت مند متوسط الحال اور متوسط الحال نادار قلاش بن گئے ہیں۔ اب بتایئے عطیات کہاں سے ملیں۔ عطایا کا وہ سوتا ہی خشک ہوگیا جو قومی اداروں کو سیر وسیراب کرتا رہتا تھا۔ اب رہی سرکاری گرانٹ وہ بہرحال محدود ہوتی ہے اور اس کے متعلق یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ بڑھ کر اس حد تک پہنچ جائے گی کہ شیعہ کالج کے تمام اخراجات کو کافی ہوسکے۔ لے دے کر آمدنی کا آخری ذریعہ ٹیوشن فیس ہی کا ہے۔ جس میں اگر اضافہ نہ ہوجائے تو کالج کے مصارف خاطر خواہ چل سکتے ہیں۔

مگر بدقسمتی سے شیعہ کالج کے آرٹس کلاسوں میں طلباء بہت ہی کم آتے ہیں اور ان سے جو ماہوار آمدنی بمد فیس وصول ہوتی ہے وہ ان اخراجات کو دیکھتے ہوئے کوئی حقیقت نہیں رکھتی جو ان طلباء کو تعلیم پر آتے ہیں۔ آرٹس درجوں میں طلباء کی کمی شرمناک حد تک ہے۔ انٹر کے سال اول وسال دویم میں آٹھ آٹھ طلباء سے زیادہ کا اوسط نہیں ہے۔ خود خیال فرمایئے کہ ان آٹھ طلباء کے فیس سے کیا اتنی رقم وصول ہوسکتی ہے کہ اس میں گرانٹ کے رسدی حصہ کو ملا کر اس درجہ کے اخراجات پورے کیے جاسکیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ان آٹھ طلباء کی تعلیم پر کالج کو کافی روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے اور طلباء سے بمد فیس برائے نام رقم وصول ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آرٹس کے درجوں کا وجود خطرہ میں پڑ گیا ہے اور بادل ناخواستہ ذمہ داران کالج کو ان کے شکست کردینے کے مسئلہ پر ہر سال غور کرنا پڑ رہا ہے۔

اسی شمارہ میں خان بہادر سید؟؟؟؟؟ آنریری اسسٹنٹ سکریٹری شیعہ کالج اور فخر قوم مولوی سید کلب عباس صاحب کے دو مضامین شیعوں کے اس واحد تعلیمی ادارہ کے متعلق شائع کیے جارہے ہیں ان کے مطالعے سے ناظرین اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ آرٹس ہی کے درجوں کی وجہ سے کالج کا بجٹ کس طرح غیر متوازن رہتا ہے اور آمدنی وخرچ کے توازن کو باقی رکھنے کے لیے ذمہ داروں کو کیا کیا جتن کرنے پڑتے ہیں وہ پیسہ پیسہ پر نظر رکھتے ہیں، کفایت شعاری کے جتنے طریقے ہوسکتے ہیں ان پر عمل کرتے ہیں۔ حکومت سے زیادہ سے زیادہ گرانٹ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہر سال کا بجٹ خسارہ کا بجٹ بنا رہتا ہے اور اس خسارہ کو ہز ہائنس نواب صاحب رام پور پورا کرتے رہتے ہیں۔ یہ صورت حال حد درجہ تکلیف دہ ہے۔ اس طرح زیادہ عرصہ تک کام نہیں چل سکتا۔ ہز ہائنس اس

خالی کنویں کو کب تک پاٹ سکتے ہیں۔اس کمی کو پورا کرنے کی واحد شکل یہی ہے کہ آرٹس کے درجوں میں زیادہ سے زیادہ طلباء داخلہ لیں تاکہ فیس کی مد میں کالج کو اتنی رقم وصول ہو سکے جتنی رقم وہ ان درجوں پر صرف کرتا ہے۔

لیکن انٹر کے فرسٹ اور سکنڈ ایئر میں مجموعی طور پر سولہ سترہ لڑکوں کی تعداد یہ بتاتی ہے کہ ہمارے افراد قوم ہی کو شیعہ کالج سے دلچسپی و ہمدردی نہیں رہی ہے اور وہ اپنے بچوں کو آرٹس کے درجوں میں داخل کرانے سے اجتناب کرتے ہیں۔بعض والدین و سرپرست حضرات اپنے بچوں کو شیعہ کالج میں اس لیے داخل نہیں کراتے کہ ان کے خیال میں کالج فاصلہ پر واقع ہے وہ اپنے اس واحد کالج کی بقا کے لیے اب اتنی سی زحمت برداشت کرنے کے لیے بھی تیار نہیں کہ قرب وجوار کا خیال کیے بغیر اپنے لڑکوں کو شیعہ کالج تعلیم کے لیے داخل کرائیں۔انہیں اتنی سی زحمت کا تو خیال ہے لیکن وہ ان فائدوں اور سہولتوں پر بالکل نظر نہیں کرتے جو ان کے بچوں کو اپنے اس قومی کالج میں حاصل ہیں۔ وہاں شیعہ طلباء کے لیے دینیات کی تعلیم کا انتظام ہے۔اردو پڑھنے کی سہولتیں ہیں پابندی نماز پر زور دیا جاتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہیں ایسا مذہبی ماحول ملتا ہے جو کسی دوسرے کالج میں ممکن نہیں ہے۔لیکن ان فوائد کے باوجود بھی ان کے دماغ سے دوری کا خیال دور نہیں ہوتا اور وہ اپنے لڑکوں کو شیعہ کالج کے آرٹس کلاسز میں داخل کرانے سے گریز کرتے ہیں۔

ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ شیعہ کالج سے آرٹس کے درجے ختم کر دیئے جائیں چنانچہ اس کے متعلق ہم اس سے پہلے سرفراز کے کالموں میں اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ کسی وقت شیعہ کالج سے آرٹس کلاسز توڑے گئے تو اس کی ذمہ داری کالج کے ذمہ

داروں پر نہیں بلکہ ان افراد قوم پر عائد ہوگی جو اپنے قومی کالج میں اپنے لڑکوں کو پڑھنے کے لیے نہیں بھیجتے ہم نے خود ذمہ داران کالج سے مل کر بات چیت کی ہے۔ وہاں کے کاغذات، رجسٹروں، نقشوں اور گوشواروں کا معائنہ کیا ہے اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ذمہ داران کالج جو کچھ کر سکتے ہیں وہ اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے ہیں۔کالج کے پہیئے کو چلانے کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں مگر ان کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے کہ آرٹس کلاسز میں لڑکے اتنی کم تعداد میں داخل ہوتے ہیں کہ ان کلاسز کا باقی رکھنا دشوار ہو کر رہ گیا ہے اگر خدانخواستہ مجبوراً آرٹس کلاسز ختم کر دیئے گئے تو یہ ایک بہت بڑا قومی نقصان ہوگا جس کی تلافی پھر مشکل ہو جائے گی۔

اس سال آرٹس کلاسز اس شرط پر باقی رکھے گئے ہیں کہ طلباء پوری تعداد میں ان درجوں میں داخل ہوں اگر طلباء کی تعداد پوری ہوگئی تو یہ درجے ضرور باقی رہیں گے ورنہ مجبوراً انہیں ختم ہی کرنا پڑے گا۔

والدین اور سرپرستوں کو اپنے اپنے لڑکوں کو آرٹس کلاسز میں داخل کرانے کے لیے ذمہ داران کالج توجہ بھی دلا رہے ہیں اور اب تو انہوں نے باقاعدہ ایک مہم شروع کر دی ہے۔ لکھنؤ کے محلہ محلہ میں جلسے کیے جا رہے ہیں ہر ہر وارڈ میں کمیٹیاں بنادی گئی ہیں تاکہ اس وارڈ کے آرٹس طلبا کو شیعہ کالج میں داخل ہونے پر آمادہ کیا جا سکے۔لڑکوں کے والدین اور سرپرستوں کو سمجھنا چاہئے کہ شیعہ کالج کی عمارت شیعی محلوں سے یقیناً فاصلہ پر واقع ہے مگر اب وہ علاء الدین کے چراغ کے ذریعہ سے اٹھا کر وسط شہر میں نہیں لایا جا سکتا بلکہ جہاں ہے وہیں پر رہے گا یہ تو ایک بنیادی غلطی ہے جو ماضی میں ہو چکی حالانکہ اس وقت اس پر اعتراض کیے

گئے تھے اتنی دور کالج بنائے جانے کے خلاف احتجاج ہوئے تھے، جلسے کیے گئے تھے چنانچہ اس ضمن کے ایک جلسے میں بمقام رفاہ عام کلب ۱۹۲۶ء میں ہم خود بھی شریک تھے۔ جناب بادشاہ مرزا صاحب ثمر نے ایک نظم پڑھی تھی جس کا جس کا ایک شعر حسب ذیل تھا۔

ہے نصیر الدین حیدر کی جہاں پر کربلا
ہو رہا ہے دفن سرمایہ وہاں پر قوم کا

اس نظم میں اور اس جلسہ کی تقریروں میں صرف اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ کالج کی عمارت غلط جگہ تعمیر کی جارہی ہے جس کی وجہ سے شیعوں کو زیادہ فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔ لیکن اس وقت کے ذمہ داروں نے اس اعتراض اور احتجاج پر کوئی توجہ نہ کی اور ضد سے کام لے کر ایک نامناسب مقام پر عمارت تعمیر کردی۔ لیکن اب کیا ہوتا ہے۔ بہر حال اب ماضی کی اس غلطی کو ہمیں انگیز کرنا ہے اور بادل خواستہ و ناخواستہ اپنے واحد کالج سے مستفید ہونا ہے۔

ہم دست بدعا ہیں کہ ذمہ داران کالج نے داخلہ کے سلسلہ میں جو مہم شروع کی ہے وہ کامیاب ہو اور خدا والدین اور سرپرستوں کو یہ توفیق دے کہ وہ اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شیعہ کالج میں داخل کرائیں۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر۔ جلد ۳۱، شمارہ نمبر ۷ ۳۔ ۳۰ر شوال، ۱۳۷۳ھ، ۲ر جولائی ۱۹۵۴ء ص ۶

مدیر ''شیعہ گزٹ'' کا مجوزہ لائحہ عمل

فخر قوم خان بہادر مولوی سید کلب عباس صاحب آنریری جنرل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس

معیاری صحافت کے لیے جو بات نہایت ضروری ہے وہ صحت بیان ہے۔ ہمارے نوزائیدہ ''شیعہ گزٹ'' میں اسی صفت کا فقدان ہے۔ اس کے نوخیز خودستا مدیر جو کے آمدی کے پیرشدی کے مصداق ہیں۔ اور جن کو سیاست علویہ میں یدطولیٰ اور قومیات شیعہ میں قیادت عظمیٰ کا زعم ہے ایسی خوداعتمادی سے بعض بیانات شیعہ گزٹ میں چھاپتے ہیں کہ گویا وہ ناسخ التواریخ کے مصنف ہیں۔

چنانچہ ۲۲ر جون ۵۴ء کی اشاعت میں موصوف نے بعض واقعاتی غلط بیانیاں فرمائی ہیں۔ جن کا مقصد یا تو موجودہ صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس نواب زین یار جنگ بہادر اور میرے درمیان غلط فہمی پھیلانا اور موصوف کو اپنے محبوب ادارہ سے مکدر کرنا ہے یا ناواقف حال افراد ملت کو کانفرنس سے بدظن کرنا۔ لائق مدیر چونکہ میدان صحافت کے نوآموز سوار ہیں اس لیے ان کو اپنے مضمون کی متضاد عبارتیں بھی یاد نہیں رہتیں اور اس کا بھی خیال نہیں رہتا کہ وہ اپنے اعتراض کی زد میں خود اپنے کو بھی لا رہے ہیں چنانچہ اپنے افتتاحیہ میں جس کی سرخی صلح کا خیر مقدم کیا جاسکتا ہے لیکن کب؟ ہے۔ موصوف نے جو اختلافات صدر و جنرل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس میں مئی ۵۳ء میں چند ابتدائی شرائط صلح کے طے ہونے کے بعد تقریباً ختم ہو گئے تھے ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے مضمون کے تمہیدی حصہ میں ان جانثاروں کی جانثاری قربانی اور ایثار کا تذکرہ فرمایا ہے جنہوں

نے اس نوعی اختلاف میں جنرل سکریٹری کا ساتھ دیا اور میری اس احسان فراموشی کی مذمت کی ہے۔ جو بوقت صلح بقول ان کے اپنے ہمنواؤں کے نظر انداز کرنے میں میں نے برتی ہے مگر یہ سب لکھ کر تحریر فرماتے ہیں ''پہلی غلطی تو وہ تھی کہ کلب عباس صاحب اور نواب صاحب کے درمیان ذاتی اقتدار کو قومی جنگ کا رنگ دیا گیا۔'' موصوف کو کون بتلائے کہ یہ لکھ کر آپ نے ان وفاشعاروں کے سارے ایثار پر پانی پھیر دیا جن کے حسن وفا کو آپ نے پچھلے دو کالموں میں اتنے شدومد سے سراہا تھا۔ اگر یہ ذاتی اقتدار کی جنگ تھی تو پھر ایسے صاحبان عقل ودانش نے جن میں جناب بھی داخل ہیں اس میں کیوں حصہ دیا اور بقول آپ کے انفرادی طور پر نقصانات برداشت کیے، اپنی عزت کو خطرہ میں ڈالا، اپنے اوپر مقدمے چلوائے اور اپنی جیب خالی کر کے فیض آباد کے اجلاس میں شریک ہوئے اور مدراس کے اجلاس میں شرکت کے لیے خود کو تباہ کیا۔'' خود آپ کا بیان کردہ اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ ایسے حضرات اس اختلاف کو نوعی اختلاف سمجھتے تھے نہ کہ ذاتی اور انہوں نے اصول کی حمایت میں سب کچھ برداشت کیا۔

''دوسری غلطی آپ نے یہ تجویز فرمائی ہے کہ اس جنگ کو قومی حیثیت دینے کے بعد اب ذاتی طور پر صلح کر لی گئی۔'' یہ بھی ایک صریحی غلط بیانی ہے جو صلح بھی ہوئی وہ ذاتی صلح نہ تھی بلکہ بنیادی صلح تھی جس سے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا وقار بڑھا ہے اور جو ٹھیس اس کو لگائی گئی تھی اس کا اندمال ہوا ہے۔ صلح کی ہر منزل سے برابر آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے ارباب حل وعقد کو میں نے مطلع رکھا ہے ان سے نجی طور پر تبادلہ خیال کیا ہے۔ خط وکتابت کے ذریعہ سے ان کی رائے حاصل کی ہے۔ مشاورتی صحبتیں بلائی ہیں اور ان اہل الرائے حضرات کے مشورہ وہدایت کے مطابق قدم آگے بڑھایا ہے۔ اور جرائد قومی اور جمہور شیعہ کی رائے صلح کے متعلق پڑھ کر اور معلوم کر کے تب صلح کا اقدام کیا ہے۔ کیا لکھنؤ کیا فیض آباد کیا غازی پور کیا الہ آباد کیا کلکتہ کیا حیدرآباد کوئی ایسا مقام نہیں جہاں کے اہل الرائے حضرات کی رائیں میرے پاس صلح کی تائید میں موجود نہ ہوں۔ اس سے

مدیر شیعہ گزٹ بھی انکار نہیں کر سکے کہ باوقار اور اصولی صلح کے سب حامی تھے اور انشقاق ونفاق ؟؟؟ شیرازہ کے انتشار کا باعث سمجھتے تھے۔ اس لیے صلح کو فی نفسہ تو برا اقدام کہا نہیں جا سکتا۔ رہ گئے شرائط صلح، ظاہر ہے کہ وہ انہیں اخلاقی امور سے متعلق ہو سکتے تھے جو اختلافات کا باعث ہوئے تھے۔ وہ کیا تھے۔ مرکز کے خلاف اس سے روگردانی کر کے صوبہ اتر پردیش اور بہار میں صوبائی شیعہ کانفرنسوں کا لکھنؤ اور چھپرہ میں قائم ہونا آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی مرکزیت سے انکار اور اس کے عدم نمائندہ جماعت ہونے کے ذریعہ تجاویز صوبائی کانفرنس یا ترمیم مسلم وقف ایکٹ یوپی اعلان اودعا۔ صوبہ اتر پردیش میں امروہہ کانفرنس کا قائم ہونا۔ علی ظہیر صاحب کی اسمبلی کی تقریر اور مدراس کے آل انڈیا شیعہ کانفرنس میں ان پر عدم اعتماد کی تجویز کا پاس ہونا۔ چنانچہ یہی مسائل شرائط صلح کی بنیاد قرار پائے یعنی ان دونوں متوازی صوبائی جماعتیں اتر پردیش کی ایک میں مدغم کر دی جائیں اور ایسی مدغم شدہ جماعت آل انڈیا شیعہ کانفرنس سے ملحق ہو۔ (۲) بہار صوبہ شیعہ کانفرنس اپنا الحاق آل انڈیا سے پھر کرائے اور اس کی کارکن کمیٹی کے ممبران میں جنرل سکریٹری آل انڈیا کے مجوزہ ممبر بھی داخل کر لیے جائیں۔ (۳) سید علی ظہیر صاحب اپنا توضیحی بیان اسمبلی والی تقریر کے متعلق دیں۔ یہ بیان مرکزی کمیٹی میں آئے اور مرکزی کمیٹی اس کو اپنی سفارش کے ساتھ اجلاس عام کو عدم اعتماد کی تجویز کے استرداد کے لیے بھیجے (4) آئندہ ترمیم وقف ایکٹ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی نمائندگی اور حقوق کے متعلق شبیہ رائے عامہ کا لحاظ حکومت کو کرنا ہوگا۔ (5) جب تک یہ عبوری زمانہ صلح کے تکملہ ہے۔ کوئی جارحانہ اقدام کسی قسم کا جس سے صلح میں رخنہ پڑے نہ کیا جائے گا۔ اب قارئین کرام خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ان میں سے کون سی شرط میرے اور ہز ہائنس کے ذاتیات سے متعلق تھی۔ کارلٹن ہوٹل میں گفتگو کا محل وقوع شاید اس لیے کہا ہے کہ ہوٹل کے نعمات سے میں بسلسلۂ صلح مستفید ہوا ہوں مگر میں ان کو باور کراتا ہوں کہ صلح کی کوئی گفتگو کارلن ہوٹل میں نہیں ہوئی ایک تازہ دروغ بافی یہ کی گئی ہے کہ مجھے عراق کی سفارت کا خواب دکھلا کر نواب

صاحب رام پور نے صلح پر آمادہ کیا تھا۔ خدا عالم و دانا ہے کہ اس کا ذکر بھی کبھی اس میں نہیں آیا اور ایران؟؟؟؟؟؟ سفارت پر کیا جائے گا۔ وہاں تو بے ریش و بردت نوخیز پر پرامنگ رفیع القدر جاہ طلب ہستیاں جاسکتی ہیں۔ یہ بھی صریحی غلط ہے کہ میں ان شرائط صلح سے کانفرنس کے ارباب حل وعقد سے منع نہیں کیا۔ میں نے اپنے یہاں کل مقامی ممبران مرکزی کمیٹی الہ آباد کو محض ان اقدامات صلح سے مطلع کرنے اور ان کا مشورہ لینے کے لیے جمع کیا اور ان میں؟؟؟؟ مدیر موصوف بھی تھے اور جب اکثریت جس میں وہ خود شامل تھے صلح کی مؤید پائی گئی تو میں نے دوسری نشست صلح میں ابتدائی گفتگو مزید وثوق کے ساتھ یہ بھی سفید جھوٹ ہے کہ نواب زین یار جنگ بہادر صدر کانفرنس کو میں نے راز دار نہیں بنایا یا موصوف کو شرائط صلح سے مطلع نہیں کیا یا ان کے متعلق موصوف کا؟؟؟؟؟ میں ایسا غیر آئینی کارکن نہیں ہوں نہ ایسا محسن کش ہوں کہ نواب زین یار جنگ بہادر کے زریں اور برمحل تعاون بھول جاتا۔ جناب صدر سے مجھ سے اس موضوع پر مفصل خط و کتابت ہوئی ہے اور میں بلاخوف تردید کہتا ہوں اور اس پر میرا ریکارڈ شاہد ہے کہ میں نے صلح کے اقدامات موصوف کے علم اور اطلاع اور استرضا سے کیے۔ ہمارے محسن شناس مدیر فرماتے ہیں کہ صلح کی خط و کتابت مابین زین یار جنگ و نواب صاحب رام پور ہونا چاہئے تھی مگر کیا وہ بتلا سکتے ہیں کہ از روئے دستور العمل یہ فریضہ ان سے متعلق ہے یا مجھ سے۔ اس کے علاوہ جو اختلافات ان کے؟؟؟ میں نہیں ہوئے تھے ان کے بارے میں وہ سکریٹری جو ان اختلافات کی ابتدا اور نوعیت سے واقف تھا زیادہ وقوف کے ساتھ خط و کتابت کرسکتا تھا یا وہ صدر جو بعد کو صدر ہوا ہو۔ مگر یہ تو سب اصولی باتیں ہیں عملاً تو بہرحال نواب زین یار جنگ بہادر کا مشورہ صلح کے اقدامات میں ہمیشہ لیا گیا اور موصوف نے میری کارروائیوں پر برابر مہر قبولیت ثبت کی۔ اسی الہ آباد میں ۹ راگست کو رانی منڈی کے جلسۂ عام میں موصوف نے فرمایا۔ آپ کے معتمد اور دیرینہ خادم ملت جنرل سکریٹری نے جو اقدامات صلح کے لیے کیے ہیں اس کے لیے وہ ہم سب کی طرف سے مستحق مبارکباد ہیں۔ مدیر موصوف شاید اس تقریر کو

بھول گئے اور صلح کا ایک بھول بھی ان کو نہ دیئے جانے کا فرضی شکوہ تراش دیا۔

وہیں بے رحم سوجاتا ہے کچھ اس ظلم کی حد ہے
جہاں پر رحم کے قابل مرا افسانہ ہوتا ہے

مدیر شیعہ گزٹ کی غلط بیانیوں کا پردہ فاش کرنے کے بعد اب میں موصوف کے اس مجوزہ طریقہ کار پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو موصوف کے زرخیز دماغ سے قائدانہ انداز سے صلح کے ڈرامے کو حقیقت سے بدلنے کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔

پہلی تجویز آپ کی یہ ہے کہ صلح کے شرائط کے متعلق گفتگو یا خط و کتابت نواب صاحب رام پور سابق صدر اور نواب زین یار جنگ موجودہ صدر کے درمیان ہو۔ مگر جب یہ گفتگو یا خط و کتابت ہوچکی اور صدر موصوف کے استرضا سے اس کو ان کا سکریٹری کرچکا تو اب دوبارہ پھر اس کو ان کا براہ راست کرنا کیا تحصیل حاصل نہیں ہے۔؟

دوسری تجویز آپ کی یہ ہے کہ جب یہ دونوں حضرات مطمئن ہوجائیں تو اپنے اپنے رفقائے کار کا جلسہ طلب فرمائیں اور پرخلوص صلح کا اطمینان دلائیں۔ یہ تجویز بھی قبل ہی سے جامۂ عمل پہن چکی ہے۔ نواب زین یار جنگ صاحب مطمئن ہوکر مرکزی کمیٹی کا جلسہ ۹ راگست ۱۹۵۴ء کو الہ آباد میں طلب فرما چکے ہیں اور جملہ اقدامات صلح کے جاری رکھنے کا جنرل سکریٹری کو مجاز کرچکے ہیں۔ البتہ صرف علی ظہیر صاحب سے متعلقہ شرط کو موصوف نے معلق رکھا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ لکھنؤ جارہا ہوں وہاں اس کے متعلق گفتگو کروں گا۔ ایڈیٹر صاحب کا یہ لکھنا کہ محل شرائط صلح کے متعلق موصوف نے ایسا فرمایا تھا ان کے بیان کی تحریف جو ہز ہائنس بھی اپنے رفقائے کار سے متعدد بار مشورہ کرچکے ہیں۔

تیسری تجویز موصوف کی یہ ہے کہ پھر ایک مشترکہ جلسہ ہو جس میں ایک طرف نواب زین یار جنگ اور مرکزی کمیٹی کے ممبران اور دوسری طرف نواب صاحب رام پور اور ان کے ساتھی ہوں

اور اتحاد کی فضا پیدا ہو مگر شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ نواب رام پور اور ان کے خاص خاص ساتھی تو اب خود مرکزی کمیٹی میں شامل ہو گئے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ مرکزی کمیٹی میں خلوص اور اتحاد کے ساتھ شریک مرکزی کمیٹی ہوں گے۔ یا شاید نمکدان سے آپ نمک پاشی فرمائیں۔

چوتھی تجویز آپ کی یہ ہے کہ آئندہ اجلاس کی کامیابی اور تعین مقام میں نواب رام پور اور زین یار جنگ بہادر دونوں ہم آہنگ ہوں۔ اس کے بارے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ دونوں بحمداللہ ہم آہنگی سے آئندہ اجلاس کے مقام اور کامیابی کے لیے کوشاں ہیں۔

پانچویں بات جو سید علی ظہیر صاحب کے متعلق موصوف نے لکھی ہے وہ اس سے بہت پہلے ہو چکی ہے۔ نواب زین یار جنگ بہادر اور سید علی ظہیر صاحب میں گفتگو ۱۱ راگست ۱۹۵۳ء کو ہو چکی ہے اور موصوف کی رائے بھی اس بارے میں دفتر میں آ چکی ہے۔ اب آپ جو عدم اعتماد کی تجویز کے مؤید اول تھے اس گتھی کو سلجھنے دیں یا نہ دیں۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر۔ جلد ۳۱، شمارہ نمبر ۷ ۳۔ ۳۰ رشوال، ۱۳۷۳ھ، ۲ رجولائی ۱۹۵۴ء ص ۲

گذارش احوال واقعی

(عالی جناب سید معجز حسن صاحب ایڈوکیٹ، آنریری جنرل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس)

حضرات! مجھے کانفرنس کی خدمت ایسے وقت تفویض ہوئی تھی کہ جب خزانہ بالکل خالی تھا۔ خدا معلوم کس طریقہ سے معمولی کاروبار کو اس ڈھائی سال میں چلتا رکھا گیا۔ قوم کو معلوم ہے کہ کہ خود کانفرنس کی آمدنی کا ذریعہ سوائے اس چندہ کے اور کوئی نہیں ہے کہ جو ممبران مرکزی کمیٹی سے وصول ہوتا ہے۔ عموماً کانفرنس کے ماتحت اوروں کو تو عطیات بھی مل جاتے ہیں لیکن بے چاری کانفرنس کو یہ بھی نہیں۔ میں نے اپنی سالانہ رپورٹ میں بھی یہ رونا رویا تھا۔ اور اب اس کو دہرانا پڑتا ہے بجائے اس کے کہ میری داستان غم سننے کے بعد برادران ملت کچھ توجہ میں اضافہ فرماتے۔ تجربہ بتلا رہا ہے کہ قلوب کی سختی کچھ بڑھ گئی ہے۔ اس لیے اب جو وصولی چندہ کی وی پیاں بھیجی جاتی ہیں وہ پچاس فیصدی یا اس سے بھی کچھ زائد واپس آ جاتی ہیں آپ حضرات کو اس کا خیال نہیں رہتا ہے۔ وی پی کی واپسی نہ صرف آپ کے چندہ سے محروم رکھتی ہے بلکہ صرفہ ارسال کے بقدر نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ گویا مفلسی میں آٹا گیلا۔ ایک بات آپ حضرات اور بھول جاتے ہیں کہ ایام عزا میں مصارف کانفرنس غیر معمولی طور پر بچایا کرتے ہیں مثلاً آج کل علاوہ دیگر چھوٹے مسائل کے سیالکوٹ اور جالندھر کے پیچیدہ مسائل درپیش ہیں۔ جن میں کما حقہ کوششیں کرنے کے لیے

معتد بہ روپیہ کی ضرورت ہے۔

حضرات! میں اپنے تئیں طاؤس صفت پاتا ہوں جیسے طاؤس باوجود اپنی شان وشوکت کے جب پاؤں پر نظر ڈالتا ہے تو پژمردہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح میں بھی عالیشان منصوبے گڑھا کرتا ہوں۔ لیکن جب اپنی بینک کی کتاب پر نظر کرتا ہوں تو افسردہ ہوکر ٹھنڈی سانس کھینچ کر خاموش ہوجاتا ہوں۔ مگر یہ تا بکے آخر میں بھی انسان ہوں دل رکھتا ہوں، دماغ رکھتا ہوں آپ کی سرد مہریوں کا اثر کب تک نہ ہو دل چاہتا ہے کہ آپ سے شکوہ کروں کہ

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

آپ غور فرمائیں کہ آپ حضرات کے عنایات نے مجھے عظیم الشان قومی فرائض کو اپنے ذمہ لینے پر مجبور کیا اور پھر آپ ہی کی عنایات سے مجھے بعض برادران قومی کے الزام بھی سننا پڑتے ہیں کہ فلاں معاملہ میں وفد کیوں نہیں جاتا یا فلاں مقام پر مومنین کی مالی اعانت کیوں نہیں کی جاتی وغیرہ وغیرہ عجب کشمکش کی حالت رہتی ہے۔ مجھے اب صاف صاف عرض کرنا پڑتا ہے کہ باوجودیکہ ابھی چند ماہ یعنی اجلاس بست وششم کا زمانہ میری میعاد عہدہ میں باقی ہے مگر یہی لیل ونہار اگر رہے تو مجھے قبل از میعاد معینہ دست کش ہوکر معافی مانگنا پڑے گی۔

میں اس کو مانتا ہوں کہ اقتصادی کشمکش ہر فرد قوم کو پریشان کیے ہوئے ہے۔ لیکن روپیہ ماہوار بھی کوئی شے ہے۔ کیا آپ مجھ سے چاہتے ہیں کہ میں یہ باور کرلوں کہ ہمارے ممبران مرکزی میں اتنی سکت بھی نہیں ہے کہ ایک روپیہ بھی ہر مہینہ لے سکیں۔ لا واللہ میں تو

ہرگز یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہوں پھر آخر کیا سبب، تغافل شعاری کہوں نہیں، نہیں یہ الفاظ آپ سے منسوب کرنے کو دل نہیں مانتا۔ البتہ اپنی بدقسمتی کہوں گا۔

اچھا اب شکایتیں تو خوب کرلیں، کوئی تدبیر بھی تو عرض کرنا چاہئے۔ حضرات میری التماس یہ ہے کہ آپ حضرات ماہ بماہ ادا کرنے کا خیال رکھا کریں اور جن حضرات پر بقایا ہے وہ یہ خیال رکھیں کہ بقایا میں بھی کچھ نہ کچھ ادا کرتے چلیں جن حضرات نے وی پیاں واپس فرما دی ہیں۔ ان کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ چندہ بھی ادا فرمادیں اور مصارف وی پی بھی۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ جلد ۹، شمارہ نمبر ۱۳۔ ۲۶ر صفر ۱۳۵۲ھ ۲۱ر جون ۱۹۵۲ء ص ۳

منظور ہے گذراش احوال واقعی

(عالی جناب سید شبیہ الحسن)

اتر پردیش شیعہ پولیٹکل کانفرنس کے حالیہ اجلاس پر میرا تبصرہ ۱۷ رمئی ۱۹۵۴ء کے سرفراز میں شائع ہوا تھا اس کے جواب میں جناب مرزا جعفر حسین صاحب نے اپنے شیر خوار اخبار کی پہلی اشاعت میں ایک زہر میں بجھایا ہوا چھوٹا سا جملہ لکھ کر مجھے آنے والے عذاب عظیم سے ڈرایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اگلے شمارے میں فیض آباد کے نوزائیدہ لیڈر خورشید الحسن کے ہفوات کا دنداں شکن جواب دیا جائے گا اسے مرزا صاحب کی ستم ظریفی کے سوا اور کیا کہا جائے۔ نوزائیدہ بیچارے کے دانت کہاں ہوں گے جو توڑے جائیں گے معلوم نہیں انہوں نے مجھے کونسا عجیب الخلقت نوزائیدہ تصور فرمایا ہے کہ جس کے دانت بھی نکل آئے ہیں اس کے بعد ۷ رجون کے پرچے میں جناب مرزا جعفر حسین صاحب نے ایک لمبا چوڑا مضمون لکھا ہے جب وہ میرے مضمون کا جواب لکھتے ہیں۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ جواب الجواب لکھوں اس لیے کہ اول تو میں اس قسم کی بحثوں کو بالکل فضول سمجھتا ہوں جن سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ دماغ سوزی اور تضیع اوقات الگ ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مرزا صاحب کے پورے مضمون کو کئی بار بغور پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جس کا بہترین جواب خاموشی ہے مضمون کے لب ولہجہ سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے کسی نے بہت سی پی لی ہو اور صرف ہوش وحواس

ہی سے نہیں بلکہ متانت اور تہذیب سے بھی بے نیاز ہو کر اول فول بکنا شروع کر دیا ہو۔ ہاں مگر اس سلسلہ میں دو تین باتیں عرض کرنی ہیں امید ہے کہ جناب مرزا صاحب بگوش ہوش سماعت فرمائیں گے۔

مجھے تسلیم ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ شروع سے آخر تک ہفوات تھا۔ اس کے جواب میں جو کچھ مرزا صاحب نے لکھا ہے یہ پڑھنے والوں سے پوچھا جائے کہ وہ کیا ہے۔ مجھے میری نوزائیدگی بھی تسلیم ہے مرزا صاحب میرے والد محترم کے بہت پرانے دوستوں میں ہیں۔ میں انہیں چچا کہتا بھی ہوں اور سمجھتا بھی ہوں۔ مگر اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ میں قومیات میں ان کی مخالفت نہ کروں اگر ان کا یا میرے کسی عزیز کا مجھ سے یہ مطالبہ ہو تو میں اس مطالبہ کو بالکل ناقابل اعتنا سمجھتا ہوں۔ مرزا صاحب نے خفا ہو کر مجھے نوزائیدہ لکھا وہ میرے بزرگ ہیں انہیں تو اس کا بھی اختیار ہے کہ وہ مجھ الو بھی پٹھا یا حرام زادہ لکھ دیں مگر ایسا لکھنے سے بات بنتی نہیں یہ میری بدقسمتی ہے کہ میرے اور ان کے نظریات میں تفاوت ہے مگر مجھے قائل کرنے یا اپنا ہم خیال بنانے کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہ کسی کو بھی نزدیک لانے کے بجائے اور دور کر دے گا۔

دوسری بات مجھے یہ کہنی ہے کہ اس مضمون کی پوری ذمہ داری صرف میری ذات پر ہے نہ میں نے کسی کے کہنے سے لکھا نہ کسی سے متاثر ہو کے۔ نہ کسی کی خفگی کے لیے لکھا نہ کسی کی خوشی کے لیے۔ ایک بات تھی جس کے بارے میں میں نے کچھ پڑھا، کچھ دیکھا اور کچھ غور کیا اور اس کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا اسے خلوص نیت قلم بند کر دیا۔ اس مضمون کا مقصد نہ تو یہ تھا کہ کسی سے پرانی دشمنی نکالی جائے نہ یہ تھا کہ کسی کے سامنے اپنی وفاداری کا اظہار کیا جائے۔

باستثنائے معصومین آدم سے آج تک دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں پیدا ہوا جس نے غلطیاں نہ کی ہوں۔ ممکن ہے کہ پولٹیکل کانفرنس کے بارے میں میں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ غلط ہوں مگر اس وقت بھی انہیں صحیح سمجھ کر لکھا تھا اور مرزا صاحب کا طویل مضمون دیکھنے کے بعد آج بھی اپنے اس مضمون کے ہر ہر لفظ کو صحیح سمجھتا ہوں۔ مرزا صاحب نے میری آڑ لے کر کلب عباس صاحب کو مفت میں برا بھلا کہا ہے۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں جو اخلاق سے گری ہوئی تھیں۔ تعجب اور افسوس ہے کہ مرزا صاحب کے ایسے ذمہ دار شخص نے ایسی بدمذاقی کا مظاہرہ کیا۔ مجھ سے کلب عباس صاحب سے ۴/اپریل کے بعد سے آج تک ملاقات نہیں ہوئی نہ اس درمیان میں کوئی خط و کتابت ہی ہوئی۔ ۲۵/مئی کو میں نے ان کی خدمت میں ایک عریضہ بھی روانہ کیا تھا مگر انہوں نے ابھی تک اس کے جواب سے سرفراز نہیں فرمایا۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ مرزا صاحب کی پولٹیکل کانفرنس کے بارے میں کلب عباس صاحب کے کیا خیالات ہیں۔ نہ یہی معلوم ہے کہ انہوں نے اس کانفرنس کے ناکام کرنے کے لیے کیا جدوجہد کی۔ یہ کہنا میری آزادئ خیال کی سخت توہین ہے کہ میں نے دو مضمون صرف کلب عباس صاحب کی خوشنودی مزاج کے لیے لکھا تھا۔ اس کے علاوہ ایک جگہ کلب عباس صاحب کی جیب کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ اس میں ایک نہ ایک سرمایہ دار اور میرے جیسے بہت سے نوزائیدہ لیڈر پڑے رہتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں۔ میں مرزا صاحب کی اطلاع کے لیے یہ عرض کروں گا کہ یہ شرف کسی کو حاصل نہیں کہ میں اس کی جیب میں سما سکوں۔ شیعہ کانفرنس کی اندرونی سیاسیات میں بہت سے ایسے مسائل ہیں جن پر آج کل میرے اور جناب سید کلب عباس صاحب کے

نظریات میں شدید اختلاف ہے اور جب کبھی ایسا کوئی موقع آتا ہے تو میں بلا جھجک اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ مگر میں ان کا بے حد احترام کرتا ہوں اور اس وقت اپنی قوم کا سب سے بڑا لیڈر 'خادم اور بہی خواہ' سمجھتا ہوں۔ اس کے باوجود بھی جیسا کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے میں کلب عباس صاحب کو شیعہ قوم کی لیڈری کا ٹھیکہ دار یا اجارہ دار نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ میں کسی کو بھی ٹھیکہ دار نہیں سمجھتا اور اسی ٹھیکہ داری کو ختم کرنا اپنا سب سے بڑا فریضہ سمجھتا ہوں اس لیے مجھے سیاسی بت پرستی سے سخت نفرت ہے۔ اسی لیے میں نے نواب رضا علی خاں کی خدائی کا کلمہ نہیں پڑھا اور نہ کلب عباس صاحب کی آمریت کو برداشت کرتا ہوں۔ آج کل کلب عباس صاحب کو گالیاں دینا ایک فیشن سا ہو گیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گالی کھانا جیسے ان کا پیدائشی حق ہے جسے دیکھئے وہی ملاحی اڑ رہا ہے۔ مگر میں مرزا صاحب کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر ہندستان کے شیعوں کی تاریخ لکھی گئی تو دور حاضر کے رہبروں میں کلب عباس کا نام سونے کے حروف سے لکھا جائے گا اور آج کل کے بہت سے فراعنہ بے سامان کا اس صحیفہ میں کہیں ذکر بھی نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں مرزا صاحب نے موالی کا لفظ کئی بار استعمال کیا ہے گو اس لفظ کے لغوی معنی ''ساتھی'' یا ''مددگار'' کے ہیں مگر اب یہ لفظ صرف اصطلاحی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور مرزا صاحب کے طرز بیان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اسے اصطلاحاً استعمال کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیٹھ حسین بھائی لال جی کے الیکشن میں بمبئی کے موالیوں نے جناب مرزا صاحب کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ جس کا ردعمل یہ ہے کہ وہ اب اپنے ہر سیاسی مخالف کو موالی کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنے مضمون میں اس پر بار بار زور دیا ہے کہ میں نے شیعہ پولیٹکل

کانفرنس کے ارباب حل وعقد میں کسی سے بھی کوئی بغض، دشمنی، عداوت، نفرت یا عناد نہیں۔ ان میں بیشتر ایسے تھے کہ جن سے میں ذاتی طور پر واقف بھی نہیں ہوں اور بعض ایسے تھے جنھیں میں نے پہلی بار وہیں دیکھا۔ جہاں تک اس کانفرنس کے خاص اراکین کا تعلق ہے مرزا صاحب خود مجلس استقبالیہ کے سکریٹری تھے اور یہ صرف وہی جانتے ہیں کہ مجھے ان سے کتنا عناد ہے۔ سید علی ظہیر صاحب اس کانفرنس کے صدر تھے ان کی ذات گرامی میرے لیے ہر طرح واجب التعظیم وتکریم ہے جس میں میں نے کبھی دانستہ یا نادانستہ کوئی کمی نہیں کی۔ موصوف ہماری قوم کی ایک باوقار ہستی ہیں اور قوم کے ہر فرد کا فرض ہے کہ ان کا احترام کرے۔ یہ ضرور ہے کہ مجھے ان سے نظریاتی اختلاف تھا اور ہے۔ جب نواب رضا علی خاں صاحب کے ساتھ وہ بھی شیعہ کانفرنس سے الگ ہوئے اور شیعہ کانفرنس کی بلائی ہوئی فیض آباد صوبہ شیعہ کانفرنس کے متوازی لکھنؤ میں ایک دوسری صوبہ شیعہ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا تو میں نے علی ظہیر صاحب کے اس اقدام کو پسند نہ کیا اور جب اسی زمانے میں مجھے ان کی بارگاہ میں شرف باریابی حاصل ہوا تھا تو میں نے اپنی رائے کا اظہار بھی کیا تھا۔ ان لوگوں کے اس فعل سے قوم میں نفاق پیدا ہونے کا احتمال تھا جیسا کہ ہوا بھی۔ اس کے بعد سید علی ظہیر صاحب کی وہ تقریر بھی مجھے پسند نہیں آئی جو انہوں نے مسلم وقف ایکٹ میں ترمیم پیش کرتے ہوئے صوبائی اسمبلی میں کی تھی جس سے انہوں نے اپنی قوم کے واحد نمائندہ ادارے کا اساس پر ضرب لگائی تھی اور زیر بحث پولیٹکل کانفرنس کی کارروائیوں میں مجھے اردو کی بابت ان کے نظریات وطرز عمل سے اختلاف ہے۔ بس میرے اور سید علی ظہیر صاحب کے نظریاتی اختلاف کی محض اتنی ہی تاریخ ہے اور اتنی ہی حقیقت۔ کسی ذاتی عناد کا خدانخواستہ کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا جس کی جس بات کو اپنی ناقص رائے میں غلط سمجھتا ہوں اس کے خلاف آواز ضرور اٹھاتا ہوں اور ہمیشہ ایسا کروں گا۔ اس سلسلے میں میرے اوپر کسی کی وجاہت یا ثروت کا رعب نہیں غالب ہوتا۔

جناب مرزا صاحب نے اپنے مضمون میں ایک بہت اچھا سوال پوچھا ہے کہ آخر اس

کانفرنس میں اردو کی تجویز کی بابت جب ایسی باتیں ہو رہی تھیں جو مجھے ناگوار تھیں تو اس وقت میں کیوں خاموش بیٹھا رہا اور مجھے جو کچھ کہنا تھا میں نے وہیں کیوں نہ کہا۔ اس سلسلے میں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ میری بدنصیبی سے چونکہ مدراس کے اجلاس میں سید علی ظہیر صاحب کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز منظور ہوئی تھی اس لیے شیعہ کانفرنس کی مرکزی کمیٹی کا ممبر ہونے کی وجہ سے میں اس پولیٹکل میں بحیثیت ڈیلیگیٹ کے شریک نہیں ہوا تھا نہ ہوسکتا تھا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ میں کانفرنس کے دو دن پہلے سے لکھنؤ میں موجود تھا اور یہ اس سے بھی زیادہ غلط ہے کہ میں ان تمام سازشوں میں شریک تھا جو کانفرنس کو ناکام کرنے کے لیے کی جارہی تھیں۔ اس لیے کہ نہ مجھے آج تک یہی معلوم ہوا کہ سازش کرنے والے کون تھے اور کیا سازشیں کر رہے تھے۔ میں سازش کرنے والوں کو بہت ذلیل اور کمینہ سمجھتا ہوں اور مجھے منافقت بھی نہیں آتی کہ دل میں کچھ اور ہے زبان پر کچھ اور، جس کی مخالفت کرتا ہوں کھلم کھلا کرتا ہوں جس کا ساتھ دیتا ہوں جان بھی عزیز نہیں رکھتا۔ حقیقت صرف یہ ہے کہ میں ۲ رمئی کی صبح کو سرفراز مینجنگ بورڈ کی میٹنگ میں شرکت کی غرض سے لکھنؤ پہنچا اور اپنے کام سے فراغت حاصل کر کے حسب دستور قدیم جناب مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں کے حکم کی تعمیل کے سلسلے میں ٹھیک چار بجے رفاہ عام کلب بھی پہنچا ورنہ میرا وہاں جانے کا قطعی ارادہ نہیں تھا۔ اگر شیعہ کانفرنس کی منظور شدہ تجویز عدم اعتماد میرے لیے مہر لب نہ بن گئی ہوتی تو میں مرزا صاحب کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ میں نے جو کچھ اپنے مضمون میں لکھا ہے اس کا اظہار ان کی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے بھی ضرور کرتا۔ آخر میں میں اپنے معظم اور محترم چچا مرزا جعفر حسین صاحب کی خدمت بصد ادب دست بستہ یہ عرض کروں گا کہ ہر شخص کو اس کا اختیار ہے کہ وہ کسی چیز کے بارے میں اپنا ایک الگ نظریہ رکھے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ آپ کے اپنے ذاتی نظریہ سے متفق ہو۔ اگر کسی سلسلے میں میرے اور آپ کے نظریات میں اختلاف ہے تو یہ جہاں ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو وہیں یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا خیال غلط ہو ایسی

صورت میں یہ طرز عمل کچھ پسندیدہ نہیں کہ اختلاف رکھنے والوں کو جھوٹی موٹی گالیاں دی جائیں بھلا کہیں گالیاں دینے سے کام چلتا ہے۔ اگر ذاتی تعلقات کو بالائے طاق رکھ کر وہ مجھے صرف ایک سیاسی حریف ہی سمجھتے ہیں تب بھی مجھے تب بھی مجھے ان کی تلخ نوائی سے شکوہ ہے۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ جلد ۳۱، شمارہ نمبر ۳۶۔ ۲۳ شول، ۱۳۷۳ھ ۲۵ رجون ۱۹۵۴ء ص ۹

حالیہ شیعہ پولیٹکل کانفرنس اور میں

(عالی جناب مولوی سید کلب عباس صاحب سابق صدر آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس)

حال میں یکم و ۲ رمئی ۱۹۵۴ء کو جو کانفرنس رفاہ عام میں زیر صدارت آنریبل سید علی ظہیر صاحب وزیر عدل وانصاف منعقد ہوئی تھی اس کے سلسلے میں میرے بعض کرم فرما میرے اوپر بعض غلط اتہامات اور بے بنیاد سوءظن کا اظہار فرمارہے ہیں اور بڑے وثوق کے ساتھ یہ لکھ رہے ہیں کہ میں نے اس کی مخالفت کی اور ذاتی اغراض اور ذاتی مفاد کی وجہ سے کی۔ چنانچہ حال میں ''شیعہ گزٹ''، ''وثیقہ دار'' اور نام نہاد اتر پردیش شیعہ پولیٹکل کانفرنس کے نوزائیدہ ترجمان میں اسی قسم کی لغو بیانیاں مختلف ناموں سے کی گئی ہیں۔ میں ان حضرات کو چیلنج دیتا ہوں کہ یہ کوئی ثبوت تحریری یا زبانی کسی قسم کا پیش کریں کہ میں نے کسی ایک شخص سے بھی اس شیعہ پولیٹکل کانفرنس کی مخالفت میں ایک حرف کہا ہو یا لکھا ہو یا کسی اور عنوان سے اسے اس کی شرکت یا تعاون سے روکا ہو۔ اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ آغا علی خاں صاحب جو نائب صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس اتر پردیش کے ہیں اور جو خاص الہ آباد کے رہنے والے ہیں وہ علانیہ شریک ہوئے اور تحریک صدارت کی تائید بھی فرمائی۔ اسی طرح کچھ اور ممبران مرکزی کمیٹی نے بھی انفرادی حیثیت سے شرکت کی۔ اگر اراکین کانفرنس لکھنؤ اور کانپور سے باہر ارباب ملت کا تعاون حاصل نہیں کر سکے تو اس کی ذمہ داری مجھ غریب پر کیسے

عائد ہوتی ہے۔ کیا ہماری ملت میں ایسے اہل الرائے حضرات کی کمی ہے جو اپنی آزاد رائے اپنی ضمیر کے مطابق قائم کرتے ہیں۔ پھر یہ سوءظن کس لیے کہ نہ شریک نہ ہونے والوں کی کنجی کسی نے گھمائی ہے تو وہ کلب عباس ہی ہے۔ بقول شخصے ؎

ہر بلائے کز آسمان آید

خانہ انوری کجا باشد

میں نے تو اس معاملہ میں یہ مصالح خاموشی اختیار کی تھی اور اگر چہ خموشی بھی ایسے موقع پر گناہ کہی جاسکتی تھی، میں اس گناہ کا مرتکب ہوا۔ مرزا جعفر حسین صاحب مئی ۱۹۵۳ء سے مارچ ۱۹۵۴ء تک ہر خط میں مجھ کو یہ لکھتے رہے کہ ہر چند کہ سید علی ظہیر صاحب کا طرز عمل آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے ساتھ قابل اعتراض اور قابل گرفت رہا ہے جس کا کہ اظہار وہ خود اپنے قلم سے اپنے اخبار ''نیشن'' میں کر چکے ہیں، پھر بھی سید علی ظہیر صاحب کو ہر قیمت پر آل انڈیا شیعہ کانفرنس میں واپس لے لینا چاہئے۔ چنانچہ میں دل سے اس کا کوشاں رہا کہ سید علی ظہیر صاحب اپنی اسمبلی کی تقریر کے متعلق کوئی صفائی کا بیان دے دیں اور مرکزی کمیٹی کے اجلاس عام سے ان کے خلاف جو عدم اعتماد کا رزولیوشن مدراس میں پاس ہوا ہے اس کی واپسی کی سفارش آئندہ اجلاس عام کو کر دے۔ میری اس دلی خواہش کا ثبوت اس معاہدہ کی پہلی شرط ہے جو ۱۰ر جولائی ۱۹۵۳ء کو رام پور میں بہ موجودگی سید علی ظہیر صاحب حسب ایما و استرضا موصوف مرتب ہوا تھا اور ہنوز ان کی جانب سے تشنۂ تعمیل ہے۔ ان حالات میں اگر میں ان کی مجوزہ شیعہ پولیٹکل کانفرنس کے متعلق اظہار رائے کرتا تو اس سے جو زمین ہموار ہو چکی تھی ناہموار ہو جاتی مگر ہمارے کرم فرماؤں کے نزدیک خاموشی بھی ناکردہ گناہ ٹھہری اور انہوں نے اس کانفرنس کی عدم نمائندگی کا سبب میری مفروضہ اندرونی مخالفت اور خفیہ ریشہ

دوانی کو قرار دیا۔ اور مخالفت بھی وصولی نہیں ذاتی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ مرزا جعفر حسین صاحب نے ''مبصر'' کے پردہ میں میری عدم شرکت کو علی ظہیر صاحب سے میرے پیدائشی اور دیرینہ عناد اور اپنے ساتھ اور اپنے ساتھ اندرونی مخاصمت مگر غرض کے موقع پر اظہار مودت پر محمول فرمایا ہے۔ میں بہت اپنی یاد کو تازہ کرتا ہوں مگر یاد نہیں آتا کہ زر زمین زن کسی طرح کا کوئی جھگڑا مجھ سے علی ظہیر صاحب سے کبھی ہوا ہو۔ پیشہ کی بھی کوئی رقابت نہیں رہی۔ قومیات میں وہ اور میں برابر ایک ہی پلیٹ فارم پر رہے اور شیعہ کالج، آل انڈیا شیعہ کانفرنس، آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس ہر پلیٹ فارم پر ساتھ ساتھ کام کرتے رہے۔ آل پارٹیز شیعہ کانفرنس میں وہ میں اور مرزا جعفر صاحب سب شیر و شکر رہے۔ اس کے بعد بھی اگست ۱۹۵۱ء میں وہ اور میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس لکھنؤ میں ہمنوا رہے۔ ان کے الیکشنوں میں بھی میں ان کا ہمدرد اور ساعی رہا۔ ہاں جب اتر پردیش شیعہ کانفرنس لکھنؤ ان کی زیر حمایت قائم ہوئی اور مسلم وقف ایکٹ کی ترمیم کی حمایت موصوف نے اپنی ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۲ء والی اسمبلی کی تقریر کے ساتھ کی تو البتہ مجھ کو محسوس ہوا کہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس جیسے قدیم اور مرکزی ادارہ کی بیخ کنی کی جارہی ہے۔ اس خیال میں میں اور مرزا جعفر حسین صاحب دونوں متحد الخیال تھے بلکہ مرزا جعفر حسین صاحب مجھ سے بہت آگے تھے جن کا ثبوت ان کا وہ کھلا ہوا خط ہے جو موصوف نے ''نیشن'' کی اشاعت ۱۰ر جنوری ۱۹۵۳ء میں پنتھ جی کے نام لکھا اور وہ مضمون ہے جو سید علی ظہیر صاحب بالقابہ کے خلاف مرزا صاحب نے اسی اخبار میں اس کے بعد شائع کیا جس میں بالکل وہی دھمکی ان کو ان کے رازہائے سربستہ کے افشا کرنے کی دی تھی جواب اپنے پرچہ میں مجھے دی ہے مگر ہم سب جانتے ہیں کہ مرزا صاحب کا دماغ ہوا

کے ساتھ بدلتا ہے ان کی سیاست موسمی سیاست ہے ان کی خوشی نہ اپنی خوشی ہے نہ ان کی ناراضی پائدار ہے۔ اگر وہ علی ظہیر صاحب کے خلاف ''نیشن'' کا جیسا مضمون لکھ کر آج ان کے شریک کار اور مدح سرا ہو سکتے ہیں تو مجھ کو بھی موصوف سے آئندہ بھی توقع رکھنا چاہئے۔ مثل مشہور ہے خالی بورا کبھی سیدھا نہیں رہتا جب بھر جاتا ہے سیدھا ہو جاتا ہے خالی ہوتا ہے بیٹھ جاتا ہے۔ موصوف سے کبھی میری ذاتی مخالفت نہیں رہی بلکہ ہمیشہ تعلقات دوستانہ رہے۔ ان سے میری دوستی غرض مندی کی دوستی کبھی نہیں رہی۔ کبھی کوئی احتیاج یا غرض لے کر میں موصوف کے دروازے پر نہیں گیا۔ کبھی ان کی آمدنی میں حصہ نہیں مانگا۔ کبھی کسی عہدہ کے لیے ان کا رقیب نہیں بنا بلکہ ہر موقع پر ان کا تعاون کرتا رہا۔ البتہ میرے تعاون میں دھوپ چھاؤں نہیں یک رنگی ہے۔

وہ اپنی خو نہ بدلیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر ہو کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

مرزا صاحب نے افشائے راز ہائے سربستہ یا معائب ناپسندیدہ کی جو دھمکی مجھے دی ہے اس کے متعلق موصوف کو میں سادہ چارٹر دیتا ہوں کہ جو کچھ ان کے علم میں میرے معائب ذاتی، صفاتی، اخلاقی یا قومی ہوں ان کو موصوف ضرور شائع فرمادیں شاید ان سے مطلع ہونے پر میری اصلاح ہو سکے اور قوم بھی میرے فریب اور دغا سے محفوظ رہ سکے۔

اب دیر کیا ہے آؤ نکل جائیں حوصلے
ہم سر بکف ہیں سامنے خنجر کمر میں ہے

جہاں تک قومی خدمات کا تعلق ہے شیعوں کی گزشتہ پچاس سال کی تحریکات کی

تاریخ بتلا سکتی ہے کہ میں نے سوائے شیعی پلیٹ فارم کے کسی اور پلیٹ فارم پر قدم رکھا ہے یا نہیں اور کبھی میرے نظریات میں مصالح وقت کے لحاظ سے کوئی تغیر ہوا ہے یا نہیں۔

وفا خطا تھی خطا میں نے زندگی بھر کی
اب اس کے آگے جو مرضی ہو بندہ پرور کی

اب میں بتلانا چاہتا ہوں کہ میں نے یکم و ۲ رمئی ۱۹۵۴ء کی شیعہ پولیٹکل کانفرنس میں شرکت کیوں نہیں کی مگر قبل اس کے کہ یہ بتاؤں شیعہ پولیٹکل کانفرنس کی تاریخ مجملاً بیان کر دینا ضروری ہے۔ دسمبر ۱۹۲۹ء میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس الہ آباد میں میری ہی صدارت میں وہ جلسہ ہوا تھا جس میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا ایک سیاسی بازو بنام شیعہ پولیٹکل کانفرنس بنا تھا اور ۱۹۳۰ء میں جو پہلا اجلاس زیر صدارت راجہ نواب علی خاں صاحب مرحوم لکھنؤ میں اس سیاسی جماعت کا ہوا تھا اس کا بھی صدر استقبالیہ میں ہی تھا۔ حکیم صاحب عالم صاحب سکریٹری استقبالیہ تھے اور مرزا عابد حسین صاحب ایڈوکیٹ اس کے سکریٹری تھے۔ اس کے دستور العمل کی دفعہ ۳۱ میں یہ صاف صاف لکھا تھا کہ اس کے اجلاس آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس کے ساتھ ساتھ ہوا کریں گے۔ چنانچہ رائے بریلی کے ۱۹۳۵ء کے اجلاس کے ساتھ علامہ ہندی طاب ثراہ کی صدارت میں اس کا جلسہ ہوا۔ ۱۹۳۸ء کا اجلاس سر سید وزیر حسن صاحب مرحوم کی صدارت میں گنگا پرشاد میموریال ہال لکھنؤ میں ہوا اور ۱۹۳۹ء کا اجلاس چھپرہ میں میری صدارت میں ہوا۔ یہ پہلا اجلاس تھا جو اتر پردیش لکھنؤ سے باہر اس کانفرنس کا ہوا اور جس میں بقول مرزا جعفر حسین صاحب باوجود اس کے کانگریس نے مدح صحابہ کمیونک نکالا تھا۔ کانگریس کے موافق رجحانات قائم رکھے گئے اس اجلاس میں مرزا

جعفر حسین صاحب نے جو مرزا عابد حسین صاحب کے بعد خود ہی سکریٹری ہو گئے تھے استعفیٰ دے دیا اور پھر مرزا عابد حسین صاحب سکریٹری منتخب ہوئے لیکن اس کانفرنس میں برابر جمود ہی جمود رہا۔ اس کے بعد فیض آباد کے سالانہ مجالس کے سلسلہ میں اس کے دو سالانہ جلسے زیر صدارت سید علی ظہیر صاحب بالقابہ ہوئے اس طرح اس کی سانس چلتی رہی اور جب ۱۹۴۵ء میں سیاسیات کی گرم بازاری ہوئی اور ہر جماعت کو اپنی اپنی نمائندگی کی فکر ہوئی تو پھر اس کانفرنس کے شانے آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کے سلسلہ میں جو ۱۵/اکتوبر ۱۹۴۵ء کو زیر صدارت سیٹھ حسین بھائی لال جی بالقابہ آف بمبئی منعقد ہوئی بلائے گئے۔ اور اسی کے دفتر میں اس کا دفتر قائم ہوا۔ آل پارٹیز شیعہ کانفرنس میں اس کے احیاء کی تجویز پاس ہوئی اور جب تک اس کا احیاء نہ ہوا اس کی کونسل آف ایکشن کے ہاتھ میں اس کی تنظیم دی گئی اس کے کچھ دنوں بعد مشترکہ ہند کا پہلا کابینہ بنا اور آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کے کونسل آف ایکشن کے اس وقت کے سکریٹری سید علی ظہیر صاحب اس کے پہلے شیعہ وزیر ۱۹۴۷ء میں ہوئے۔ اس کے بعد آزاد مسلم کانفرنس دسمبر ۱۹۴۷ء میں لکھنؤ میں منعقد ہوئی جس نے مسلم سیاسی جماعتوں کو ملک کے لیے نامناسب قرار دیا مگر باوجود اس کے جمعیۃ علماء ہند باقی رہی اور باقی ہے۔ سیٹھ حسین بھائی لال جی نے آزاد مسلم کانفرنس میں بڑی دلیری سے مولانا آزاد سے کہا تھا کہ ہماری جماعت فرقہ وارانہ نہیں ہے بلکہ شیعوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے اور ان کو ملک کی سیاسیات میں قومی زاویہ نظر سے حصہ لینے کے قابل بنانے کے لیے اور اس سلسلہ میں اپنے مخصوص احتجاجات و مطالبات پیش کرنے کے لیے اس جماعت کی تشکیل ہوئی ہے اور اس کا باقی رہنا ضروری ہے۔ یہ بعینہ وہی استدلال ہے جو اپنے خطبہ ہائے صدارت میں صدر

استقبالیہ و صدا اجلاس شیعہ پولیٹکل کانفرنس نے اس کانفرنس کے احیاء کی تائید میں کیا ہے۔ چنانچہ یہ جماعت بدستور کاغذ پر باقی رہی مگر عملاً اس کے عہدہ داروں نے اس کو پردہ خفا میں رکھا۔ میرا ہمیشہ یہی خیال رہا اور ہے کہ آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس کی ضرورت جو ۱۹۲۹ء میں تھی وہ اب بھی ہے۔ اس وقت بھی اس کا سیاسی نظریہ آزاد متحدہ اور مشترکہ ہند بنانا اور وطن پرستانہ تھا جیسا کہ اس کے صدوروں کے خطبہ ہائے صدارت اور تجاویز منظور شدہ سے ثابت ہے اور اب بھی شیعیان ہند کا اجماعی نظریہ یہی ہے۔ اس کے دستور العمل کی دفعہ ۳ (الف) حسب ذیل تھی۔

''ہندستان کے لیے جائز اور پرامن طریقہ سے مکمل آزادی جلد از جلد حاصل کرنا'' اور دفعہ ۳ (ج) یوں تھی۔

''دیگر معاصر جماعت ہند سے حصول مقصد (الف) میں اشتراک عمل کرنا۔''

ان دونوں دفعات کے ساتھ پڑھنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کانگریس جو آزادی ہند کے لیے کوشاں تھی اس کے ساتھ اشتراک عمل کرنا اس کا مقصد اول تھا اور عملاً بھی یہ جماعت جیسا کہ آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کی کارروائیوں سے روشن ہے۔ اسی اصول پر کاربند رہی اور من حیث الجماعت شیعہ آزادی ہند کی جدوجہد میں کانگریس کے شریک کار رہے۔ آنریبل نواب سید محمد مدراس مسٹر حسن امام عیامن بھائی طیب بھائی، حیدر مہدی مرحوم، میر واجد علی مرحوم، علامہ ہندی، سیٹھ حسین بھائی لال جی بالقابہ۔

سر سید وزیر حسن صاحب کی درخشاں مثالیں اس پر دال ہیں۔ ہم جیسے تو آزاد کرۂ ارضی ہند کی مکھیاں ہیں۔ آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کے بعد سے آج تک شیعہ پولیٹکل کانفرنس

نقش ونگار طاق نسیان بنی رہی۔ کبھی ہم نے اگر اس کے احیاء کا ذکر مرزا صاحب سے کیا تو ابنائے قوم کی عدم توجہی سرد مہری اور حکومت کی ناموافقت کے عذرات پیش فرما کر عدم احیاء کو قرین مصلحت قرار دیا۔ یہاں تک اتر پردیش شیعہ کانفرنس غازی پور کے تنظیم اور اجلاس کے انعقاد پر زور دیتے ہوئے موصوف نے اپنے خط مورخہ 17 رجنوری ۱۹۵۴ء میں مجھے لکھا کہ ''میری ناچیز رائے میں صوبہ یوپی شیعہ کانفرنس کا سالانہ جلسہ بلا تاخیر ہونا چاہئے۔ اگر غازی پور کے حضرات بددل ہوتو یہ ذمہ داری میں قبول کرنے کو تیار ہوں، ہمارا اجلاس ہوجائے گا۔ اورامروہہ والے نہ کرسکیں گے تو یہ قصہ ختم ہوجائے گا۔'' پھر یکم فروری ۱۹۵۴ء کے خط میں اسی بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ اب یہ عالم ہے کہ اچھے اور مضبوط کیس کی پیروی بھی دشوار ہے۔ اُس طرف طاقت تنظیم عملی کام اور سرمایہ ادھر افلاس اور کاہل حضرات کا بیکار تعاون اس موقع پر اگر فیض آباد میں کانفرنس ہوجاتی تو کام نکلتا۔ بہر حال صوبائی کانفرنس کی ضرورت شدت سے محسوس ہورہی ہے۔۔۔۔۔۔ جدید ترین پریشانی یہ ہے کہ ۱۷ رجنوری کے پانیر میں ایک مضمون Well Writer کے قلم سے نکلا تھا اس کا جواب میں نے لکھا مگر پانیر نے نہیں چھاپا۔ اب اگر کوئی پلیٹ فارم ہمارے پاس ہوتا تو یہ نقصان نہیں ہوسکتا تھا۔ ''

یکم فروری کو یہ خط اتر پردیش شیعہ کانفرنس کی تشکیل کا آتا ہے اور ۶ رمارچ ۱۹۵۴ء کو ایک کارڈ آتا ہے کہ اس امر پر غور کرنے کے لیے کہ حالات حاضرہ میں شیعہ پولیٹکل کانفرنس کی صوبائی جماعت کا احیاء ضروری ہے یا نہیں۔ ایک مشاورتی جلسہ غریب خانہ بہ تاریخ 14 رمارچ ۱۹۵۴ء بوقت ۴ بجے سہر منعقد ہوگا۔ مجھے اس کارڈ کے پاتے ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک مہینہ پانچ دن کے اندر جنبیں میں روح کیسے پڑ گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی

سیاسی مسیحا قم باذن کہتا ہوا اٹھا۔ یہ بھی خیال ہوا کہ آخر صوبائی جماعت کے احیاء کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ شیعہ پولیٹکل کانفرنس تو آل انڈیا جماعت تھی اور ہم سب آل انڈیا جماعت کے ممبر تھے۔ پھر یہ محض صوبائی کانفرنس کا احیاء کیا۔

قدرتاً یہ خیال ہوا کہ ہماری سوشل صوبہ کانفرنس کا اجلاس نہیں ہوسکا اور اس کا پلیٹ فارم مرزا صاحب اور ان کے جیسے حوصلہ مندوں کو نہیں مل سکا اور کل ہند پیمانہ پر کافی نشر واشاعت کے بعد آل انڈیا کا اجلاس کرنا ان کے امکان میں نہیں ہے۔ اس لیے آل انڈیا کے پردہ میں اس مردہ ماں کا پیٹ چاک کرکے یہ بچہ نکالا جارہا ہے مگر کم ازکم آل انڈیا کے سوگواروں کو ماں کے مرنے کی خبر تو دینا چاہئے تھی۔ صرف بچہ کے امید ولادت کی اطلاع بے محل تھی۔ مگر ولادت کے بعد تو عجیب معمہ کھلا کہ مادر گرامی تو سیاسی اور بچہ ہوا غیر سیاسی ملاحظہ ہو حسب ذیل اقتباس خطبہ صدارت ''آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس کے بارے میں میرا ذاتی تجربہ ہے کہ یہ جماعت کبھی بھی پولیٹکل پارٹی نہیں تھی نہ اس کا ارادہ ہے کہ بحیثیت ایک پولیٹکل پارٹی کے اپنی تنظیم کرے۔''

آخری خط کشیدہ جملہ کو اگر اثباتی صورت میں پیش کیا جائے تو صاف واضح ہوجاتا ہے کہ اس جماعت کا ارادہ پولیٹکل پارٹی کی حیثیت سے اپنی تشکیل کا نہیں ہے اس لیے کہ ایسا کرنا کانگریس کے آئین کے خلاف ہوگا، جس کے رو سے اس کا ممبر کسی دوسری پولیٹکل پارٹی کا ممبر نہیں ہوسکتا خواہ وہ پارٹی فرقہ وارانہ ہو یا نہ ہو۔'' بلکہ غیر سیاسی پارٹی کی حیثیت سے اپنی تنظیم کا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر سوشل کانفرنس کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت ہی کیا ہے بجز اس کے کہ سوشل پلیٹ فارم سے دریتیم ہوکر اپنے لیے کوئی دوسرا صدف تلاش کیا جائے اور

اس طرح اپنے لیے ایک حصار قائم کیا جائے۔ جو تجویز جماعت مرکزیہ کی تشکیل اور مجلس عاملہ کے ممبران کے انتخاب کے سلسلے میں اس کانفرنس میں پاس ہوئی ہے اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت پرانی جماعت مرکزیہ کو کالعدم کر کے اور پرانے دستور العمل کو بالائے طاق رکھ کر ایک نیا نظام نام نہاد شیعہ پولیٹکل کانفرنس کا مرتب کیا جا رہا ہے۔ پندرہ ممبران مجلس عاملہ جناب صدر نامزد فرمائیں گے، وہ جدید دستور العمل مرتب فرمائیں گے اور وہ دستور العمل اس جماعت مرکزیہ سے منظور ہوگا جن کا اس اجلاس میں منتخب ہونا کارروائی میں بیان کیا گیا ہے لیکن جن کے نام آج تک معرض شہود میں نہیں آئے، شاید ابھی سو نام پورے نہیں ہوئے۔ بہرحال اب تو خود کوزہ وجود کوزہ گر دخود گل کردہ'' کا مضمون ہے جیسا چاہو دستور العمل ہے جیسی چاہو جماعت مرکزیہ منتخب ہو جیسی چاہو مجلس عاملہ تشکیل ہو۔ از سر نو تو ایک نئی جماعت بن رہی ہے مگر مگر پولیٹکل نہیں سوشل بن رہی ہے۔ اتر پردیش لکھنؤ سوشل کانفرنس بنانے کی محنت رائگاں ہو چکی تھی اب دوسری داغ بیل سیاسی نقاب میں رونما ہو رہی ہے جس کا صدر اسے غیر سیاسی اور سکریٹری سیاسی بتاتا ہے۔ بقول ظریف مرحوم ؎

زہے یا مادہ عجب ترکیب ہے اس نام کی
کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے سیتا رام کی

مگر یہ پردہ داری کب تک رہے گی۔ اس کانفرنس کی کارروائیاں خود پکار رہی ہیں کہ وہ سیاسی ہے سوشل کا لگا بھی ہوتا تو (بقیہ اگلا صفحہ)

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ جلد ۳۱، شمارہ نمبر ۳۶۔ ۲۳ شول، ۱۳۷۳ھ ۲۵ رجون ۱۹۵۴ء ص ۹

حالیہ شیعہ پولیٹکل کانفرنس

(عالی جناب خادم ملت شفیق نصیر آبادی الہ آباد)

یکم و ۲ رمئی ۱۹۵۴ء کی ہونے والی شیعہ پولیٹکل کانفرنس نے آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کی یادگار تجویز کو جس کے محرک فخر قوم مولوی سید کلب عباس صاحب اور مؤید سید علی ظہیر صاحب اور مخالف سید کلب مصطفےٰ صاحب تھے یاد دلا دیا۔ اس تجویز کا وہ جز جو شیعہ پولیٹکل کانفرنس کی تنظیم سے متعلق تھا حسب ذیل شکل میں تھا۔

''یہ کہ ایک کمیٹی جو مجلس عاملہ کے نام سے موسوم ہو یہ کانفرنس قائم کرے یہ کمیٹی ہر صوبہ کے دو ایسے نمایاں شیعہ کارکنوں پر مشتمل ہوگی جو اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد سے متفق ہوں اور جو ملت ملت شیعہ کے مفاد کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہوں ایسے ممبران اسی کانفرنس میں چنے جائیں گے اور ان خدمات کو انجام دیں گے جو ذیل میں ان کی سپرد کی جاتی ہیں۔ یہ مجلس عاملہ اس کی مجاز کی جاتی ہے کہ وہ آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس کے عہدہ داران کے ساتھ اشتراک عمل کر کے اس جماعت کی آل انڈیا صورت پر از سر نو تنظیم حسب ذیل طریقہ پر کرے۔

(الف)۔ اس کی صوبے، ضلع، شہر اور قصبے کی شاخیں کھول کر۔

(ب)۔ پانچ آنے والے سالانہ چندہ دینے والے ممبر کو بتا کر

(ج)۔ایک نیااور جامع آئین آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس کا درست کر کے جو موخرالذکر کانفرنس کے اجلاس سالانہ میں پاس ہوگا۔''

تجویز کا بقیہ حصہ سیاسی اقدامات اور طریقہ کار وتعین پالیسی پر مشتمل تھا۔

سوال یہ ہے کہ کوئی تنظیم ۱۶/اکتوبر ۱۹۵۴ء کے بعد سے آج تک کسی عنوان سے شیعہ پولیٹکل کانفرنس ہوئی یا نہیں۔

آل پارٹیز شیعہ کانفرنس تو ہندستان کے ۱۹۵۴ء لغایۃ ۱۹۴۷ء کے عبوری دور کے بعد جب اس کے صدر مسٹر حسین بھائی لال جی الیکشن ہار گئے اور مسٹر علی ظہیر اس کونسل آف الیکشن کے سکریٹری حکومت ہند کی کابینہ کے لاممبر اور دوسرے سکریٹری خان بہادر کلب عباس صاحب انکم ٹیکس کے جوڈیشیل ممبر ہو گئے عالم جمود میں آ گئی اور آج تک اسی حال میں ہے۔ ایسی صورت میں وہ شیعہ پولیٹکل کانفرنس کی کیا تنظیم کرتی۔عہدہ داران شیعہ پولیٹکل کانفرنس جن کے ساتھ اشتراک عمل کر کے تنظیم کا بیڑا آل پارٹیز کی کونسل آف الیکشن نے اٹھایا تھا وہ آل پارٹیز کونسل آف الیکشن میں خود ضم ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۵۴ء سے آج تک شیعہ پولیٹکل کانفرنس کا کوئی جلسہ سالانہ یا جلسہ عام نہ ہوسکا۔ پھر اس کے بعد آزاد کانفرنس منعقدہ ۱۹۴۸ء لکھنؤ نے رہا سہا نقش بھی شیعہ پولیٹکل کانفرنس کا مٹا دیا۔اس کے بعد مرزا جعفر حسین صاحب سے بھی اگر کوئی اس کے متعلق استفسار کرتا تھا تو موصوف گومگو کا جواب دے دیا کرتے تھے اور فرقہ وارانہ جماعتوں کے حکومت کے بارگاہ میں نامقبول بن کر مردود ہونے کا عذر کر دیتے تھے مگر جیسے بندر یہ اپنے مردہ بچے کو سینہ سے لگائے رہتی ہو اسی طرح اس کو ''داشتہ آید بہ کار'' کے زریں اصول کے مطابق اپنے اس کمرہ میں جو آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کا

گہوارہ تھا بندر کھے رہے اور اب مصر کی مصالحہ سے برقرار رکھی ہوئی لاش کی طرح اس کو آثار قدیم کے صف میں لا کر حکومت اتر پردیش کے زیر خضانت دے دیا ہے۔مقصد کچھ بھی ہو یہ امر ضرور مسرت بخش ہے کہ حکومت کی اس سرپرستی سے شیعہ پولیٹکل کانفرنس کے سر جو فرقہ وارانہ سیاسی جماعت ہونے کا الزام تھا وہ ختم ہو گیا اس لیے بھی اگر یہ فرقہ وارانہ جماعت ہوتی تو اس کی صدارت سید علی ظہیر وزیر عدل اور اس کا افتتاح مسٹر گوتم دوسرے وزیر حکومت کیوں فرماتے اور پنتھ جی اس کو اپنے ایڈرس کا شرف کیوں بخشتے۔ ہمارے خالقان کانفرنس مرزا جعفر حسین اور سید علی ظہیر صاحب اس کارنامہ کے لے قابل مبارکباد ہیں۔حقیقت میں سیاست اسی کا نام ہے کہ ''زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ساز'' کی پالیسی پر عمل کیا جائے۔ حکومت بھی اس وقت اسی اصول پر کاربند ہے اور ٹھنڈے لوہے کو گرم کر کے پیٹ رہی ہے۔ بہر حال ہم تو وفا شعار ہیں اور وفا شعار رہیں گے۔ دنیا ہم کو حکومت کا پٹھو یا خوشامدی ٹٹو کہا کرے۔

دیکھنا یہ ہے کہ یہ شیعہ پولیٹکل کانفرنس کیا تجاویز پاس کرتی ہے ایران کی زبوں حالت اور تیل کے چشموں کی وجہ سے وہاں جو رادھا ناچ رہی ہے اس پر بھی کوئی تبصرہ کرتی ہے یا نہیں۔ کشمیر کی پچاسی فیصدی شیعہ آبادی اور پھر کشمیر کی حکومت میں شیعوں کی غیر نمائندگی پر بھی کوئی تجویز اس میں ہوتی ہے۔اردو کشی کی پالیسی کے خلاف بھی احتجاج پر مشتمل کوئی تجویز پاس ہوتی ہے اور شیعوں کی بے روزگاری اور ملازمتوں سے محرومی کے متعلق کوئی آواز بلند ہوتی ہے یا محض مسلم کونشن علی گڑھ اور فوجی معاہدہ پاکستان وامریکہ ہی پر یہ کانفرنس اظہار رائے کرتی ہے۔سوائے یوپی کے اور کسی کابینہ میں شیعوں کی نمائندگی نہیں ہے اور

باوجود گزشتہ الیکشن میں ان کا امتحان وفا کر لینے کے اب تک شیعوں پر حکومت کی کوئی خاص نظر مرحمت نہیں ہوئی ہے کیا کوئی آواز اٹھے گی جو یہ کہے۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خار برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ جلد ۳۱، شمارہ نمبر ۳۹۔ ۲۱ شعبان، ۱۳۷۳ھ ۲۵/اپریل ۱۹۵۴ء ص ۷

اثنا عشری اور سرفراز
جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

(عالی جناب اعجاز حسین قزلباش صاحب پشاور)

۲۶/مارچ ۱۹۳۳ء اخبار اثنا عشری لاہور اور جریدہ سرفراز لکھنؤ میں جو قلمی جنگ جاری ہے اور جس کا سنگ بنیاد اثنا عشری مطبوعہ ۲۵/فروری گذشتہ میں بعنوان آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور ان کے بعض نقائص رکھا گیا وہ ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ نواب صاحب رام پور اور ہندو یونیورسٹی کے عطیہ نے اس لگی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا اور یہ جنگ حملہ اور مدافعت کی شکل میں بدستور جاری ہے۔

صحافتی لڑائیوں میں چونکہ اہل قلم حضرات معمول زیادہ زور قلم دکھلایا کرتے ہیں اس لیے بعض اخبار میں بین حضرات ان لڑائیوں میں سامان دلچسپی پیش از پیش پا کر خاموشی کے ساتھ تماشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ مگر ایسے افراد جن کو فطرت نے قاضی کی طرح شہر کے اندیشہ میں مبتلا کر رکھا ہے وہ ان خانہ جنگیوں میں قوم کی تباہی کے سامان دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے بھی خاموش نہیں رہ سکتے۔

ہندستان میں شیعہ اخبارات کی تعداد اس قدر کم ہے کہ انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے اور اس کمزوری کو خانہ جنگیوں نے اور بھی کمزور کر رکھا ہے۔ اخبارات کے لیے آپس کے اختلافات کا پیش آنا اور ان کے متعلق جریدہ نگار صاحبان کا آپس میں بحث مباحثہ کرنا نہ تو

کوئی نئی بات اور نہ ان سے قومی وقار یا اتحاد کو کوئی صدمہ پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ متقابلین دائرہ تہذیب کے اندر رہ کر شرافت اور متانت کے ساتھ ٹھنڈے دل سے معقول دلائل اور نظائر پیش کر کے اپنے دعاؤں کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کریں اور آخر کار خود بخود معقولیت اور انصاف پسندی سے کام لے کر حساب دوستان در دل پر عمل کرتے ہوئے ان مباحث کو ختم کر دیں۔

محبت میں مزا ہے چھیڑ کا لیکن مزے کی ہو

نہ اینکہ اغراض ذاتی یا کسی کی توہین یا خوشامد کی پیش رفت میں پوچ اور لایعنی استدلات سے قومی اغراض و مقاصد کے نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر حریف مقابل کو بلاوجہ ہرزہ سرا، کاسہ لیس ازلی اور مطلب پرست کہہ کر اس کی آبروریزی میں اپنی شہرت طلبی کی تلاش کی جائے۔

سرفراز نے اپنی ۹/مارچ کی اشاعت میں ہندو یونیورسٹی اور نواب صاحب رام پور دام اقبالہ کے عطیہ کے عنوان سے ایک ایڈیٹوریل نوٹ لکھ کر نواب صاحب کے اس عطیہ پر ایک ناقدانہ تبصرہ کیا اور لکھا کہ مدرستہ الواعظین کے زر امداد کو اتنا کم کرنے اور مدرسہ نظامیہ اور اطفال سادات کے وظیفہ کو یک قلم بند کرنے کے بعد نواب صاحب موصوف کا یہ عطیہ کسی طرح بھی نظر استحسان سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ میری رائے میں تو سرفراز کا فرض تھا کہ وہ ایسا کرتا کیونکہ ؎

دو چیز تیرہ عقل ست دم فرد بستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

مگر اثنا عشری نے ۱۶/مارچ کو ایک نامہ نگار صاحب کی طرف سے ایک مضمون سپرد قلم کیا اور اڈیٹر سرفراز کے ساتھ اراکین شیعہ کانفرنس کو بھی ایک ہی رسی میں باندھ کر نواب صاحب رام پور کو بدنام کرنے کی کوشش کے الزام میں سب کو کم عقل کوتہ اندیش، خود غرض، نفس پرست،، بے وقار اور کانفرنس کو مریض لب گور کے معزز خطابات نہایت فراخدلی کے ساتھ مرحمت فرماتے ہوئے آخر میں دعا دی کہ کانفرنس جلد مرے اور باعزت دفن ہو۔

کاش اثنا عشری اور اس کے معزز نامہ نگار نے ان بزرگان قوم کی اس طرح توہین یا تذلیل کرنے سے قبل سرفراز کے ان اعتراضات کو غلط یا ناجائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہوتی جن کی بنا پر سرفراز نے نواب صاحب ممدوح کے عطیہ زیر بحث پر اعتراضات کیے تھے۔ کاش اثنا عشری سرفراز میں اپنے دیگر معاصرین مثلاً حقیقت لکھنؤ، الواعظ لکھنؤ، اتحاد امروہہ، تعمیر فیض آباد، اودھ پنچ لکھنؤ۔، مشیر جونپور، رہنما مرادآباد، ذوالقرنین، ایوان، سرخ لکھنؤ، پیسہ اخبار لاہور اور وحدت دہلی کے ہمچو قسم تنقیدوں کے پڑھنے کے بعد معزز تجربہ کار صائب الرائے ایڈیٹروں کی رائے کے آگے سر تسلیم خم کر لیتا۔ اور کاش وہ ان واقعات سے باخبر ہونے کے بعد ذرا انصاف سے کام لیتا۔ اور دل میں سوچتا کہ کیا مساوات کے یہی معنی ہیں اور سخاوت اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے تو بھوکے مریں اور غیر مزے اڑائیں۔ اور کیا معزز اثنا عشری اور اس کا قابل نامہ نگار یہ کہہ کر کہ رموز مملکت خویش خسروان دانند۔ اپنے قومی فرائض سے سبکدوش ہو گئے۔

نواب صاحب دام اقبالہ ایک شیعہ والی ملک ہیں۔ خدا ان کی اور ان کی ریاست کو چشم زخم زمانہ سے محفوظ رکھے۔ ان کی نیک نامی ہم سب کی نیک نامی ہے۔ بلکہ ہمارے لیے

فخر کا مقام ہوتا۔ کہ ہمارا رئیس ایسا دریادل اور فیاض واقع ہوا ہے کہ ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد غیروں کو بھی محروم نہیں رکھتا مگر یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے۔

بہرحال مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے موضوع سے کچھ دور جا پڑا ہوں۔ میرا موضوع ہے۔ ''جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے'' اور آج یہ مصرع یا مقولہ یا ضرب المثل (جو کچھ بھی ہے) اثنا عشری کے حال پر حرف بحرف صادق آتا ہے کیونکہ اس نے ۲۶/مارچ کے پرچہ میں صفحہ اول پر جو کہ عنوانات جلی قلم سے چھاپے ہیں۔ ایک کی سرخی ہے۔ نواب صاحب رام پور اور سرفراز کی ہرزہ سرائی اور دوسرے کی ریاست رام پور میں وائسرائے ہند کی تقریر اول الذکر میں بھی اثنا عشری کو نواب صاحب کے عطیہ پر ایک واجبی تنقید کرنے کے جرم میں کوس رہا ہے۔ اور آخر الذکر میں خود لکھ رہا کہ

وائسرائے ہند نے نواب صاحب کو ریاست کی ترقی اور رعایا کے فلاح و بہبود کے اسکیموں کے متعلق نصیحت کیا کہ ایسے تجاویز پر غور و فکر کرنے کے وقت عقلمندی یہ ہوگی کہ جذبات میں احتیاط کو شامل کرلیا جائے اور عقلمندانہ کفایت شعاری کو مقدم تصور کیا جائے زمانہ خراب ہے۔ لہٰذا ہم سب کو لازم ہے کہ اپنے مصارف محدود رکھیں اور ایسے تجاویز پر عمل پیرا ہونے سے قبل جن میں کافی مصارف ہو ہر پہلو پر غور کرلیا جائے۔

کیوں صاحبان بصیرت۔ نواب وائسرائے کا اشارہ؟؟؟؟؟ بیجا کی طرف ہے؟

جادو وہ سر چڑھ کے بولے

العاقل یکفی الاشارہ۔ اگر درخانہ کس ست یک حرف ست بس است

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ جلد ۸، شمارہ نمبر ۸۷۔ ۶/ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ یکم/اپریل ۱۹۳۳ء ص ۵

شریکۃ الحسین

(خطیب اہل بیت ممتاز الواعظین مولانا ابرار حسین پاروی، ناظمیہ عربی کالج لکھنؤ)

زمین کربلا نے دنیا کے سامنے بے شمار خوبیوں کے بند دروازے کھول دیئے ہیں اور عالم کو ایسے عملی سبق دیئے ہیں جس کی نظیر ناممکن ہے۔ کربلا اگر صداقت و آزادی ضمیر کی درسگاہ ہے تو نصرت حق اور جذبۂ ایثار و جانبازی کا علم بھی ایک طرف موت کا میدان ہے تو محبت کا گرم بازار بھی ہے۔ کربلا والوں کی موت جس طرح شریف ترین مقصد کا آئینہ ہے اسی طرح حقیقی محبت کا سرچشمہ بھی۔ دنیائے محبت میں بھائی بہن کی محبت مشہور ہے۔ لیکن جس طرح اس محبت کا ظہور کربلا کے چٹیل میدان میں ہوا ہے اس کی مثال مادر گیتی نہیں کرسکتی۔ دنیا کے بھائی بہن ایک اور حسین مظلوم کی بیکس بہن حضرت زینبؑ ایک طرف دنیا میں کوئی بہن زینبؑ سے بہتر بھائی سے محبت کرنے والی نظر نہیں آئے گی جس نے اپنے بھائی کے لیے وطن ترک کیا ہو بچے بھائی پر قربان کردیئے ہوں۔ بھائی کے بچوں کو اپنے بچوں پر مقدم کیا ہو حسین جب سفر کی تیاری کررہے ہیں اور اعزا کو جمع کررہے ہیں کسی نے بڑھ کر دوستانہ لہجے میں کہا کہ اگر اس گرمی اور تپش کے عالم میں عورتوں کو کیوں ساتھ لے جارہے ہیں موقع غنیمت تھا حسینؑ نے چلنے پر اصرار نہ کیا تھا نہ فرمائش کی تھی۔ خاموش رہ جانے میں کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن بھائی کی فدائی بہن یہ سن کر کہ ہم کو چھوڑ کر جانے کا مشورہ دیا جارہا ہے درخیمہ سے بچیں ہوکر آواز دیتی ہیں کہ یہ کیا مشورہ دیا جارہا ہے بھائی سے بہن علیحدہ ہوجائے یہ کیسے ممکن ہے حسینؑ کو بھی بہن کی محبت پر بھروسہ تھا کربلا کا مستقبل پیش نظر تھا۔ مقصد کی تکمیل

کا خیال تھا۔ آپ نے ساتھ لینا ضروری سمجھا۔

زینبؑ مقام مدینہ سے کربلا، کربلا سے شام، شام سے واپسی ہر موقع پر جہاں حسینؑ کے لٹے ہوئے قافلہ کی نگراں تھیں وہاں حسینی مقصد کی حفاظت کی بھی ذمہ دار تھیں کہیں بچوں کو سنبھالا، کہیں بیمار کربلا کو سہارا دیا کہیں علوی فصاحت سے خطبہ ارشاد فرما کر حسینی مطمح نظر کو روشن و واضح کیا کہیں خاندان نبوت کے خصوصیات ظاہر کیں تو کہیں حسینؑ مظلوم کی حقانیت وصداقت کو نمایاں کیا۔

حسینؑ مظلوم کی دوربیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ میرے قتل ہوجانے کے بعد مردوں میں سوائے ایک بیمار فرزند کے کوئی اور نہ رہے گا۔ ان کی بھی زبان ہندی ہوگی وہ اسیر ومقید ہوگا اس کو حق کی حمایت میں بولنے نہ دیا جائے گا اس لیے ایک ایسا مبلغ بعد میں رہنا چاہئے جس کو مجبوراً لشکر مخالف بولنے سے نہ روک سکے۔ اس موقع پر حسین کس کو منتخب کرتے وہی اس کام کے لیے مناسب ہوسکتا تھا جو حسینی سیرت میں شریک ہو جو اس گروہ کا پروردہ ہو جس میں حسینؑ نے پرورش پائی تھی جس میں نبوی اخلاق، علوی شجاعت، حسینی مروت، حسینی ہمت موجود ہو۔ ایسی فرد ہو جو خاندانی حیثیت سے اتنی باوقار ہو جو کوفہ وشام کے بازار میں بالاعلان کہہ سکے کہ کوفہ والو! اس میں ذلیل نہ سمجھو، ہمارے ہی آباواجداد کعبہ کے محافظ تھے۔ ہم ہی موسم حج میں منتظم بیت اللہ تھے اور عرب کے تمدن کا مصلح ہمارا ہی کنبہ تھا تمہارا نانا تاجدار عالم بھی تھا باپ جود وکرم کا مجسمہ تھا۔ واقعہ کربلا میں موت کے ہاتھوں بچنے والوں میں جناب زینبؑ ان خصوصیات کی حامل تھیں ماں باپ کے اخلاق حسنہ کی تصویر تھیں۔ حسینؑ ابن علی نے شہادت کے بعد اپنے مقصد کو بہن کے حوالے کیا زینبؑ اس ذمہ داری کو سمجھتی تھیں اس وجہ

سے ایسے سخت سے سخت موقع پر جبکہ مصیبتوں سے انسان کا کلیجہ پھٹ جائے جناب زینبؑ صبر کرتی تھیں اور سارے غم والم کو بھول کر کلیجہ تھام کر فرائض متعلقہ کی طرف متوجہ ہوجاتی ہیں۔ شمع امامت گل ہوجانے کے بعد اور خیموں کی تاراجی کے بعد جب اسیران کربلا کربلا سے چلتے ہیں تو لاش ہائے شہدا پر نظر پڑ جاتی ہے۔ وارثوں بے گوروکفن لاش دیکھ کر رہرزن ومرد بے چین ہوجاتا ہے۔ کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے یہاں تک کہ سید الصابرین زین العابدین بھی تڑپ اٹھتے ہیں آپ کی حالت متغیر ہوجاتی ہے زینبؑ اپنے علیل فرزند کی حالت دیکھ کر اپنا رونا بھول جاتی ہیں نہایت استقلال سے آگے بڑھ کر فرماتی ہیں بیٹا! صبر کرو تمہاری یہ کیا حالت ہورہی ہے اس جگہ سوائے زینبؑ کے کون ہوسکتا تھا جو بڑھ کر امام کو سہارا دے یہ وہ منزل تھی جہاں زینبؑ کی موجودگی بے حد ضروری معلوم ہوتی ہے۔

واقعہ کربلا میں ابتدا سے انتہا تک بے شمار ایسے مواقع ملیں گے جہاں زینبؑ علیا کا وجود اس کی کڑی کو مضبوط وقوی بنانے کا سبب ہوا ہے اور واقعہ کربلا کے اصلی رنگ میں رہ جانے کا باعث بھی، تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ پیغمبر کی آنکھ بند ہوتے ہی اہل بیت رسالت پر مصیبت کے دروازے کھول دیئے گئے طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کیا گیا اور ان کو قتل کیا گیا اور ہر واقعہ کے بعد قتل کو چھپایا گیا اور قتل پر پردہ ڈالا گیا، قاتل کا نام تک مشتبہ رکھنے کی کوشش کی گئی۔ دنیا کو خاندان رسالت سے اس طرح غافل بنا دیا گیا کہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ اس خاندان میں کوئی ہے بھی یا نہیں۔ علیؑ ایسے اشجع العرب کے متعلق معاذ اللہ لص من الصوص العرب کہا گیا۔ عرب کے فتاب سے علیؑ کے متعلق پوچھا جاتا ہے اور وہ غلط شجرہ بنا کر دنیا کو غلط اطلاع دیتا ہے۔ ایسی حالت میں واقعات کربلا پر پردہ ڈال

دینا اور یہ کہنا کہ العیاذ باللہ ایک؟؟؟ حروج کیا تھا۔ قتل کیا گیا اصل مقصد سے دنیا کو غافل رکھنا بہت آسان تھا۔

لیکن اس سیاست اموی کی دھجیاں اڑا دینے والی جناب زینبؑ کی ذات گرامی تھی جس قدم قدم پر یہ اعلان کر کے کہ ہم اہل بیت نبوت ہیں، ہم حق پر ہیں، ہمارے وارثوں کو ناحق قتل کیا گیا ہے یزیدی چالوں کو بے نقاب کر دیا۔ حضرت زینبؑ کے بار بار اس اعلان نے مجمع کو اس امر کے غور کی طرف متوجہ کر دیا کہ ہم سے تو یہ کہا جاتا تھا کہ خاندان رسالت میں کوئی نہیں ہے یہ کیا معاملہ ہے۔ جناب زینبؑ کے ان ارشادات کا یہ نتیجہ ہوا کہ یزیدی فوج کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں زینبؑ کے اس طرز عمل سے فوری نقصان نہ پہنچ جائے۔ اگر مرد کا معاملہ ہوتا تو قتل کر دیا جاتا۔ عورت پر کس طرح ہاتھ اٹھائیں۔ یزیدی انتقادات کے بعد بھی لشکر قتل کے اقدام پر تیار نہ ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ کہنا چاہا جناب زینبؑ نے کہہ ڈالا۔ یزیدیوں کو تشویش ہوئی کہ اس امنڈتے ہوئے دریائے فصاحت کا دھارا کیسے رکے آخر یہ تدبیر کی گئی کہ ان پر مغز خطیبوں کو جس میں توحید و رسالت کے ساتھ حسینی مقصد کو بھی واضح کیا جا رہا تھا یہ کہہ کر سبک کرنا چاہا کہ انہا الشجاعۃ یہ تو بہت مسجع و مقفع عبارت بولنے والی ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ دنیا صرف ظاہری لفظوں اور ادبی نکتوں کی طرف ملتفت ہوا اور اصل غرض فوت ہو جائے لیکن حسینؑ کے مقصد کی ذمہ دار بہن ان تدبیروں سے کہاں رک سکتی تھی۔ آپ واقعات قتل، اسباب قتل، مقصد قتل سب کو بالاعلان ظاہر کرتے ہوئے کامیابی کے ساتھ قید خانہ کی چہار دیواری میں پہنچ کر واقعہ کربلا پر مہر لگا کر دنیا کو بتاتی ہیں کہ میں شریکۃ الحسینؑ ہوں۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ جلد ۳۱، شمارہ نمبر ۱۔ محرم نمبر ۱۳۷۳ھ، ۱۹۵۳ء ص ۴۸

حضرت زینبؑ اپنے والد کے دارالخلافہ میں

(عالی جناب سید مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی از گیان اسٹریٹ مغل پورہ، لکھنؤ)

علامہ بہۃ الدین عراق و عرب کے ایک ان کی کتاب ''نھجۃ الحسین'' عالم ہے یہ مضمون موصوف ہی کے ایک ''الغری'' نجف محرم نمبر ۶۶ھ میں زینب فی عاصمۃ ابیھا۔ کے عنوان سے شائع ہوا تھا فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ ''فصل لم ینشر من کتاب نھضۃ الحسین'' (فاضل)

اگرچہ پہلے ابوحفص نے کوفہ کی بنیاد رکھی لیکن پہلے پہل اس کو شہری مدنی اور تعمیری حیثیت دینے والے ابوالحسن نے دارالخلافہ اور مرکز حکومت قرار دے کر کوفہ کی اہم ترین جگہ عطا فرمائی۔ کوفہ، علم، عبادت، عدالت عالیہ اور خطابت کا مرکز ہو گیا۔

جناب زینبؑ یہاں اپنے خاندانی فضائل اور بلند ترین نسب، کامل ترین نفس، پاکیزہ ترین دل کے ساتھ شہزادی کوفہ ہونے کی امتیازی حیثیت میں امیرۃ الکوفہ تھیں کیونکہ ان کے والد امیر المومنینؑ تھے لیکن شرف کی بلندیاں یہیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ گرامی قدر بھائی اور عالی قدر سخی ترین زمانہ شوہر عبداللہ بن جعفر ان کے ساتھ وہ عبداللہ جو سید الاجواد کہلاتے تھے تن تنہا زبیر کو ایک کروڑ درہم قرض دیئے اور یہی نہیں کہ قرض دیدیئے بلکہ اس کا پرونوٹ ان کے بیٹے کو واپس کر دیا کہ ہم جو دے دیتے ہیں پھر لیتے نہیں۔

کوفہ میں جناب زینبؑ کا گھر فقیروں کی سرا اور غریبوں کا مرکز، امیروں کا مہمان خانہ اور رئیسوں کا قیام گاہ تھا۔ علیؑ خود بھی کبھی کبھی زینبؑ کے مہمان ہوتے تھے۔

ایسے شہر میں ایسی زینبؑ مصیبتوں کے پہاڑ سر پر اٹھائے ہیں۔ بنی ہاشم کی سیدہ

پردہ نشین، عفت مآب بیبیوں کے ساتھ آل رسول کو لیے یتیموں اور بچوں کے بیچ میں بے پردہ عماریوں پر حیا کی چادریں اوڑھے اڑھائے ایک جم غفیر کے ساتھ جارہی ہیں۔ نہیں لے جائے جارہی ہیں۔ یہ کامیاب لشکر انہیں انہیں کنیزیں سمجھ رہا ہے، کوفہ والے تماشہ دیکھ رہے ہیں عبرت لے رہے ہیں۔ عجیب وغریب منظر بھی تو ہے وہ چیختے ہیں، روتے ہیں ہنستے ہیں کچھ عورتیں رحم کھا کھا کر آل رسول پر روٹی کے ٹکڑے خرمے اور کھجوریں پھینک رہی ہیں۔

رسولؐ کی بیٹی بنی ہاشم کی آزاد منش، اسلام کی زعیمہ نے وہ کہا جو اس وقت ضروری تھا۔ ''کوفہ والو! یہ صدقہ تو ہم اہلبیتؑ پر حرام ہے'' بام در، مرد زن رونے لگے رونے لگے کہ اللہ آل معمر و محقق وادیب مورخ ہیں اسلامی میں بڑی بلند جگہ حاصل کر چکی مضمون کا آزاد ترجمہ ہے۔ رسولؐ پر کیا وقت آپڑا ہے۔

یہ ہیں زینبؑ جو تنہا اس عظیم الشان سفر کی قائد ہیں جو بچوں اور جوانوں کی نگراں، جنگ کا رنگ دیکھے، حسینی کام کو مکمل کرنے کی دھن میں بڑھ رہی ہیں اور بڑھا رہی ہیں تھکن درماندگی، عاجزی کی ایک شکن بھی ماتھے پر نہیں۔ کام وہ کہ مردوں کے زہرے آب ہوجائیں اور صابروں کے قدم ڈگمگا جائیں مگر کربلا جیسی مصیبتیں اٹھانے میں جناب زینبؑ اپنے بہادر بھائی کی بہادر بہن دکھی مجاہد کی غم نصیب ساتھی تھیں۔ ان کا نرم دل اس مستقبل کے لیے چٹان سے زیادہ مضبوط ان کے چھوٹے چھوٹے نہ چلنے والے قدم پہاڑوں کو روند چکے تھے۔ وہ بھائی اور باپ کی بلندیوں پر جلوہ فگن ہیں انہوں نے بھائی کا معرکہ دیکھا، فتح شکست دیکھی لاش کا سینہ اور گھوڑوں کے سم، پھر سر بلندوں کے سر اور نیزوں کی نوکوں پر ایک جگر خون کن منظر سامنے ہے۔ غیر منھ پیٹ رہے تھے مگر زینب کوفہ میں مجسمۂ صبر وشکر ہیں۔

بنت حسینؑ کی ورثہ دار گزشتہ اور آئندہ مصائب برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں کہ بھائی کی مہم سرانجام ہوجائے حق نصرت ادا ہوجائے۔ ایمان کا سر اونچا ہوجائے لاالہ کے بانی کا نام مشہور ہوجائے۔ زینبؑ رہے یا نہ رہے۔ اسی دھن میں کربلا سے کوفہ آئیں اور اسی ارادے کے ساتھ کوفہ سے شام چلیں اور وہاں سے مدینہ پہنچ کر بھی یہی کرتی رہیں۔

جاحظ نے خزیمہ اسدی کی زبانی لکھا ہے کہ وہ کوفہ میں اس دن اپنی جب زین العابدین علیہ السلام کربلا سے کوفہ پہنچے۔ اس نے دیکھا کہ کوفی عورتیں فریاد کررہی ہیں، کھڑے قد سر وسینہ پیٹ پیٹ کر رورہی ہیں۔ اور بیمار امام کمزور آواز اور دکھی لہجے میں مرض کی شدت کے باوجود فرمارہے تھے۔

''ارے تم لوگ رورہے ہو۔ یہ بتاؤ تمہارے علاوہ ہمیں کس نے قتل کیا۔''

پھر بنت امیر المومنین کو دیکھا میں کبھی کسی پردہ نشین کو اس سے بہتر تقریر کرتے نہ دیکھا نہ سنا گویا وہ اپنے پدر بزرگوار امیر المومنین کی زبان سے بول رہی تھیں زیادہ ہے کہ وہ حد بیان ہے کہ اس سے زیادہ الفاظ کی رسائی اور زبان کی طاقت مفہوم ادا کرنے کے لیے تیار نہیں۔)

پہلے اشارہ کیا۔ چپ ہوجاؤں، خاموش۔ چلتی سانسیں اور بجتی گھنٹیاں رک گئیں ہزاروں کا مجمع مگر سب خاموش تھے علیؑ کی بیٹی نے فرمایا۔

الحمدالله والصلوٰة علی ابی رسول الله وعلی آله الطیبین الاخیار، امابعد:۔

یا اهل الکوفه !یا اهل الختر والخلال فلا رقات العبرة ولا هدات

الرخه۔۔۔انما مثلکم کمثل الذی نقضت غزلها من بعدقوة انکاثا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم" الا وهل فیکم الاالصلف والشنف وملق الاماء وغمر الاعداء؟ وهل انتم الا کرعی علی دمنه و کفضة علی ملحودة الا ساء ماقدمت انفسکم ان سخط الله علیکم وفی العذاب انتم خالدون۔۔۔۔

ابتکون !! ای والله قابکو!!! وانکم والله احریاء بالیکاء فابکو اکثیر اوالضحکوٗ قلیلا۔ فلقد فزتم بعادها وشنارها ولن ترحضوها بغل بعد ابدا،وانی ترحضون قتل سلیل خاتم النبوه ومعدن الرسالة وسید شباب الجنه ،ومنا رمحجتکم ،مدك حجتکم ،ومغزع نازلتکم فتعاً ونکساً لقد خاب السعی وخرت الصنعة ،ویوتم بغضب من الله وضربت علیکم الذلة والمسکنة لقد جئتم شیاً اوابکا والسمٰوت یتفطرون منه،وتنشق الارض وتخرلجیان هدا،

اتدرون ای کبد الرسول الله فریتم؟ وای کریمه له ابرزتم؟ وای دم له سفکتم لقد جئتم بها شوهاء خرقاء شرطلاع الارض والسماء افعجبتم ان فطرت السماء وما۔ ولعذاب الاخرة اخزی وهم لا ینصرون فلالیسحهتکم المهل، فانه لا تحفره المبادرة ولایخاف علیك فوت الثار کلاان ربك لنا ولهم لبالمرصادا۔"

الحمدالله میرے باپ رسول اللہ اوران کی پاکیزہ اولاد پر صلوٰۃ!

اے کوفہ کے غدار و دغاباز لوگوں سنو!

تمہارے آنسو نہ رکیں۔تمہاری چیخیں نہ بند ہوں۔تم تو ایسے ہو جیسے بڑھیا اپنا سوت کاتنے اور بٹنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تم قسم کھا کھا کر آپس میں ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہو۔کیا تم میں غرور، جھوٹ اور عیوب کے علاوہ اور کچھ بھی ہے؟ وہی لونڈیوں کی سی چاپلوسی اور غدار دشمنوں کی طرح مکاری تم درحقیقت گھورے کی گھاس اور مردے کا زیور ہو!

کس قدر خراب کام اپنے لیے کیا، خدا تم پر عذاب نازل کر، اور جہنم میں ہمیشہ رہو۔ کیا رو رہے ہو؟ روؤ اور بہت روؤ! کم ہنسو تم ذلتوں اور رسوائیوں میں کامیاب ہو گئے۔ یہ دھبہ دھو نہیں سکتے۔سوچو تو کیا؟؟؟؟؟ خاتم الانبیاء خزانۂ رسالت سردار جوانان جنت راہِ روشن و دین حق کے مینار، تمہاری دلیلوں کے توڑنے والے اور مقابلہ میں کام آنے والے کا خون چھپا سکتے ہو؟ نہیں کبھی نہیں!

بدبختو! اور ناکاموں تمہاری کوشش ناکام، سودا نقصان رساں ہوا۔ خدا کا عذاب نازل ہو گیا ذلت اور غربت تمہارے نام کا جزو بن چکی۔

ایسی سخت چیز لائے تھے کہ آسمان پھٹ جانے زمین شق ہو جاتی اور پہاڑ گر جاتے۔جانتے ہو رسول کے کس دل کو ٹکڑے ٹکڑے کیا؟ اور کن کن عصمت دار بیٹیوں کو باہر نکالا؟ ان کا کون سا خون بہایا؟ بڑا حیران کن اور پریشان خیز کام کیا۔اب اس پر تعجب کرتے ہو کہ آسمان سے خوف برسا تو سن رکھو! قیامت کا عذاب اس سے زیادہ رسوا کن ہے۔ وہاں کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔ یہ مہلت سبک سر نہ کرے کیونکہ جلد بازیوں سے اسے جوش نہیں آتا۔خون پدر ہونے کا اسے خوف نہیں۔

(یہ خطبہ بعض روایتوں میں زیادہ طولانی ہی کوفہ والوں نے اس طرح بے باک خطیب علیؑ کو دیکھا تھا۔ بنت علیؑ بھی اپنے پدر بزرگوار کی طرح ہر ہر لمحہ اور ہر جملہ میں ان بے حیا تماشائیوں غلام صورت نما سیرت حیوانوں سے خطاب کر رہی تھیں کہ ان کے دل دماغ ہل جائیں۔ سوالات کے تسلسل سے اہل خرد کو دعوت غور وفکر دیں کہ کیا ہوا؟

شہزادی پلٹیں۔۔۔۔۔تو لوگ دانتوں میں انگلیاں دبائے مورت بنے حیران کھڑے تھے۔

یزیدی لشکر جھنڈے کی لہروں میں آزاد قیدیوں کو گورنر ہاؤس میں لایا۔۔۔۔ عبیداللہ ابن زیاد کے سر مبارک امام حسینؑ پہلے ہی خولی کے ہاتھوں پہنچ چکا تھا۔ یہ سرطشت میں سامنے رکھا ہے اور دربار سرداروں، رئیسوں، امیروں اور لیڈروں سے بھرا ہے۔

ابن زیاد مسکرایا۔ اسے بڑی خوشی تھی اس کی شادمانی نے اسے دیوانہ کر دیا۔ چھڑی سے لب روندا ں حسینؑ کو چھیڑنے لگا جیسے کوئی ڈر نہیں، کوئی خطرہ نہیں تعجب یہ ہے کہ ہزاروں انسان صورت آدمی تھے مگر ایک بھی نہ بولا۔ ہاں ایک بوڑھا صحابی زید بن ارقم یہ کہہ کر چیخ اٹھا تھا۔

ہٹالے اپنی چھڑی لب ودندان حسینؑ سے۔ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ اس منھ پر رکھتے اور بوسہ دیتے تھے۔ یزید حسینؑ مظلوم کا زمانہ عظمت یاد کر کے رو دیئے۔

ابن زیادہ گالیاں بکنے لگا، خدا تجھے روتا رکھے اگر تو بوڑھا نہ ہوتا، عقل نہ جاتی رہتی۔۔۔گردن اڑا دیتا زیدؔ یہ کہتے ہوئے نکلے۔

اے عربو! اب تو تم غلام ہو چکے۔۔۔آزادیٔ؟؟؟؟؟تمہیں کوئی نسبت بھی باقی

نہ رہی فرزند فاطمہؑ کو قتل کیا پھر ابن مرجانہ کو امیر بنا رکھا ہے جس نے نیکوں کو قتل کر دیا اور اشراف کو غلام بنا رکھا ہے شہزادیاں ابن زیاد کے سامنے تھیں مگر جناب زینبؑ کی حالت بدلی ہوئی تھی اور دو ایک عورتوں نے شہزادی کو گھیرے میں لے لیا کہ یہ ظالم پہچان نہ لیں۔

ابن زیاد نے پوچھا یہ کون ہے؟ کوئی جواب نہ ملا، اس نے تین مرتبہ پوچھا، آخر ایک عورت نے کہا یہ زینبؑ بنت فاطمہؑ ہیں۔

ابن زیادہ خدا کا شکر جس نے۔۔۔۔۔رسوا کیا اور تمہارے نئے دین کو جھٹلا دیا۔''

شہزادی عالم جناب زینبؑ نے فرمایا۔

الحمدللہ الذی کرمنا بمحمد وطھرنا تطھیرا انما یفتضح الفاسق ویکذب الفاجر وھو غیرنا۔

الحمدللہ اس نے تو ہماری عزت بڑھائی اپنے نبی کو ہم میں سے بنایا، ہمیں ہر عیب سے ہر طرح سے دور رکھا فاسق رسوا ہوتے ہیں جھوٹے جھٹلائے جاتے ہیں اور وہ تو ہمارے دشمن وغیر ہیں۔

ابن زیاد۔ دیکھا اللہ نے تمہارا کیا حال کیا؟

شہزادیٔ کوفہ نے فرمایا۔

ھولاقوم کتب اللہ علیھم القتال قبرزواالیٰ مضاجعھم وسیجمع اللہ نبیك وبینھم فتخصون عندہ فتنظر لمن الفلج۔

ان لوگوں پر قربانیاں دینا اور جہاد کرنا خدا نے واجب کیا تھا، تو وہ اپنی قربان گاہوں میں نکل آئے اب بہت جلد اللہ تجھے اور انہیں جمع کرے گا، پھر وہاں فیصلہ ہوگا۔

انتظار کرو دیکھو کون کامیاب ہوتا ہے۔ جناب زینبؑ نے اس موقع پر اپنی کامیابی کا اعلان غیر مبہم الفاظ میں کر کے فتح وشکست کے مفہوم کا رخ بدل دیا۔ قیدیوں کی شکل میں گرفتار مخدرہ، عصمت نے آزادیٔ ضمیر وآزادیٔ تقدیر کا کلمہ پڑھ کر بتایا کہ کربلا والے گلے کٹا سو گئے مگر ان کی زبان میں ہوں!

زیاد کا بیٹا غصے سے کانپنے لگا، تیور بدل گئے، عمرو بن حریث نے کہا۔ ''عورتوں کی باتیں قابل مواخذہ نہیں ہوتیں جانے دو۔''

ابن زیاد۔ خیر زینبؑ دل کی بھڑاس نکل چکی اہلبیت کے۔۔۔۔۔

شہزادی رو دیں، فطرت نے آنسو نے بہا دیئے۔؟؟؟؟؟ کوفہ سے ایک ذلیل اتنی دیر تک دوبدو گفتگو کرتا رہے اور غیرت دار جواب دیتی رہے۔ اللہ کوفہ اور زینبؑ میں کس قدر انقلاب ہو گیا تھا۔

فرمایا، ابن زیادہ بڈھوں کو قتل کیا، گھر کا صفایا کیا، گھر کی بیٹھنے والی عورتوں کو در بدر پھرایا، شاخیں کاٹ دیں، جڑیں اکھاڑ دیں، نہ بچے چھوڑے نہ جوان اگر یہ باتیں شفا بخش وسکون رسا ہیں تو ٹھیک ہے؟ یہ مبہم سوال اور واضح منھ توڑ جواب سن کر امارت وظلم پروری کے نشہ کا ناخدا ہنکارنے لگا۔

درباریوں سے کہا ھذہ سجاعہ۔۔۔ وقد کان ابو ما اسجع منھا

سچ ہے ابن زیادہ زینب علیہا سے زیادہ فصیح ان کے پدر بزرگوار تھے مگر تو اس فصاحت کو بغاوت کی وجہ شجاعت ظاہر کر رہا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھ کر بولا تمہارا نام''؟ فرمایا۔ علی ابن حسینؑ؟؟!

کہا۔ ''اچھا اللہ نے حسین ابن علیؑ کے فرزند کو قتل نہیں کیا''؟

فرمایا۔ ہاں تیرے غلاموں نے میرے ہم نام بھائی کو قتل کر دیا''!

کہا ''بلکہ اللہ نے''

فرمایا۔ ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا'' وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔۔۔'' اللہ لوگوں کو ان کے معینہ وقتوں پر موت دیتا ہے کوئی جاندار یہ حق نہیں رکھتا کہ بغیر حکم خدا مر جائے۔''

کہا (غصہ میں) قتل کر دو، اسے

یہاں پر جناب زینبؑ سلام اللہ علیہا نے وہ ہمت کی جس نے رسولؐ کے محافظ کمال ونسل، زعیم دین ونوح ثانی کی جان بچالی اور ابن زیاد کی اس کاری ضرب کو اسی پر پلٹ کر مقصد امیری کا اہم ترین جزئیہ پورا کر دیا۔

شہزادی نے بڑھ کر زین العابدین کو پکڑ لیا اور فرمایا۔

حسبك یا ابن زیادمن دمائنا۔۔۔ اما ادتویت ،واشتضیت؟ ؟ وھل القبیت منا احدا؟ اسئلك باللہ ان کنت مومنا بہ فاقتلنی معہ ان کنت قاتلہ''؟؟؟

ابن زیاد ہمارے خون تیرے لیے کافی ہیں۔۔ کیا ابھی نہیں تھکا؟ کیا ابھی سکون نہیں ہوا؟ کیا اب کوئی ہم میں باقی ہے؟ خدا کا واسطہ اگر خدا کو مانتا ہے کہ اگر اس چاند کو تہ تیغ کرنا ہے تو اس کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے؟؟

ابن زیاد بہت دیر تک سوچتا رہا، پھر کہنے لگا،

”اللہ کس قدر محبت ہے کہ خود قتل ہونے کو تیار ہیں۔ اچھا چھوڑ دو کہ عورتوں کے ساتھ جائے۔!!!

دنیا نے دیکھا اور دنیا والے دیکھتے رہیں گے کہ جناب زینبؑ کوفہ میں جب شہزادی تھیں جب بھی عفت وغیرت وحریت ان کے قدم چومتی تھی اور جب کوفہ میں قیدی تھیں اس وقت بھی فصاحت، جرأت، عفت، حریت ان کی ادنیٰ صفتیں تھیں۔

وہ پہلے بھی کامیاب تھیں، بعد میں بھی کامیاب رہیں، کامیابی کی حد یہ ہے کہ امام حسینؑ کے نام اور کام کا جزء لازم ہوگئیں۔

عورتیں یہ کردار دیکھیں اور سمجھیں۔!!!

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ۔ جلد ۳۰، شمارہ نمبر ۷۔ ۱۹ر صفر ۱۳۷۲ھ، مطابق ۹ر نومبر ۱۹۵۲ء، ص ۲

ایام عزا کے ختم ہونے کے بعد شیعیان ہند کے لیے لمحۂ فکریہ

سیرت ائمہ سے ہم کو کیا سبق ملتا ہے

(امیر الامراء امیر الدولہ سعید الملک راجہ محمد امیر احمد خان صاحب والی ریاست محمود آباد، اودھ)

تعزیے دفن ہو چکے۔ صف ماتم اٹھ چکی۔ اب نہ وہ رونے کا شور وشین ہے نہ ماتم کی دھڑا دھڑی، سوگ بڑھ گئے، زمانہ عزائے حسینؑ مظلوم ختم ہوا۔ آپ کے جوش محبت اور وفور عقیدت کا کیا کہنا۔ سوا دو مہینہ نہ رات کو رات سمجھا نہ دن کو دن۔ آرام وسکون کیسا؟ پلک جھپکانا تک اپنے اوپر حرام سمجھے۔ ایک ایک دن میں بیس بیس، پچیس پچیس مجلسیں سنیں اور داد مومنیت دی۔ یہ سب کچھ ہوا مگر ٹھنڈے دل سے سوچئے اور انصاف سے کہئے کہ آپ نے حاصل کیا کیا؟ اگر صرف رونا دھونا نجات کے لیے کافی ہو تو ان ملاعین کے آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں جو خیموں میں آگ بھی لگاتے تھے، اہلبیت کے سروں سے چادریں بھی اتارتے جاتے تھے اور روتے بھی جاتے تھے۔ کیا مجلسوں کا مآل صرف چند آنسو بہانے تک محدود ہے؟ کیا حسینؑ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا آپ کا فرض نہیں، اگر ہے اور ضرور ہے تو پھر فرمایئے کہ آپ نے اتباع امام میں کتنے یتیموں کی مدد کی؟ کتنی بیواؤں کی سرپرستی فرمائی؟ اور کتنے اعمال سے بھی احتراز کیا؟

حسینؑ نے حق جان دی تھی۔ جبر واستبداد اور سرمایہ داری سے تبرّا کیا تھا۔ کہئے؟ آپ نے بھی حق کی حفاظت میں اپنے تن من کو کچھ زحمت دی؟ اور جابر قوموں سے عدم تعاون کر کے سچے مسلمان بننے کا ثبوت پیش کیا؟ یہ نہ سمجھئے کہ میں گریہ وزاری کے خلاف ہوں اور کشتۂ ظلم و جفا پر آنسو بہانے کو فعل عبث سمجھتا ہوں مصیبت بھری داستان سن کر آنکھوں سے آنسو کا جاری ہوجانا انسانی فطرت کا جزو ہے۔ جو لوگ گریہ وزاری کو برا سمجھتے ہیں وہ انسانی فطرت سے نا آشنا ہیں۔ مگر یہ سمجھ لینا کہ حسینؑ کی شہادت عظمیٰ صرف اس لیے ہوئی تھی کہ ہم چند آنسو بہا کر خاموش ہوجائیں شہادت کی توہین کرنا ہے۔ گریہ مآل کار نہیں آغاز کار ہے۔

مآل کار تو وہ بلند مقصد ہے جس کے لیے حسینؑ نے جادی تھی اللہ اللہ! دن دن بھر مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے والے ائمہ اطہار کے ماننے والے مفت خوری کے عادی اور محنت ومشقت سے اکارہ بنتے جارہے ہیں۔ اور کسب حال کے معنی یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ کسی مظلوم کی گردن پر چھری چلانا، یتیموں کا حق غصب کرنا، اوقاف کے مال کو شیر مادر کر لینا، رشوت اور اوپری آمدنی، وصول کر کے اپنا کام چلانا نہیں نہیں یہی نہیں بلکہ اس مال حرام سے زیارت وحج کے مقدس فرض کو ادا کرنا۔

حسینؑ اور ان کی آل طاہرہ کے مصائب سن کر روئیے اور دل کھول رو رئیے۔ مگر گریہ وزاری اور ماتم کے شور وغل میں حسینؑ کی آواز ''ھل من ناصر ینصرنا'' (جو حق کوشوں کے کان میں اب تک گونج رہی ہے) نہ بھول جائیے، نہ اس وقتی ہنگامے سے اس مقصد کو نظر انداز کیجئے جس کے لیے حسین نے یہ ساری تکلیفیں برداشت کیں ''حریت'' اور ''مساوات'' جس پر آج روس کو اس قدر ناز ہے، استبداد اور ظلم وستم کے خلاف صف بندی جس پر لینن کے

پیرو اس قدر فخر کر رہے ہیں آپ ہی کے ائمہ کی تعلیم ہے۔

اس زمانہ میں جبکہ روم وایران کی تقلید میں مسلمان حکمراں بھی سرمایہ پرستی اور حریت کشی کے مرض میں گرفتار تھے، یہی ائمہ دین تو تھے جنہوں اعلان حق کیا اور ظالم وجابر سلاطین کو ''اسلام'' کا پیغام سنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکمراں طبقہ ان کا مخالف بن گیا اور ان کی جان کے درپے ہوگیا۔ کسی کو تلوار کے گھاٹ اتارا، کسی کو زہر دغا سے شہید کیا۔

عرب تلوار سے لڑنا جانتے تھے۔ زہر کے استعمال سے آشنا نہ تھے۔ موت کے اس خفیہ پیامبر کی دریافت کا سہرا نام نہاد مہذب اقوام کے سر ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دیا گیا۔ خیبر (یعنی جنگ خیبر) کے زمانہ میں ایک یہودیہ نے بکری کے گوشت میں زہر دیا۔ پھر جب ملوکیت کا دور دورہ ہوا تو مسلمان بادشاہ بھی اس حربہ کو استعمال کرنے لگے۔ رسولؐ کا پیارا نواسہ حسنؑ اسی حربہ کا شکار ہوا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ابن آثال رومی یہودی کی زیر نگرانی امیر معاویہ کے یہاں زہر خورانی کا باضابطہ محکمہ تھا۔ جس کی طرف سے انہیں کچھ شبہ گذرتا فوراً ابن آثال کی معرفت اس کا خاتمہ کرا دیتے اور عباسیوں کی سلطنت میں تو یہ فن اپنے انتہائی نقطۂ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ سچ ہے سلاطین جور اور سرمایہ پرست لوگ تلوار اور زہر دہی کی مدد سے حکومت کرتے تھے اور آڑے وقتوں میں یہی دو چیزیں ان کی مشکل کشائی اور پشت پناہی کرتی تھیں۔ حسینؑ اور ان کے آباواجداد اور اولاد طاہرین کا فلسفہ کیا تھا؟ حق کی حمایت اور ظلم واستبداد سے تبرّا اور بیزاری۔ ہم میں کتنے لوگ اور خود ہمارے رہبران دین میں سے کتنی ہستیاں ایسی ہیں جو اس فلسفہ پر عمل کرتی ہیں یا اس کی تلقین کرتی ہیں؟ ذرا قوم کی مردم شماری

کیجئے ہائے حسینؑ! وائے حسینؑ!! کرنے والے کتنے ہیں؟ اور نمازیوں کا شمار کیا ہے؟ مرثیہ پڑھنے والوں کی تعداد کیا ہے؟ اور سمجھ کر قرآن پڑھنے والے کتنے ہیں؟ جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو خوبیاں تو اس میں سے نکل جاتی ہیں اس کے علاوہ برسر اقتدار قوموں کی برائیاں بھی آجاتی ہیں۔ آج یہی حالت ہماری ہے۔ کہ اپنے ائمہ دین کے محاسن سے نا آشنا ہیں۔ اور مغرب کے ائمہ جور کی برائیوں کے حامل بنتے جاتے ہیں۔

ایک بہت پرانا مقولہ ہے ''شجاعت اور سخاوت کا چولی دامن کا ساتھ ہے'' یعنی جو سخی ہوگا وہ شجاع ضرور ہوگا اور جو شجاع ہوگا وہ سخی ضرور ہوگا برخلاف اس کے بات بات پر تکرار اور تہتک اور کہیں پر درگذر نہ کرنا بزدلی کی علامت ہے۔ آیئے اس مقولہ کی تفسیر حسینؑ کی زندگی میں دیکھئے۔

اٹھائیس صفر ہے حسینؑ اپنے مسموم بھائی کے جنازہ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن کرنے کے لیے جارہے ہیں۔ بنی ہاشم کا ایک بڑا گروہ آپ کے ساتھ ہے۔ انصار میں سے سیکڑوں آدمی جنازہ میں شریک ہیں۔ یکا یک کچھ لوگوں نے مزاحمت کی اور کہا کہ ہم اس جنازہ کو رسولؐ کے قریب دفن نہ ہونے دیں گے۔'' بنی ہاشم بگڑ گئے۔ تلواریں ابل پڑیں اور قریب تھا کہ خونریزی ہونے لگے کہ حسینؑ نے کہا'' مجھے نانا کی امت پیاری ہے۔ میں مسلمانوں کے خون کو بہانا نہیں چاہتا۔ اچھا یہ اگر میرے بھائی کو یہاں دفن نہیں ہونے دیتے تو میں جنت البقیع میں ان کو دفن کروں گا۔

اللہ اللہ ایک طرف تو امام عالی مقام کی یہ صلح پسندی اور دوسری طرف ہماری موجودہ خانہ جنگی اور ہٹ دھرمی۔ مسلمان سیرت حسینؑ کے اس رخ پر غور کرتے تو معلوم ہوجاتا کہ بادی

النظر میں یہ معمولی واقعہ ہدایت کے کیسے کیسے قیمتی موتی اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے۔

اسی طرح اس واقعہ کو لیجئے جب حر کے رسالے نے آپ کا راستہ روک لیا ہے اور آپ نے کوفہ کی راہ چھوڑ کر کربلا کی راہ اختیار کی ہے۔ ہر چند کی راستہ کی تبدیلی سے ایک حد تک مقصد ہی بدل گیا۔ مگر حضرت نے خونریزی کو پسند نہ کیا۔ دنیا کہتی ہے کہ حسینؑ نے سیاسی غلطی کی اور فنون حرب سے ناواقفیت کا ثبوت دیا۔ حُر کے چند سواروں کو مارنا آسان تھا اور کربلا میں ہزاروں سے مقابلہ کرنا مشکل۔ لیکن اس کو کیا خبر حسینؑ معلم اخلاق تھے۔ موقع سے فائدہ اٹھانے والے بادشاہ یا جنرل نہ تھے انہوں نے تو جو قدم بھی اٹھایا وہ اصول اسلام اور حکم خدا کی حدود کا خیال کر کے اٹھایا۔ ''یا رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہ۔''

آج کتنے مسلمان ہیں جو حق وصداقت کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کو قربان کردیں اور اصول اسلام کو بچانے کے لیے جان، مال اور اولاد تک کی پروانہ کریں؟ آج ہم زبان سے تو محبان آل رسولؐ ہونے کا دعوا کرتے ہیں اور عمل ہمارا ان کے مخالفین سے ملتا جلتا ہے۔ اسلام جو امن وامان کا پیغام تھا آج ہمارے ہاتھوں فتنہ وفساد کا باعث بنا ہوا ہے۔ مسلمان جو غیروں کو بھی پناہ دینے کے لیے مشہور تھے آج ایک دوسرے کا گلا کاٹنا فخر سمجھتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہورہا ہے جب ہم کو اتحاد واتفاق کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ کفر والحاد کی مجسمہ طاقتیں ہمارے مقابل صف آرا ہیں اور ہمارا یہ حال ہے کہ آپس ہی میں کٹے مرتے ہیں۔ ہمیں تو یہ ڈر ہے کہ اگر ہمارا یہی طریق عمل رہا تو وہ زمانہ دور نہیں جبکہ مسلمان ہندستان میں اسی طرح معدوم ہوں گے جس طرح آج اسپین میں۔

خدایا مسلمان کس دن بیدار ہوں گے؟

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر۔ جلد ۱۶، شمارہ نمبر ۳۳۔ یکم محرم ۱۳۵۹ھ، مطابق ۱۰ر فروری ۱۹۴۰ سنہ، ص ۲

نواب آصف الدولہ اور عزاداری

(عالی جناب شیخ تصدق حسین صاحب بی اے، ایل ایل بی، لکھنؤ)

پونے دو صدی قبل یعنی ۱۷۷۵ء سے پہلے لکھنؤ کی حیثیت ایک قصبہ کی ایسی تھی۔ یہ ہلال ابھی بدر کامل نہ ہوا تھا۔ اس کی مختصر سی آبادی ٹیلہ حضرت پیر محمد شاہؒ سے لے کر بھدیواں تک متفرق طور پر پھیلی ہوئی تھی۔ تہذیب وتمدن کی لہریں پورے طور پر ابھی یہاں تک نہیں پہنچی تھیں۔ گہنے میں گہنا نتھ اور نایا تو دو چار اکابر ملت اور بزرگان دین کے یہاں مزارات تھے یا فرنگی محل کا مدرسہ نظامیہ تھا جس نے بعہد حکومت شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب غازی جنم لیا تھا اور اسی سرچشمۂ علم وفضل سے سب فرقے یکساں سیراب ہو رہے تھے۔

۱۷۷۵ء میں نواب شجاع الدولہ کے نور نظر نواب آصف الدولہ مرزا یحییٰ علی خاں عرف مرزا امانی اپنی والدۂ محترمہ امۃ الزہرا بیگم مخاطب بہ نواب بہو بیگم صاحبہ سے بوجوہات کشیدہ خاطر ہو کر فیض آباد سے لکھنؤ چلے آئے اور اسی مقام کو اپنا دارالحکومت قرار دے دیا۔ نواب کے دم قدم سے لکھنؤ کے بے رونق چمن میں ایک تازہ بہار آ گئی۔ موصوف نے اس بارے میں باون مواضعات شامل کر کے بڑی بڑی عالیشان فلک بوس محل سرائیں اور کوشکیں بنوائیں اور بہت سے دل کش اور نزہت بخش باغات سے بھی اس کو زیب وزینت دی اور جیتے جی دس لاکھ روپئے سالانہ بمد تعمیرات صرف کرتے رہے اس طور پر لکھنؤ کو شہر کا مرتبہ بخشنے اور اس کو دلہن کی طرح آراستہ کرنے کا سہرا نواب آصف الدولہ کے سر ہے۔ چنانچہ موصوف نے اپنی زر پاشیوں اور کاوشوں سے اس ''ننھے سے پودے کو صرف بائیس برس کی آبیاری سے ایک

چھتنار درخت بنا دیا جس کے زیر سایہ بڑے بڑے علماء وفضلاء وکاملین فن، نامی گرامی شعراء اور مشہور ومعروف ادباء پناہ لینے گئے اور شہر لکھنؤ ہندستان کا پیرس اور فخر اصفہان ہو گیا۔

لکھنؤ میں تعزیہ داری کا عروج بھی انہیں کی ذات سے ہوا۔ چنانچہ جس دوکان میں سربازار تعزیہ ملاحظہ کرتے تو ادھر سے پاپیادہ نکلتے اور کم سے کم پانچ روپئے اور زیادہ سے زیادہ ہزار روپئے بطور نذر چڑھاتے اور کئی لاکھ روپئے ہر سال محرم میں صرف کرتے تھے۔

۱۷۷۴ء میں لکھنؤ میں قیامت خیز قحط پڑا جبکہ آدمی کو آدمی کھائے جاتا تھا اور قحط زدہ لوگ اولاد جیسی پیاری اور محبوب چیز کو فروخت کر کے اپنا پیٹ پال رہے تھے جب رحم دل اور بلند حوصلہ نواب کو رعایا کی تباہی وبربادی کا المناک نقشہ دکھایا گیا تو انہوں نے خزانہ کا منھ کھول دیا اور امام باڑہ کی بطور امدادی کام کے احاطہ مچھی بھون میں داغ بیل ڈال دی مگر سیر چشم اور دریا دل نواب نے اس خیال سے کہ میرا امام باڑہ بہترین قسم کی عمارت ہو اور اب تک جو امام باڑے تعمیر ہو چکے ہیں ان سب سے اعلیٰ وافضل ہو بہت سے نقشے مختلف معماروں سے تیار کرائے مگر کفایت اللہ دہلوی کا نقشہ سب سے زیادہ پسند خاطر ہوا اور اسی کے موافق عمارت تعمیر ہوئی۔ تہی دست اور مفلوک الحال شرفاء جو زمانہ کے ہاتھوں پامال ہو رہے تھے مگر آبرو کے رکھ رکھاؤ کے خیال سے مزدوروں کے ساتھ کام کرنا اپنی کسر شان اور ہتک عزت خیال کرتے تھے وہ شب کی تاریکی میں آکر مشعلوں کی روشنی میں معمولی سا کام کر جاتے تھے اور پاس شرافت سے ان کو معاوضہ میں پورے دن کی اجرت بغیر نام پکارے دے دی جاتی تھی جس سے ان کی کوئی توہین وتذلیل نہیں ہونے پاتی تھی۔ سات برس کے بعد بقول مرزا ابوطالب مصنف تنقیح الغافلین ومعاصر نواب آصف الدولہ یہ مایۂ ناز وشہرۂ

آفاق امام باڑہ بن کر تیار ہوا۔ مرزا کمال الدین حیدر مصنف قیصر التواریخ راوی ہیں کہ اس کی عمارت میں پچاس لاکھ روپئے کی لاگت آئی اور تخمیناً اسی قدر رقم اس کی تذئین وآراستگی میں صرف ہوئے۔

امام باڑہ تیار ہو جانے پر اس کے وسطی ہال میں تعزیہ داری ہونے لگی یہ ہال بقول مسٹر نیول مصنف اور گزیٹیئر ۳۰۲ فٹ لمبا ۵۲ فٹ چوڑا اور ۶۳ فٹ بلند ہے جو خشت اور چونے کی صناعی کا بہترین نمونہ ہی نہیں پیش کرتا ہے بلکہ اس کا شمار دنیا کے اعلیٰ ترین دالانوں میں ہے جس کی چھت بغیر لکڑی یا لوہے کی مدد کے محراب دار بنائی گئی ہے۔

مرزا ابوطالب کے بیان کے مطابق وسطی ہال کی لمبائی ۶۰ گز اور چوڑائی ۳۰ گز ہے۔ امام باڑہ کے آگے ایک بڑا وسیع چبوترہ تھا کے وسط میں ایک حوض بھی بنا تھا مگر اب کوئی حوض چبوترہ موجود نہیں ہے۔ امام باڑہ کے حدود میں ایک ضعیفہ کا مکان بھی آ گیا تھا جس کی وجہ سے عمارت کافی رہی جاتی تھی۔ مگر بڑھیا اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی اور مکان دینے پر کسی طرح راضی نہ ہوئی تھی۔ بالآخر وہ اس شرط پر رضامند ہوئی کہ مکان کے عوض اس کو دوسرا مکان بنوا دیا جائے اور امام باڑہ میں اس کے نام کا تعزیہ بھی ہر سال رکھا جائے۔ نواب نے اس کی دونوں شرطیں منظور کر لیں اور جب امام باڑہ میں تعزیہ داری شروع ہوئی تو عہد کے پکے اور وعدہ کے سچے نواب نے بڑھیا کے نام کا تعزیہ بھی مغربی جانب کی صحنچی میں زندگی بھر خود رکھا اور اب تک اسی مقام پر بدستور سابق رکھا جاتا ہے۔

امام باڑہ کی آراستگی وسجاوٹ کے متعلق مرزا ابوطالب لکھتے ہیں:۔

امام باڑہ کی تکمیل کے بعد سے نواب آصف الدولہ چار پانچ لاکھ روپئے سالانہ اس

کی آرائش وزیبائش پر صرف کرتے تھے۔انہوں نے سینکڑوں چھوٹے بڑے تعزیے چاندی سونے کے بنوائے تھے اور شیشے کے آلات کی؟؟ میں سفید اور رنگین کنول دار و بلا کنول جھاڑ اور فانوس مردنگیں جو خریدی جاتی تھیں وہ حدوحساب سے باہر تھیں۔ امام باڑے کے کل بڑے بڑے دالانوں کی چھتیں اور فرش شیشہ آلات سے پٹے پڑے تھے اسی لیے زیارت کرنے والوں کے لیے اندر بالکل گنجائش نہ رہتی تھی اور زائرین کھلے ہوئے چبوترہ پر بیٹھ کر دور سے زیارت کرتے تھے اس قدر ساز وسامان موجود ہوتے ہوئے بھی نواب کو سیری نہ ہوتی اور جب ڈاکٹر بلین ولایت جانے لگے تو نواب نے ان سے ایک سنہرا اور ایک سرخ تعزیے اور جھاڑوں و دیگر سامان شیشہ آلات کی فرمائش کی۔کل سامان کی قیمت ایک لاکھ روپئے طے پائی۔۱۲۱۱ھ میں ایک تعزیہ آ گیا اور دوسرے کے لیے سال آئندہ کا وعدہ ہوا۔

۱۸۲۴ء میں بزمانۂ حکومت شاہ غازی الدین حیدر پادری ہیبر صاحب بہ سلسلۂ سیاحت لکھنؤ بھی آئے تھے۔امام باڑہ آصفی کی نسبت وہ حسب ذیل رقم طراز ہیں۔

اس مقدس عمارت میں بہ کثرت جھاڑ لٹک رہے تھے جس کی سنہری اور روپہلی ڈالوں اور پھل دار ترشی ہوئی خوش رنگ قلموں کی چمک دمک سے آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوئی تھی اور جو جھاڑ بہت وزنی اور لٹکانے کے قابل نہ تھے وہ فرش پر رکھے ہوئے تھے۔ ان جگمگاتے ہوئے بیٹھک کے جھاڑوں کا نچلا حصہ بہت گھیر دار تھا اور اوپر کی جانب گاؤدم ہوتے چلے گئے تھے۔ان کے بیچ بیچ میں نقرئی اور مرصع کار روضے یا تعزیے جو آٹھ دس فٹ بلند ہوں گے رکھے ہوئے تھے۔ان کے علاوہ نوابان اودھ کے پرانے زمانے کے زربفتی ٹیکے جن پر آیات قرآنی کڑھی ہوئی تھیں بڑے بڑے نقرئی پنجے جن پر بخط طغرا الفاظ کندہ تھے

مقدس ڈھالیں جن پر خدائے قدوس کے اسم گرامی پر مرصع کاری کی گئی تھی۔خراسانی تلواریں نیزے اور بھالے مشہور زمانہ سپہ سالاروں کے عمامے اور چند مخصوص قسم کے متبرک منبر بھی تھے جو امام باڑہ کی زیب وزینت میں اور چار چاند لگا رہے تھے۔''

آصف الدولہ نے ۲۱ ستمبر ۱۷۹۷ء کو انتقال کیا اور اپنے ہی تعمیر کردہ امام باڑہ میں سپرد خاک کیے گئے۔مگر بدقسمتی سے انہوں نے امام باڑہ کی شکست وریخت کی مرمت ومصارف امام باڑہ کے لیے کوئی جائداد وقف نہیں کی اس وجہ سے یہ عرصہ تک وقف حسین آباد کی زیرنگرانی رہا۔اب کچھ عرصہ سے محکمہ تحفظ آثار قدیمہ نے اس کو باستثناء مسجد اپنے تحت میں لے لیا ہے۔آصف الدولہ کے مرقد کے علاوہ ایک اور قبر بھی امام باڑہ میں ان کی بیوی شمس النساء بیگم کی ہے۔موصوفہ اور نواب سعادت علی خاں میں موافقت نہ تھی اس وجہ سے وہ الہ آباد میں سکونت پذیر تھیں اور وہیں رحلت کی مگر بزمانۂ حکومت شاہ غازی الدین حیدر ان کی لاش الہ آباد سے لکھنؤ لاکر آصف الدولہ کی قبر کے مشرقی پہلو میں دفن کی گئی۔مس سڈنی ھے نے اپنی کتاب ہسٹارک لکھنؤ میں بعد جانچ تحقیقات لکھ مارا ہے کہ آصف الدولہ کی قبر کے برابر کفایت اللہ معمار کی قبر ہے۔مگر یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔کفایت اللہ کی مسجد موسومہ بلدار مسجد اور امام باڑہ محلہ مصاحب گنج میں ہے۔عہد آصفی کا یہ مایۂ ناز معمار جس کی تعمیر کی ہوئی عمارت کو دیکھ کر یورپ کے بڑے بڑے انجینئر انگشت بدنداں ہوجاتے ہیں۔اپنے ہی امام باڑہ واقع مصاحب گنج میں موت کی میٹھی نیند سو رہا ہے۔

آصف الدولہ کے عہد دولت میں چھتوں کا کوئی قلابہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی جھاڑ، ہانڈی یا جھابہ نہ آویزاں ہو مگر وہ زمانہ اس کی بہار کا تھا۔اب خزاں رسیدگی کے زمانے میں

پت جھڑ ہوجانے کے بعد صرف چند قد آدم آئینے جن میں پرانی وضع کے سنہرے چوکھٹے لگے ہیں اور تھوڑا سا شیشہ آلات باقی رہ گیا ہے اس کی سامان کے متعلق منشی رام سہائے تمنّا جو حضرت محمد علی شاہ کے ہم عصر تھے اپنی کتاب افضل التواریخ میں تحریر کرتے ہیں کہ امام باڑہ حسین آباد کی آرائش کے لیے امام باڑہ آصف الدولہ کی قیمتی ونادر اشیاء منگوالی گئی تھیں۔ زینت حسین آباد باعث بے رونقی امام باڑہ کلاں ہوئی اور روشنی بھی کم ہونے لگی مگر ''نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی'' امام باڑہ آصفی کی عمارت خود اتنی پر صفت اور پر عظمت ہے کہ اس ننگی بوچی حالت میں بھی اپنے پرائے ملکی وغیر ملکی سبھی اس کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں اور اودھ کے دوسرے فرمانرواؤں کی آراستہ وپیراستہ عمارتوں کا اس کو سرتاج خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت اس عمارت کے تناسب نے اور سونے پر سہاگہ کا کام دیا ہے جس سے اس کی دلکشی اور دل فریبی میں اور چار چاند لگ گئے ہیں اور بغیر امام باڑہ آصفی عمارات لکھنؤ کا تصور بے دولہا کی برات معلوم ہوتا ہے۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر۔ جلد ۲۸، شمارہ نمبر ۱۔ محرم ۱۳۷۰ھ، مطابق ۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۰ء، ص ۱۷

رُدولی کا محرم

(عالی جناب غضنفر علی خاں)

قبل اس کے کہ ردولی کے محرم کے متعلق کچھ لکھا جائے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ردولی یوپی میں ضلع بارہ بنکی کا سب سے بڑا قصبہ ہے۔ اور لکھنؤ سے ۵۶ میل کی دوری پر واقع ہے جس کی آبادی تخمیناً پندرہ ہزار ہے۔ یہ قصبہ ردولی شریف کے نام سے جہاں اور خوبیوں کے لیے مشہور ہے وہاں محرم کے لیے بھی کافی شہرت یافتہ ہے۔

ردولی کے محرم کے ذکر کے ساتھ ساتھ عالی جناب چودھری حاجی حرمین شریفین زائر جناب ابا عبداللہ الحسین، سید ارشاد حسین صاحب دامت اقبالہ تعلقہ دار ریاست عالیہ ''نرولی'' کے نام نامی کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ یہاں کے محرم کی شہرت موصوف ہی کی توجہ وجذبۂ عزاداری امام مظلومؑ کی بدولت ہے۔ موصوف اپنی دیگر خصوصیات وخوبیوں کے علاوہ ایک سچے عزادار اور عزاداری کو اس کی منزل تک پہنچادینے والے کی حیثیت سے دور ونزدیک ہر خاص وعام اور ہر ملت اور ہر مذہب کے لوگوں میں اچھی طرح سے متعارف ہیں۔

موصوف کا تعمیر کرایا ہوا امام باڑہ موسومہ قصر الحسین واقع ارشاد منزل دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور جو اپنی مثال آپ ہے بوقلمونی اور قیمتی جھاڑ فانوس سے سجا ہوا نئے زمانہ کی اعلیٰ درجہ کی دستکاری اور کاریگری کا نادر شاہکار ہے۔ عربی طغروں اور بیل بوٹوں میں نظریں جم کر ہٹنا نہیں چاہتی ہیں۔ نقرئی ضریح مبارک اور گنگا جمنی گہوارہ جناب علی اصغر لکھنؤ کے نفاست پسند دستکاروں کے دو بہترین جوہر ہیں۔

حفظ ماتقدم کے لیے جناب چودھری صاحب مدظلہ نے قصرالحسین کے لیے ۵ رنومبر ۱۹۴۶ء کو ایک بہت بڑا وقف بھی کر دیا ہے جس کا نام ''وقف حسینیہ ارشادیہ ردولی ہے۔ موصوف کی سرپرستی میں ایک خاص ماتمی انجمن موسوم بہ ''انجمن ارشادیہ ردولی قائم ہے جو صرف قصرالحسین اور دوران محرم میں جلوس وغیرہ میں پڑھتی ہے۔ انجمن کے ممبران زیادہ تر ریاست کے ملازم ہیں۔

یوں تو ۲۵ رذی الحجہ ہی سے ردولی کی فضا پر غم شاہ شہیداں اور الم امام مظلومؑ کے بادل چھا جاتے ہیں مگر چاند دیکھنے کے بعد یہ بادل اور گاڑھے ہو جاتے ہیں۔ ہر عزاخانہ گریہ وبکا اور آہ وزاری کا مرقع بن جاتا ہے۔ ساری بستی سوز ودرد کے سمندر میں غرق ہو جاتی ہے۔ ایک ماتمی انجمن چاندرات کو لکھنؤ سے آجاتی ہے جو ۱۱ رمحرم کو واپس جاتی ہے۔ سلطان پور سے ایک ارگن بینڈ مستقلاً عشرۂ محرم کے لیے آجاتا ہے جو سیوم تک رہتا ہے۔ ایک چوکی طاشہ نوازوں کی محرم بھر رہتی ہے۔

(الف) مندرجہ ذیل مقامات وحضرات کے یہاں ۹ رمحرم تک روزانہ مجلسیں ہوتی ہیں۔ یہ مجالس صبح بعد نماز شروع ہو کر ۱۲ ربجے شب کے قریب ختم ہوتی ہیں۔

۱۔ حسین علی عرف رجو صاحب

۲۔ غضنفر علی صاحب وجعفر علی صاحب کٹرہ

۳۔ سید شبیہ الحسن صاحب مرحوم قضیانہ

۴۔ درگاہ کلاں جناب حضرت عباس محلہ سالار

۵۔ مقبرہ سید چودھری رضا حسین صاحب مرحوم مغفور منجانب سید اختر حسین صاحب صوفیانہ

۶۔ حسینہ محبوب میاں مرحوم منجانب سید اختر حسین صاحب صوفیانہ

۷۔ قصرالحسن واقع ارشاد منزل

۸۔ درگاہ خورد جناب حضرت عباسؑ شیخانہ

۹۔ امام باڑہ آصفیہ صوفیاء

۱۰۔ مولوی جعفر مہدی صاحب رزمؔ محلہ مخدوم زادہ

۱۱۔ امام باڑہ محمد ہاشم صاحب صوفیانہ

۱۲۔ سید غلام اصغر عرف کھدن صاحب صوفیانہ

۱۳۔ قاضی رضا حسین صاحب صوفیانہ

۱۴۔ سید صابر حسین صاحب گوڑیانہ

(ب)۔ زنانی مجلس قریب قریب ہر گھر میں مستقل ہوتی ہیں اور عزاخانہ جناب عالیہ چودھرائن صاحبہ اعلیٰ اللہ مقامہا وحسینہ میاں محبوب مرحوم میں چاندرات سے لے کر ۲۰ رصفر تک بعد مغرب بین روزانہ مجالس عزا برپا ہوتی ہیں۔

(ج)۔ قصرالحسین میں روزانہ ایک مجلس اعلیٰ پیمانہ کی ہوتی ہے۔ عشرہ محرم میں سلطان الذاکرین جناب مولوی سید سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی پڑھتے ہیں قبل کی مجلسوں میں ۲۵ رذی الحجہ سے شروع ہوتی ہیں عمدۃ الواعظین جناب مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ مجتہد وسید الواعظین جناب مولانا سید ابرار حسین صاحب قبلہ پاروی وسید سرفراز حسین صاحب خبیرؔ لکھنوی بھی تشریف لاتے ہیں۔

(د)۔ اندرون محل سرا ارشاد منزل میں روزانہ مجلسیں ہوتی ہیں جس میں لکھنؤ کی

سوزخوانیاں وزنان ماتمیان سوز ونوحے پڑھتی ہیں۔محلہ صوفیانہ ونیز دیگر محلہ جات کی خواتین ومستورات شرکت فرماتی ہیں۔

(ہ)۔قصرالحسین میں چاندرات ودیگر کئی تاریخوں میں رات کو بھی مجلسیں ہوتی ہیں۔

یکم محرم الحرام:۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔عموماً ہر خزانہ میں مجلسیں برپا ہوتی ہیں۔مگر ''حسینیہ ارشادیہ'' کی مجلس بجائے قصرالحسین کے اندرون محل سرا میں ہوتی ہے۔

۲ رمحرم:۔ اس تاریخ میں جلوس ضریح مبارک قصرالحسین ارشادمنزل خاص طور سے قابل ذکر ہے،جس میں قصبہ واطراف ردولی اور بیرون جات کی چھبیس ستائیس ہزار اشخاص کا اجتماع ہوتا ہے۔اندازاً تین فرلانگ لمبا یہ جلوس مختلف قسم کی ریشمی،مخملی ، اونی، سوتی، رنگین اورفوق البھرک وردیوں میں ملبوس ہوتا ہے۔جن کے ہاتھوں میں وردی کی مناسبت سے ریشمی مختلف وضع کی جھنڈیاں،سیاہ نقشیں ایرانی بیرقیں،مخملی اور ریشمی علم،نقرئی عصے،گنگا جمنی بلم بندوقیں اورتلواریں ہوتی ہیں۔آٹھ دس ہاتھی اور چار چھ اونٹ بھی ہوتے ہیں ایک ہاتھی پرگنگا جمنی ہودج بھی رکھا جاتا ہے۔ہاتھی سبز مخملی جھول ٹیکے اورنقرئی گھنوں سے آراستہ وپیراستہ ہوتا ہے اونٹوں پر ڈنکے کسے ہوتے ہیں جن پر ساربان برابر چوٹ دیتے رہتے ہیں۔ذوالجناح بہت سلیقہ اور ہشیاری سے سجایا جاتا ہے اس کے تمام زیورات علاوہ ڈھال تلوار کے نقرئی اورسونے چاندی کے نقشیں کام کے ہوتے ہیں،سرخ ساٹن پر سونے کے تاروں سے کڑھا ہوا نقرئی مٹھیا کا چھتر اس کی آرائش اورزیبائش کو دوبالا کردیتا ہے۔گیس بتیوں کا کافی انتظام ہوتا ہے۔رات پر دن کا گمان ہونے لگتا ہے۔شام کے آٹھ بجے سے پہلے جلوس کی ترتیب شروع ہوجاتی ہے۔روانگی جلوس سے قبل لکھنؤ کا ارگن بینڈ کوئی

مخصوص محرمی پر درد،دھن میں بجتا ہے اوراس کے ختم ہوتے ہی ڈیڑھ درجن کے قریب آگے پیچھے لگے ہوئے مختلف قسم کے باجے درد بھری لے میں چیخ اٹھتے ہیں اورمجمع جلوس کے ساتھ رینگنے لگتا ہے۔''انجمن ارشادیہ ردولی'' اورلکھنؤ کی انجمن اپنے اپنے نوحے شروع کردیتی ہیں، قدم قدم پرنوحہ خوانی ہوتی ہے۔۹/بجے کے قریب حرکت میں آیا ہوا جلوس ضریح مبارک چار بجے صبح یااس کے بعد واپس ہوتا ہے۔موم،رنگین کاغذ اور بانس سے بنی ہوئی لمبی چوڑی ضریح مبارک اپنی مثال آپ ہوتی ہے۔

جناب چودھری صاحب موصوف بذات خود شروع سے لے کر آخر تک جلوس کے ہمراہ رہتے ہیں۔کمال تو یہ ہے کہ ارشادمنزل کے اٹھے ہوئے ارشادمنزل میں آکر بیٹھتے ہیں۔ایک نازک مزاج رئیس کے لیے اتنی سخت ریاضت اورمحنت امام مظلومؑ سے سچی اورقلبی عقیدت نہیں تو اورکیا کہا جاسکتا ہے۔

مجموعی طور سے دور سے دیکھنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''چراغوں کا دریا'' اپنے دامن میں دردوالم ،سوزوغم کی چیخیں سمیٹے مائل بہ خرام ہے۔واپسی میں جوحضرات ارشادمنزل تشریف لاتے ہیں ان کوخاص اہتمام سے بنائی ہوئی چائے پلائی جاتی ہے۔

جلوس کا انتظام ریاست کا اسٹاف ہی کرتا ہے جس کے لیے وہ داد کا مستحق ہے۔ جلوس کی آرائش سجاوٹ اورحسن انتظام کے جناب سیدعلی محمد صاحب زیدی منیجر ریاست عالیہ نرولی برادرِ خورد جناب چودھری صاحب موصوف خاص طور سے قابل صد ستائش ولائق مبارکباد ہیں۔

۳ رمحرم:۔ ''حسینیۂ ارشادیہ'' کی طرف سے قصرالحسین میں مجلس ہوتی ہے اور

دیگر عزاخانوں میں مجلسیں ہوتی ہیں۔ شام کو محمد ہاشم صاحب امامباڑہ صوفیانہ کے لیے اپنا تعزیہ لے کر جلوس کی صورت میں لاتے ہیں جس میں دو تین قسم کے باجے اور جھنڈیاں وغیرہ ہوتی ہیں، کوئی ایک انجمن نوحہ خوانی بھی کرتی ہے۔

۴ رمحرم :۔ حسب معمول قصر الحسین اور دیگر عزاخانوں میں مجلس ہوتی ہیں۔ شام کو مولوی جعفر مہدی صاحب ازم مخدوم زادہ کے یہاں بعد مجلس جلوس ضریح مبارک اٹھتا ہے۔ جلوس کافی خوبصورت اور سجا ہوا ہوتا ہے۔ مرثیہ ونوحہ خوانی بھی ہوتی ہے اچھا خاصہ مجمع ہوتا ہے ۔رات کے ایک یا دو بجے واپسی پر چائے پلائی جاتی ہے ضریح مبارک قابل دید ہوتی ہے۔

۵ رمحرم :۔ قصر الحسین و دیگر حضرات ردولی کے یہاں زنانی ومردانی مجلسیں ہوتی ہیں۔

۶ رمحرم :۔ ''وقف حسینیہ ارشادیہ'' کی طرف سے قصر الحسین میں دوسرے وقت مجلس امام مظلومؑ برپا ہوتی ہے مگر تبرک میں بجائے شیرینی کے لنگر ہوتا ہے خاص وعام تقریباً پانچ ہزار جمع ہوتے ہیں امیر وغریب سب میں ایک ہی قسم کا تبرک تقسیم ہوتا ہے خاصا اور تصرفی کا کوئی سوال نہیں ہوتا چھوٹوں بڑوں اور گود کے بچوں کو سب کو برابر حصہ دیا جاتا ہے۔ تعلقدار صاحب خود بھی شروع سے آخر تک تقسیم دیکھتے رہتے ہیں ہزاروں آوازوں کا ملا جلا شور ایک طرف زمین پر ہوتا ہے تو چیل اور کوؤں کا آسمان پر۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اتنے بڑے مجمع میں چاہئے تھا کہ کچھ کچل جائیں مگر انتظام اچھا ہونے کی وجہ سے شاید ہی کبھی کوئی ایسی بات ہوئی ہو۔ چودھری صاحب ممدوح فقراء اور غرباء کی حالت سے متاثر ہوکر خود بھی فرمایا کرتے ہیں۔ اس کو دو حصے دیئے جائیں اور اس کو چار مجلس ۳ بجے سہ پہر میں شروع ہوتی ہے مگر عام لوگ سویرے ہی سے پھاٹک صدر کے باہر جمع ہونا شروع ہوجاتے

ہیں اور کہیں گیارہ ساڑھے گیارہ بجے رات کو کھانا تقسیم ہونا بند ہوتا ہے یہ لنگر جیسا کہ آگے بتایا جائے گا تین روز متواتر ہوتا ہے۔ ۶ / ۷ / اور ۸ محرم۔

۷ رمحرم :۔ محلہ صوفیانہ میں عام طور سے شیعہ واہل سنت جماعت حضرات کے یہاں مجلسیں ہوتی ہیں جن میں حاجی غلام عباس صاحب رزاقی کی مجلس بہت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے۔ ہر چھوٹے بڑے کے یہاں جناب تعلقہ دار صاحب شریک ہوتے ہیں۔ دس بجے کے قریب مجلسیں ختم ہوتی ہیں بعد مجلس صوفیانہ کے علم اٹھتے ہیں اور پوری بستی میں گشت کرتے ہیں جگہ جگہ لنگر ہوتا ہے، روٹیاں لٹائی جاتی ہیں سبیل رکھی جاتی ہے محلہ پورہ خان میں بھی اہل سنت والجماعت حضرات کے علم اٹھتے ہیں۔ امام باڑہ کلاں صوفیانہ سے رات کو دس بجے مہندی اٹھتی ہے۔

۸ رمحرم :۔ محلہ شیخانہ اور سالار کے علم اٹھتے ہیں۔ ۷ / ۸ رمحرم کو جتنے علم اٹھتے ہیں سب ارشاد منزل ضرور آتے ہیں جہاں شربت پلایا جاتا ہے اس تاریخ کو قصر الحسین کا لنگر مغرب سے پہلے ختم کردیا جاتا ہے کیونکہ شام کو وقف حسینیہ ارشادیہ کی جانب سے اندرون محل سرا سے علم اٹھتے ہیں۔ جناب چودھری صاحب بھی ساتھ رہتے ہیں، مرثیہ خوانی ونوحہ خوانی ہوتی ہے۔ ردولی اور آس پاس کے مواضعات کے لوگ شرکت کرتے ہیں۔ بارہ بجے رات کو علم واپس ارشاد منزل ہوتے ہیں۔ واپسی میں حضرات مومنین کو چائے پلائی جاتی ہے۔ رات میں چودھری شفیق الرحمن صاحب محلہ مخدوم زادہ کے علم اٹھتے ہیں جو رات بھر بستی میں گشت کرائے جاتے ہیں۔ جگہ جگہ چائے، شربت اور پانی کی سبیلیں رکھی جاتی ہیں۔

۹ رمحرم :۔ صبح کو قصر الحسین میں منجانب جناب سید علی محمد صاحب زیدی برادر عزیز

جناب چودھری صاحب مدظلہ منیجر ریاست ایک یادگار مجلس ہوتی ہے۔ دوسرے وقت امام باڑہ کلاں صوفیانہ سے علم اٹھ کر قصر الحسین میں آتے ہیں۔ مجمع برہنہ پا اور ننگے سر ہوتا ہے۔ قصر الحسین میں مجلس منعقد ہوتی ہے۔ مولوی ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی پر درد مصائب بیان فرماتے ہیں، بعد مجلس علم اٹھ کر گوڑیانہ محلہ میں زائر حسین صاحب کی مسجد میں جاتے ہیں جہاں مجلس کے بعد لنگر ہوتا ہے۔

شام کو قصر الحسین و نیز ارشاد منزل کی عالی شان عمارت میں روشنی ہوتی ہے۔ قصر الحسین بقعہ نور بن جاتا ہے۔ بوقلمونی جھاڑ فانوس اور رنگ برنگی قلمیں ڈالیں جگمگا اٹھتی ہیں ذرہ ذرہ سے نور کا دریا پھوٹ نکلتا ہے۔ امام باڑہ کے سامنے کی دیوار پر قطار سے لگائے ہوئے سبز و سرخ جلتے ہوئے کنول دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوار صرف چراغوں ہی سے بنی ہوئی ہے۔ قصر الحسین کے چبوترے کے سامنے جنگلے دار پارک ہے جس میں ایک سنگ مرمر کا حوض اور حوض میں مرمریں مصنوعی فوارہ بھی ہے اس کے آہنی جنگلوں کے چاروں طرف چوبی ٹٹیوں پر چراغوں کی ڈھکیا دار گنجان قطاریں جلائی جاتی ہیں۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ چراغوں کا باغ کھل جاتا ہے۔ پارک کے داہنے بائیں راستوں پر چراغ کے پھاٹک بھی بنائے جاتے ہیں علاوہ بریں ارشاد منزل کی دیواروں پر چراغوں کی قطاریں لگی ہوتی ہیں۔ صدر پھاٹک کے باہر بھی روشنی ہوتی ہے اور باہر سڑک پر ہوٹل چائے اور پان کی دکانیں کھل جاتی ہیں۔

دیہاتی عورتوں کی غول دہے روتی ہوئی آتی ہیں اور یہ سلسلہ رات بھر جاری رہتا ہے ایک عام شب بیداری ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جعفر مہدی صاحب کے یہاں اور امام باڑہ کلاں صوفیانہ میں بھی روشنی ہوتی ہے پورے قصبہ میں شیعہ سنی حضرات کے عام طور

سے تعزیہ داری ہوتی ہے جن کو رات بھر لوگ دیکھتے رہتے ہیں۔

۱۰ محرم:۔ علی الصباح مولوی جعفر مہدی صاحب رزمؔ کے یہاں جلوس تدفین ضریح مبارک اٹھتا ہے اور ۸ بجے سے پہلے یا اس کے بعد بمقام دوہاد ہاری تعزیہ دفن ہوتا ہے اس کے بعد ارشاد منزل سے جلوس اٹھتا ہے۔ سال گذشتہ کی ضریح مبارک اور اندرون محل سرا کی ضریح مبارک دونوں باہر لائی جاتی ہیں۔ علاوہ ہاتھیوں کے تمام ساز و سامان ۲ محرم کا ہوتا ہے۔ جناب چودھری صاحب بھی سر برہنہ جلوس کے ہمراہ رہتے ہیں۔ دس دس قدم کے بعد نوحہ خوانی و سوز خوانی ہوتی ہے۔ دیہاتی عورتوں اور مردوں کے ٹھٹھ لگے رہتے ہیں۔ دو بجے کے قریب ضریح مبارک کربلا موسومہ امام باغ جوردولی سے تقریباً ۶ فرلانگ کی دوری پر ہے پہنچتی ہے اور بعد تدفین ضریح مبارک جلوس وہیں ختم ہوجاتا ہے واپسی پر ارشاد منزل میں فاقہ شکنی ہوتی ہے جس کے لیے ست نجا اور چائے تقسیم ہوتی ہے۔

شام غریباں:۔ ۱۰/۱۱ و ۱۲ محرم کو تعلقہ دار صاحب موصوف نماز مغرب بین کربلا ہی کی مسجد میں ادا فرماتے ہیں جس کو عرصہ دس سال کا ہوا موصوف کے تعمیر کرایا ہے۔ بعد نماز مسجد سے تشریف لاکر ضریح مبارک قصر الحسین و اندرون محلسرا کے غاروں میں مومی شمعیں روشن فرماتے ہیں بعدہٗ مجلس شام غریباں برپا ہوتی ہے۔ امام باڑہ صوفیانہ کے تعزیہ کے غار پر مومنات کا ایک جم غفیر ہوتا ہے جہاں منتی شیرمالیں، روٹیاں چڑھائی اور اٹھائی جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ دس بجے رات تک رہتا ہے ۱۱ و ۱۲ محرم کو بھی مجلسیں ہوتی ہیں جس میں جناب چودھری سرفراز احمد صاحب تعلقہ دار کی مسجد میں نہایت پرشکوہ مجلس سوئم قابل ذکر ہے۔

گذارش:۔ میں حضرات ناظرین و مومنین سے استدعا کروں گا کہ وہ اگر

’’ردولی کا محرم‘‘ نہیں دیکھ سکتے ہیں تو کم از کم جلوس ضریح مبارک ارشاد منزل ۲ رمحرم اور روشنی شب عاشور ملاحظہ فرمانے کی ضرور کوشش کریں اور یہ دیکھ لیں کہ ردولی میں عزاداری کس معراج پر گامزن ہے۔ اور حضرات شیعہ وسنی کس طرح ایک دوسرے میں خلط ملط ہیں۔ ردولی کے محرم کی ہر چیز ایک طویل مضمون کی طالب ہے اور مضمون ہذا میں کوئی وضاحت نہیں ہوسکی ہے صرف خاص خاص نوٹ دے دیئے گئے ہیں جو دماغ میں صحیح نقشہ بنانے کے لیے ناکافی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر صحیح تصویر کھینچ بھی دی جائے تو ’’شنیدہ کے بود مانند دیدہ‘‘۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر۔ جلد ۲۸، شمارہ نمبر ۱۔ محرم ۱۳۷۰ھ، مطابق ۱۴ ر اکتوبر ۱۹۵۰ء، ص ۸۴

انسانِ کامل حضرت امام حسینؑ

علامۂ ہندی مولانا سید احمد نقوی مجتہد

تاریخ داں جانتے ہیں کہ ۶۱ھ سے چند روز پیشتر وحدانیت خدا اور رسالت محمد مصطفٰےؐ کا پرچم عرب وعجم ومصر وشام وحجاز عراق پر لہرا رہا تھا۔ دفعتاً کیا انقلاب آیا کہ اسی رسولؐ کا فرزند، توحید کا علمبردار بھوکا پیاسا ذبح ہوگیا۔ اس کی صرف دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔

یا نعوذ باللہ فسق وفجور آرام طلبی، جاہ طلبی، زر پرستی نام ونمود کی خواہش، ریاکاری ودیگر انسانی قبائح نے خاندان رسالتؐ کو گھیر لیا تھا؟ حاشا! افسر خاندان رسالت حسینؑ صبر وتحمل ایثار وشجاعت، تقوے وطہارت خوف خدا اور علوم ربانی کا حامل تھا اور صفات قدسیہ کا پیکر، اوصاف نبویہ کا مجسمہ اور انسان کامل تھا۔ جسکا ہر ہر عمل تکمیل انسانیت کا ضامن اور جس کے ہر فعل کی تاسی متمم انسانیت تھی۔ حسینؑ ہی وہ مقدس ذات ہے جو ہر قوم ہر ملک ہر صحیح تمدن اور ہر مذہب وملت کے لئے مساوی طور پر مرکزیت کے قابل ہے۔ حسینؑ کسی خاص مذہب وملت وملک وقوم کی شخصیت نہیں ہے۔ وہ عالم انسانیت میں ہر ایک کی ملک وسرمایہ بننے کا مستحق ہے۔ جس کے

صفات کاملہ کی مختصر فہرست آئندہ اوراق میں ہم دیں گے۔(انہیں عنوانات کے تحت میں امامؑ کی مکمل ومفصل سوانح عمری لکھی جاسکتی ہے جو بطور حاشیہ وشرح ہونا چاہئے) یہ فہرست اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ خاندان رسالت میں ہر گز ہرگز نقص نہیں پیدا ہوا تھا بلکہ اس خاندان کا سردار بہت زائد تکمیل کے ساتھ اپنی ہستی پیش کررہا تھا۔

پھر آخر اس انقلاب کا باعث کیا ہوا؟ صاف وواضح ہے۔قوت وعظمت، شان وشوکت وحکومت ودولت وثروت نااہلوں میں آگئی تھی۔جن کی پچھلی تمام نسلیں خود رسولؐ وخاندان رسولؐ کو امکانی اذیتیں پہنچا چکیں تھیں اور بدترین دشمن انہیں کے تخت خلافت پر حکمراں تھے جو اعلانیہ فسق وفجور میں مبتلا تھے اپنے بزرگوں کے کینے رسولؐ سے نکالنا چاہتے تھے اور اپنے اعمال قبیحہ وافعال شنیعہ اپنے مظالم اور اپنے انسان سوز حرکات پر خود فرزند رسولؐ سے مہر تصدیق لینا چاہتے تھے۔

وہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر یہ ذات رہ جائے گی تو دین اسلام ان کے مٹائے نہ مٹے گا۔وہ چاہتے تھے کہ اسلام کی صداقت سے ہوا کو پھرا دیکھ کر حسینؑ کو مغلوب کر لیں تاکہ پھر ظلم وکفر کی طغیانی کا مقابلہ شرق سے غرب تک کوئی نہ کرسکے۔

یہ لوگ حسینؑ ابن علیؑ کو نہ سمجھے۔ان سے ناواقف تھے۔دنیا بدل گئی مگر حسینؑ اور آپ کے سترہ عزیز اور پچپن رفیق نہ بدلنا تھا نہ بدلے۔یزید کی طاغوتی قوت

حسینؑ کی لاہوتی طاقت کے سامنے مفلوج وبیجان ہوگئی۔اسی طرح سے حسینیت پر مرمٹنے والوں کے آگے طاغوتی طاقت شیطانی قوت مادیت وعسکریت کوئی چیز نہیں ہے بے جان وبے حقیقت ہے۔حسینیت اختیار کرکے جب چاہو بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کرکے دیکھو فتح کا سہرا ہمیشہ حسینیت کے سر رہے گا۔مبارک ہیں وہ قومیں جو حسینیت اختیار کرتی ہیں۔

اس رسالہ کا موضوع یہی ہے کہ ہم حسینیت کے صحیح مفہوم کا قوم سے تعارف کرائیں۔اور یہ بتادیں کہ ایک کامل انسان میں کن عملی چیزوں کی ضرورت ہے۔ہم نے یہ ایک مختصر سا خاکہ کھینچا ہے اور اس وجود مقدس کے ناپیدا کنار سمندر کے یہ چند قطرے ہیں جن کو پیش کرنا چاہا ہے۔امید وآرزو ہے کہ اہل تاریخ احتیاط کے ساتھ نہایت تفصیل وبسط سے حسینی زندگی پر فلسفیانہ تبصرے کرکے حسینی شان کو اقوام عالم میں پیش کریں اور مختلف زبانوں میں لاکھوں کی تعداد میں اس کی نشر واشاعت کریں۔ہم نے اپنے ضعیف ہاتھوں سے یہ چند سطریں پیش کی ہیں ساتھ ہی اس کا انگریزی ترجمہ بھی تیار کرالیا ہے۔کہاں ہیں حسینؑ پرست۔نہیں نہیں۔بلکہ کہاں ہیں انسانیت پرست۔حسینؑ پر فدا ہونے والے آویں اور ہماری مدد کریں اور ترجمۂ انگریزی کو بھی شائع کرکے حسینؑ سے اس مقدس خدمت کا صلہ لیں۔

حضرات! یہ زمانہ تخییل وشاعری کا نہیں ہے۔ حقیقت حسینیت کو پہچانو اور اسی کی کوشش کرو۔ زمانہ بدل چکا ہے اور ہم سے مطالبہ کر رہا ہے کہ اپنی تحریر وتقریر کو بدلیں۔ ہم نے حسینی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے غیر مشہور واقعات میں مستند تاریخوں کے حوالے بھی دئے ہیں اور مشہور واقعات تو ہر تاریخ میں موجود ہیں۔ تاریخ نویسوں، مضمون نگاروں اور مورخوں کو چاہئے کہ عنوانات مندرجہ پر بحث کریں اور تاریخ نویسی کی نئی بنیاد ڈالیں۔

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ۔

احمد النقوی ۲۹/ مارچ ۱۹۳۶ء

(۱) حسینؑ کے فضائلِ نفسانی

قرابت قریبہ رسولؐ وعلیؑ وبتولؑ وشرافت نسبی وعلمی واخلاقی سے قطع نظر حسینؑ بقول عبداللہ بن زبیر ہمیشہ دن کو روزے رکھتے اور شب کو بیدار رہ کر عبادت پروردگار کرتے۔ پچیس مرتبہ پا پیادہ حج بیت اللہ بجالائے۔ پشت پر کھانا لاد کر شبہائے تاریک میں اہل مدینہ کے گھروں پر پہنچاتے جس سے پشت پر سیاہ گھٹہ پر گیا تھا۔ (تذکرہ خواص الامہ)

(۲) حسینؑ نے کسی سے بیعت نہیں کی

امام حسینؑ بعد رسول خداؐ خلافت کو اپنے گھر سے مخصوص سمجھتے تھے۔ زندگی بھر آئینی طریقہ سے اپنے حقوق جتاتے رہے اور اپنے خیالات کی اشاعت کرتے رہے۔ ایک روز جناب عمر کو ممبر رسولؐ پر خطبہ پڑھتے دیکھ لیا۔ فوراً مطالبہ کیا۔ اے عمر! میرے باپ کے منبر پر سے اتر، یہ حق پدر ہے'' خلافت مآب منبر سے اتر آئے۔ گود میں حسینؑ کو اٹھا کر پہلو میں منبر پر بیٹھا لیا کہنے لگے وہ آپ ہی کے باپ کی بدولت ہمارے سروں پر بال اگے یعنی عزت پائی''

(تذکرہ خواص الامۃ)

بعد شہادت امام حسنؑ معاویہ کو خط لکھا اور اس کی زیادتیوں پر ٹوکا اور اپنے خلیفہ برحق ہونے کا اعلان کیا۔ مروان بن حکم نے ایک روز حیات معاویہ میں امام حسنؑ وامام حسینؑ سے گستاخانہ کہا ''تم دونوں (معاذ اللہ) ملعون خاندان سے ہو'' امام حسینؑ نے فرمایا: او ملعون! پسر ملعون اول نے تیرے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جس وقت تو اسکے صلب میں تھا، ہم تو اس گھرانے سے ہیں جس سے خباثت ونجاست کو خدا نے دور فرما کر پاک وپاکیزہ کر دیا ہے۔

معاویہ نے جب یزید کی بیعت لینا شروع کی سب نے بیعت کر لی لیکن حسینؑ نے انکار کر دیا۔ باوجودیکہ کسی کی مخالفت بھی نہیں کی۔ کسی سازش میں بھی شرکت نہیں کی اور کسی کو ضرر بھی نہیں پہنچایا۔

(۳) امام حسینؑ کا کمالِ عقلی

وقت وفات رسولؐ خدا آپ کی عمر صرف چھ سال کی تھی مگر تمام محدثین، اصحاب وتابعین آپ کے کمال علمی کی وجہ سے رسولؐ کی حدیثیں اسی عمر میں بلا تردد نقل کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے پدر بزرگوار کے صغرسنی کے ایمان لانے کو جملہ علماء ومحدثین نے بہت بڑی فضیلت قرار دیا ہے اور خود رسولؐ نے دعوۃ ذوالعشیرہ میں علیؑ سے وزارت وخلافت کا معاہدہ کیا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کی صغرسنی کی نبوت میں کسی کو شک نہیں ہوا۔ حسینؑ کی شان امامت فرع نبوت ہے۔ کسی کو کب شک ہو سکتا ہے۔

(۴) علمِ حسینؑ علمِ رسولؐ ہے

چھ سال کی عمر میں حذیفۂ یمانی سے امام حسینؑ نے اپنی شہادت کی خبر دی اور پسر سعد کو باغیوں کی فوج کا افسر بنایا تھا۔ حذیفہ نے از راہ تعجب جناب رسول خداؐ سے تصدیق چاہی رسولؐ نے فرمایا ''حسینؑ کا علم میرا علم ہے اور میرا علم حسینؑ کا علم ہے'' یعنی علم امامت وعلم نبوت کی ایک اصل ہے۔

(۵) حسینؑ ہمشکلِ نبیؐ ہیں

حسینؑ صورت میں تصویر رسولؐ تھے (مناقب سبط ابن جوزی) روز عاشور قاتل تلوار پھینک

پھینک کر بھاگتے تھے اور کہتے تھے گردش چشم حسینؑ مشابہ ہے گردش چشم رسولؐ سے۔

(۶) جنتی جوانوں کا سردار

بہادروں کی جان، جوانوں کا سردار، شجاعت میں یکتا، خداپرستی میں لاثانی، جنتی باتوں کا سبق آموز رسولؐ کا جوان حسینؑ ہے جناب موسیٰ کا جوان حضرت یوشعؑ۔ خدا کا جوان علی مرتضیٰؑ ہیں۔ رسولؐ نے حسینؑ کو سردار جوانان اہل جنت فرما کر اپنی امت کے جوانوں میں خاص امتیاز عطا کیا تھا۔

(۷) رسولؐ حسینؑ سے ہیں

رسولؐ خدا نے فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ حسب میں، نسب میں، وراثت میں، اخلاق میں فضائل میں حسینؑ رسولؐ کی تصویر ہیں اور حافظ دین رسولؐ و بقائے خلافت رسولؐ حسینؑ کی ذات سے ہے۔ نو اماموں کے باپ حسینؑ ہیں اس لئے رسولؐ حسینؑ سے ہیں۔

(۸) حسینؑ کی پاکیزگی

رسولؐ نے اپنی چادر اڑھا کر دعا کی۔ خدا نے آیۂ تطہیر نازل فرما کر حسینؑ کو ہر بدی و ہر نجاست سے پاک و پاکیزہ کر دیا۔ قرآن گواہ ہے۔ لہٰذا افعال حسینؑ کی صداقت وحقانیت پر قرآنی مہر ثبت ہے۔

(۹) محبتِ حسینؑ اجر رسالت ہے

حسینؑ کو رسولؐ خدا سے جو قرابت قریبہ ہے وہ ان کی محبت کو امت کے لئے فرض عین قرار دیتی ہے اور قرآن مجید ان کی محبت کو اجر رسالت بتاتا ہے۔

(۱۰) رسولؐ کی زبان چوسنا

رسولؐ کا اپنی زبان چسا کر پالنا مخصوص ہے علیؑ اور حسینؑ سے۔

(مناقب شہر اشوب)

(۱۱) حسینؑ کا کوفیوں پر احسان

حسینؑ نے تین مرتبہ کوفیوں کو پانی پلا کر احسان فرمایا اس کے عوض میں حسینؑ پیاسے شہید کئے گئے۔ ایک مرتبہ کوفہ میں قحط آب ہوا بارش نہ ہوتی تھی۔ دعائے حسینؑ سے پانی برسا۔ دوسری مرتبہ صفین میں معاویہ نے گھاٹ روک کر فوج علوی پر پانی بند کر دیا تھا۔ حسینؑ نے لڑ کر گھاٹ چھین لیا

اور سب کو سیراب کیا۔ تیسری مرتبہ حرؑ کے لشکر کو سیراب کیا۔

(۱۲) حسینی عظمت

ابن عباس ایسا بزرگ صحابی کا چچازاد بھائی علی مرتضیٰؑ کا خاص شاگرد محدث و مفسر فرزند رسولؐ کی رکاب تھام کر سوار کرتا اور فخر کرتا۔ خلیفہ عمر منبر پر پہلو میں بیٹھا لیتے (تذکرہ خواص الامۃ) خود رسولؐ سینہ پر لٹا لیتے۔ کاندھے پر چڑھاتے پشت پر سوار کرتے، لوگوں کو شناخت کراتے اور تعظیم و توقیر کا حکم فرماتے۔

(۱۳) نورِ رسولِؐ خدا سے خلقت

رسولؐ خدا نے فرمایا: حسینؑ کی خلقت میرے نور سے ہوئی ہے (کتاب الامامۃ جریری طبری، مناقب فاخرہ) نور رسالت کی جس میں تڑپ ہو وہ آئینہ جمال و کمال رسالت ہوگا۔

(۱۴) حسینؑ چراغِ اہلِ جنت ہیں

رسولؐ خدا نے سلمان فارسیؓ سے فرمایا حسنؑ و حسینؑ چراغِ اہل جنت ہیں۔ دونوں قتل کئے جاویں گے اور ہتک حرمت کی جاوے گی۔ وائے ہو ان کے قاتل پر اور ہتک کرنے والوں پر (مناقب ابن شاذان قمی) جنت کی روشنی عمل ہے ان دو اماموں کے کارنامے دنیائے جنت کی روشنی کا سبب ہیں۔

(۱۵) حسینؑ کی معجز نمائی

امام حسینؑ مسجد میں تشریف فرما تھے آپ کے فرزند علی اکبرؑ نے غیر فصل میں انگوروں کی خواہش کی۔ امامؑ نے ستون مسجد کی طرف ہاتھ بڑھایا اور انگور اور کیلا آپ کے ہاتھ میں آ گیا۔ امام حسینؑ نے اپنے فرزند کو دیا اور فرمایا خدا کا دیا ہوا اولیاء اللہ کے پاس بہت کچھ ہے۔

(۱۶) اسرارِ غیبی پر اطلاع

امام حسینؑ نے اپنے غلاموں کو سفر کی ممانعت کی اور فرمایا فلاں فلاں روز گھر سے نہ نکلنا، ورنہ قتل ہو جاؤ گے اور ڈاکو مال لوٹ لیں گے۔ انہوں نے نہ مانا سفر کیا راہ میں لوٹ لئے گئے اور قتل ہوئے۔ امام حسینؑ نے حاکم مدینہ کو ڈاکوؤں کے نام بتائے سب نے اقرار کیا۔

(خرائج وجرائح راوندی)

(۱۷) کرامتِ حسینی

حبابہ والبیہ کو آنکھوں میں لعاب دہن لگا کر اچھا کر دیا۔

(ثاقب المناقب۔محمد بن جریر طبری)

(۱۸) تاثیرِ دعا

ایک درخت کا خرما خشک ہو گیا تھا۔امامؑ کی برکتِ دعا سے فوری ہرا ہوا۔پھل آئے۔لوگوں نے کہا کہ یہ تو سحر ہے۔فرمایا وائے ہو، یہ سحر نہیں ہے بلکہ فرزند رسولؐ کی دعا مستجاب ہے۔

(محمد بن جریر طبری)

(۱۹) حاجت روائے خلق

کوفہ میں بارش نہ ہونے سے قحط پڑا۔امیر المومنینؑ نے امام حسینؑ سے فرمایا، آپ نے دعا کی۔فوری ابر اٹھا۔خوب بارش ہوئی۔ (عیون المعجزات)

(۲۰) زورِ بازو

ایک روز مروان بن حکم نے امام حسینؑ سے کہا اگر تم فرزند زہرؑا نہ ہوتے تو تم کو ہم پر کوئی وجہ فخر کی نہ تھی۔امام کو غیظ آیا گلا پکڑ کر دبا دیا اور عمامہ اس کی گردن میں ڈال کر باندھ دیا اور فرمایا اے ملعون ابن ملعون تیرے باپ کو رسولؐ خدا نے شہر بدر کر دیا تھا اور میں فرزند رسولؐ ہوں۔زمین پر بجز میرے اور میرے بھائی حسنؑ کے تیسرا کوئی نہیں ہے جو رسولؐ کا محبوب ترین ہو اور تیری عداوت کی یہ دلیل ہے کہ جب تو یہاں سے اٹھے گا تو تیری ردا کاندھے سے گر جاوے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(احتجاج طبرسی، مناقب شہر آشوب)

(۲۱) مخلوقِ الٰہی کی طاعت

عبداللہ بن شداد لیثی سخت تپ میں مبتلا تھے۔امام حسینؑ عیادت کو تشریف لے گئے۔مکان میں داخل ہوتے ہی تپ دفع ہو گئی۔فرمایا خدا نے جو شے خلق فرمائی ہے اس کو ہمارا مطیع کر دیا ہے۔

(مناقب شہر آشوب)

(۲۲) حسینی محاکمہ

امام حسینؑ کے پاس دو مرد اور ایک عورت بچہ کے مدعی ہو کر آئے۔ہر ایک مدعی تھا کہ یہ عورت اور بچہ میرا ہے۔امامؑ اس شیر خوار بچہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بچہ بحکم خدا اپنا حال بیان کر ''وہ بخدا بقدرت خدا گویا ہوا کہ یہ دونوں جھوٹے ہیں۔میں فلاں بن فلاں چرواہے کا بیٹا ہوں۔امامؑ نے بحکم شرع عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اس لئے کہ اس نے زنائے محسنہ کیا تھا۔نوازئیدہ بچوں کا باتیں کرنا ہندو فلسفہ میں نا قابلِ انکار ہے اور علم الانسان کے جاننے والے بھی شاہد ہیں۔

(مناقب ابن شہر آشوب)

(۲۳) طی الارض

امام حسینؑ نے اصبغ بن نباتہ کو چشم زدن میں مسجد کوفہ سے مدینہ میں پہنچا دیا اور فرمایا کہ خدا نے جناب سلیمانؑ سے ہم کو زاید قوت دی ہے۔ہمارے پاس علم کتاب و علم بیان ہے ہم اسرار الٰہیہ کے اہل ہیں (مناقب ابن شہر آشوب) کشش مرکزی و ہوا کا فروکش انسان کو تیزی حرکات کے لئے مانع ہے۔قوانین طبعیہ ایک دوسرے کے اثر کو باطل کرتے ہیں اگر اس کشش کی مدافعت کا قاعدہ کسی کو معلوم ہو تو سائنس نہیں جھٹلا سکتی ہے۔

(۲۴) نیا مرض، نیا علاج

ایک مرد کا بقدرت خدا دوسری عورت کے ہاتھ میں ہاتھ جڑ گیا دونوں طواف خانہ کعبہ میں مشغول تھے کسی تدبیر سے دونوں کے ہاتھ جدا نہ ہو سکے۔امام حسینؑ نے دعا فرمائی دونوں کے ہاتھ جدا ہو گئے۔ (تہذیب الاحکام شیخ طوسیؒ)

الیکٹری قوت کا انسان میں ہونا تحقیق جدید سے ثابت ہے دونوں فردوں میں ایجابی و سلبی قوت کی فوق العادۃ قوۃ کا مظاہرہ اور امامؑ کو اس کا علم ہونا استبعاد عقلی نہیں ہے۔

(۲۵) مردہ زندہ کرنے کی قوت

ایک عورت بلا وصیت مر گئی امام حسینؑ نے اس کو زندہ کیا۔اس نے امامؑ سے وصیت کی اور پھر مر گئی۔ (خرائج و جرائح راوندی)

غیر طبعی موت سے مرنے والے سائنس کی قوت سے اب بھی زندہ ہوتے ہیں امامؑ کی قوت علمیہ سے انکار بیجا ہے۔بلجیم کی ۸۰۱ مرتبہ مر کر زندہ ہونے والی لڑکی جو گرجا میں بارہ بجے کا گھنٹہ

بجنے کے وقت مرتی اور ٹھیک اسی وقت پادری کے آواز دینے پر زندہ ہوتی ہے۔ اخبارات میں پڑھو۔

(۲۶) دستِ حسینؑ شفاء امراض ہے

ایک عورت کے قبل از وقت سر کے بال سفید ہو گئے۔ امامؑ حسینؑ کے ہاتھ پھیرنے سے سب سیاہ ہو گئے (ثاقب المناقب) مسمریزم سے دور و دراز ملکوں میں علاج کرنے کا مشاہدہ اور تجربہ موجود ہے۔ امامؑ کی قوت امامت سے ایسا علاج قابلِ انکار نہیں ہو سکتا۔

(۲۷) امامؑ سے گستاخی کا پھل

اجماع سقیفہ کے بعد ایک مغرور دشمن نے داہنے ہاتھ سے تازیانہ امام حسینؑ کو مارنے کے لئے اٹھایا۔ بقدرت خدا ہاتھ خشک ہو گیا پھر بائیں ہاتھ میں تازیانہ لے کر مارنا چاہا وہ ہاتھ بھی خشک ہو گیا۔ آخر امیر المومنین اور رسولؐ خدا کا واسطہ دیا۔ امامؑ نے دعا کی ہاتھ تندرست ہو گئے۔ امام حسینؑ نے فرمایا یہ فقط تیری عبرت و اتمام حجت کے لئے تھا (خرائجِ راوندی) مسمریزم جاننے والا ہاتھ کیسا معمول کو بے حس کر دیتا ہے اور کسی کو اعتراض نہیں ہوتا ہاتھوں کو بے حس کر دینا عقلی راہ سے مستبد نہیں ہے۔

(۲۸) حیاتِ علوی کی شہادت

کچھ لوگ امام حسینؑ کے پاس شہادت امام حسنؑ کے بعد حاضر ہوئے اور اسرار علوم امامت کا مشاہدہ چاہا۔ امام حسینؑ نے پوچھا کہ تم لوگ میرے بابا علی مرتضےٰؑ کو پہچانتے ہو؟ سب نے اقرار کیا۔ امام حسینؑ نے دروازے کا پردہ ہٹایا سب نے دیکھا کہ امیر المومنینؑ کھڑے ہیں (خرائج راوندی) روحوں کا آنا باتیں کرنے، آج کل ناقابلِ انکار ہے ''سر آلیور لاج'' کی کتاب دیکھو ایک عالم علوم حقیقی اگر ایسا کرتا دکھائے تو کوئی وجہ انکار نہیں ہے۔

(۲۹) مشورت امامؑ سے مخالفت کا پھل

امام حسینؑ سے ان کے ایک دوست نے اپنی شادی کا مشورہ لیا۔ امامؑ نے اس عورت سے شادی کو منع فرمایا اور کہا کہ یہ تجھ پر مبارک نہ ہوگی۔ اس نے نہ مانا اور عقد کر لیا۔ تھوڑے دنوں بعد کل مال اس شخص کا ضایع ہو گیا۔ باپ اور بھائی مر گئے۔ قرضدار ہو گیا۔ امامؑ نے فرمایا تو نے کہا نہ سنا۔ اب جا اور

فلاں عورت سے شادی کر۔ تیری مصیبت کٹ جاوے گی۔ اس نے حسب الحکم اس عورت سے شادی کی اسی سال اس کی دولت و ثروت مثل سابق ہو گئی اور لڑکا پیدا ہوا۔ (خرائجِ راوندی)

(۳۰) امامت فرع نبوت و وراثت انبیاءؑ ہے

امام زین العابدینؑ نے اپنے پدر بزرگوار امام حسینؑ سے پوچھا کیا امامؑ بھی مردے زندہ کر سکتے ہیں اور مبروص و مجذوم اچھے کر سکتے ہیں۔ اور پانی پر چل سکتے ہیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا جو کچھ خدا نے انبیاءؑ کو دیا اس سے زاید رسول خداؐ کو دیا اور جو رسولؐ کو دیا، وہ امیر المومنینؑ کو عطا ہوا اور وہ سب حسنؑ و حسینؑ کو ملا۔ ان کے بعد ہر امامؑ کو عطا ہوگا (مدینۃ المعاجز) موجودہ ترقی فلسفہ میں سابق میں جو باتیں بطور معجزہ تھیں اور عالمان علوم الٰہی جھٹلائے جاتے تھے اب وہ موروثی علوم نہیں جھٹلائے جا سکتے۔

(۳۱) احترام امامؑ و علوم باطنی کی قوت

ایک اعرابی حالت جنب میں خدمت امام حسینؑ میں حاضر ہوا۔ امامؑ نے فرمایا تجھ کو شرم نہ آئی، حالت جنب میں امامؑ کے پاس آیا۔ (خرائجِ راوندی)

(۳۲) خدائی احترام الیکٹری سٹی

امام حسنؑ و امام حسینؑ اندھیری رات میں چلتے تھے تو ایک روشنی سامنے چمکتی تھی جس کو رسولؐ دیکھ کر شکر خدا بجالاتے تھے (مسند احمد بن حنبل) تاریکی میں روشنی ہونا ٹارچ لیگر فاسفرس، ریڈیم، الیکٹری سٹی وغیرہ سے طبعی طور پر ہوتا رہتا ہے عالم الحقائق اشیاء کے نزدیک کچھ دشوار نہیں۔

(۳۳) جنوں کی اطاعت

امام حسنؑ و امام حسینؑ شب تار میں گھر کا راستہ بھول گئے باغ بنی نجار میں جا کر سو رہے۔ ایک جن نے آ کر آپ کی حفاظت کی۔ (ابن بابویہ، تاریخ بلاذری)

جنوں کا ثبوت ہمارے رسالہ 'الجن' میں دیکھو۔

(۳۴) خدائی مہمانی

امام حسنؑ و امام حسینؑ کے لئے بار بار خدا کی طرف سے خرمہ، بہی، انار، سیب، منقےٰ اور لباس

بھیجے جاتے تھے۔جیسا کہ حضرت موسیٰ کے لئے خدا کی طرف سے من وسلویٰ اترا تھا۔

(ثاقب المناقب)

(۳۵) نورعرش الٰہی

امام حسینؑ کا نورعرش الٰہی پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو دکھایا گیا۔(بحارالانوار) موجودہ تحقیق میں خلقت کائنات برقیوں سے ثابت کی جاتی ہے۔جسم حسینؑ کے برقیوں کا خلیل اللہ سے تعارف کرانا خالق کا اور نبیؐ کو علم کائنات کے ساتھ افضل کائنات کو پہچنوانا ضروری تھا۔

(۳۶) فدیہ حسینؑ

ایک زانو پر رسولؐ خدا کے امام حسینؑ ہیں۔دوسرے زانو پر فرزند رسول جناب ابراہیمؑ ہیں۔ وحی الٰہی ہوتی ہے کہ ایک کو دوسرے پر رسولؐ نثار کردیں۔رسولؐ خدا نے اپنے فرزند ابراہیمؑ کو حسینؑ پر نثار کرنے کی منظوری دی۔تیسرے روز وفات حضرت ابراہیمؑ ہوئی۔ (طرائف سید ابن طاؤس)

(۳۷) رسولؐ خدا کی شہادتِ حسینؑ کی پیشینگوئی

(۱) قبل ولادت امام حسنؑ وامام حسینؑ رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ ''حسنؑ وحسینؑ دونوں امامؑ ہیں۔قتل کئے جاوینگے اور ہتک حرمت ہوگی۔ (تاویل الآیات شرف الدین نجفی)

(۲) ولادت امام حسینؑ کے وقت رسولؐ خدا نے جناب فاطمہ زہراؑ کو خبر شہادت امام حسینؑ سنائی تھی۔

(بحارالانوار)

(۳) ام سلمہؑ کو جناب رسولؐ خدا نے کربلا کی مٹی دے کر مفصل خبر شہادت امام حسینؑ بیان فرمائی۔(ثاقب المناقب)

(۴) رسولؐ خدا نے فرمایا پہلا وہ سر جو اسلام میں نیزے پر بلند ہوگا حسینؑ ابن علی کا سر ہے اور امام حسینؑ کو رسولؐ خدا نے پسر سعد کو دکھا کر فرمایا کہ یہ تجھکو قتل کرے گا۔

(مدینۃ المعاجز)

(۳۸) جناب امیرؑ کی پیشینگوئی قتل حسینؑ کے متعلق

(۱) راہِ صفین میں کربلا پہنچ کر امیر المومنین نے ابن عباس کو مفصل خبر شہادت امام حسینؑ کی دی۔مقامات شہادت دکھائے۔ (امالی ابن بابویہ، تذکرہ خواص الامہ)

(۲) مقام رُحبہ میں پہنچ کر جناب امیر المومنینؑ نے شہادت حسینؑ کی خبر دی۔ (کامل الزیارات ابن قولویہ)

(۳) جناب امیر مسجد میں بیٹھے تھے۔امام حسینؑ داخل ہوئے۔حضرت علیؑ نے سر حسینؑ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا اے حسینؑ! تو شہید کیا جائے گا۔ (کامل الزیارات)

(۴) معاویہ نے جنگ صفین میں گھاٹ روک کر فوج علیؑ پر پانی بند کردیا۔امام حسینؑ نے لڑکر گھاٹ چھینا۔جناب امیر کو جب خبر ہوئی آپ رونے لگے اور فرمایا یہی حسینؑ ایک روز پیاسا شہید ہوگا۔ (مدینۃ المعاجز)

(۵) عمر سعد سے ایک روز فرمایا کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں بہشت ودوزخ کا راستہ تجھکو دکھایا جائے گا اور تو جہنم اختیار کرے گا۔ (مدینۃ المعاجز)

(۶) امیر المومنینؑ نے شعیب بن ربعی، اور عمر بن حریث، اور محمد بن اشعث سے فرمایا تھا کہ تم لوگ میرے حسینؑ کو قتل کروگے۔ (مدینۃ المعاجز)

(۷) امیر المومنینؑ نے صفین سے نکل کر خطبہ پڑھا جس میں تفصیلی حالات شہادت امام حسینؑ کے بیان فرمائے۔فرمایا یزید پسر سعد کو قتل حسینؑ کے لئے کربلا بھیجے گا۔محمد بن اشعث شمر ابن ذی الجوشن شیبہ ابن عمر ابن حجاج زبیدی عمر بن حریث افسران فوج ہوں گے۔ (مدینۃ المعاجز)

(۳۹) امام حسنؑ کی پیشینگوئی قتلِ حسینؑ کے متعلق

(۱) آخر وقت امام حسنؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کو انکی شہادت کی خبر دی۔

(تذکرۂ خواص الامۃ)

(۲) امام حسنؑ کے پاس ایک دفتر تھا جس میں ان کے شیعوں کے اسماء درج تھے۔امام حسنؑ نے حذیفہ بن اسد غفاری کے کہنے پر وہ رجسٹر دیکھا جس میں حذیفہ کے بھتیجے کا نام شہدائے کربلاء

کے ذیل میں درج تھا۔ (مدینۃ المعاجز)

(۳) امام حسنؑ حالتِ احتضار میں اپنے بھائی امام حسینؑ کو دیکھ کر روئے اور خبر شہادت بیان کی۔ (امالی ابن بابویہ)

(۴۰) امام حسینؑ کا اپنی شہادت کی خبر دینا

(۱) حذیفۂ یمانی سے امام حسینؑ نے چھ سال کی عمر میں اپنی شہادت کی خبر دی

(محمد بن جریر طبری)

(۲) امام حسینؑ نے ابن عباس سے فرمایا کہ میں اور میرے اصحاب جہاں پر قتل ہوں گے میں ان مقامات کو جانتا ہوں۔

(۳) زرارہ بن خلجی سے فرمایا میں اپنے قتل اور اپنے مقتل کو جانتا ہوں میرے اصحاب میں سے کوئی زندہ نہ بچے گا بجز میرے فرزند علیؑ کے۔ (محمد بن جریر طبری)

(۴) زہیر قین سے فرمایا یہاں پر میں شہید ہوں گا اور یہاں پر میرا سر کاٹا جائے گا اور جرا ابن قیس میرا سر لے کر یزید کے پاس بطمع انعام جائے گا اور یزید اس کو کچھ نہ دے گا۔

(محمد بن جریر طبری)

(۵) روز اعی امام حسینؑ کو مکہ میں کوفے سے روکنے کے واسطے آئے امامؑ نے اپنے یوم قتل سے ان کو اطلاع دی۔

(۶) ابوالتفاح محمد بن یعلی سے کوفہ میں امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ میں صاحب کربلا ہوں۔

(محمد بن جریر طبری)

(۷) ابن زبیر نے کوفہ جانے سے امام حسینؑ کو روکا۔ آپ نے فرمایا میں ایسے مقام پر اپنے قتل کو دوست رکھتا ہوں اس امر سے کہ حرمت خانہ کعبہ زایل ہو۔ (مناقب شہر آشوب) (۸) عمر بن سعد جب مسجد رسولؐ میں داخل ہوتا تو لوگ کہتے کہ یہ قاتل حسینؑ ہے اس لئے کہ رسولؐ خدا نے خبر دی تھی۔ پسر سعد نے امام حسینؑ سے کہا لوگ کیسے بیوقوف ہیں کہ مجھکو آپ کا قاتل کہتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا لوگ سچے ہیں۔ لیکن میری خنکی چشم اسی میں ہے کہ بعد قتل تو ملک رے کی گلیوں سے محروم رہے اور میرے بعد جلد قتل ہو۔

(۹) جناب ام سلمہؑ کو بوقتِ رخصت امام حسینؑ نے اپنی شہادت کی مفصل خبر دی اور فرمایا صرف زین العابدینؑ زندہ بچیں گے اور آٹھ اماموںؑ کے باپ ہوں گے۔ (بحارالانوار)

(۱۰) جناب مسلمؑ کو اپنی اور ان کی شہادت کی خبر دی

(بحارالانوار)

(۱۱) راہ کوفہ میں بار بار اپنی اور اپنے رفقاء کی شہادت کی خبر دی۔

(بحارالانوار)

(۱۲) کربلا پہنچ کر مفصل اپنی شہادت کی خبر دی۔

(لہوف سید ابن طاؤس)

(۱۳) شب شہادت تمام اصحاب و اعزاء کے قتل کی خبر دی حتیٰ کی شیر خوار بچہ علی اصغرؑ کی شہادت کی خبر دی۔

(۱۴) مدینہ سے چلتے وقت نبی ہاشم کو تحریر لکھی تھی کہ جو میرے ساتھ جائے گا قتل ہوگا اور جو نہ جائے گا اس کو فتح نصیب نہ ہوگی۔ (محمد جریر طبری)

(۴۱) صحیفۂ حسینی

جریر سے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہر امامؑ کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے جو زندگی کا دستور العمل ہے جب سب کام ختم ہو لیتے ہیں تو امامؑ کی وفات ہوتی ہے امام حسینؑ کے پاس بھی وہ صحیفہ تھا جس پر کاربند ہوئے اور کوفہ روانہ ہوئے۔ (کامل الزیارہ)

(۴۲) دفتر شہداء

امام حسینؑ کے پاس شہدائے کربلا کی فہرست تھی جن میں سے نہ کوئی گھٹ سکتا تھا نہ بڑھ سکتا تھا جیسا کہ محمد حنفیہ اور ابن عباس نے کہا۔ (مناقب شہر آشوب)

(۴۳) جنت کی راہ نمائی

امام حسینؑ نے شہدائے کربلا کو خبر دی تھی کہ وہ جنت میں جائیں گے ان کے مقامات جنت میں دکھا دیئے تھے۔

(علل الشرایع ابن بابویہ)

(۴۴) انصارِ حسینیؑ کی زبردست خصوصیت

امام حسینؑ نے شہدائے کربلا کو خبر دی تھی کہ رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ انصار حسینی کو لوہے کی اذیت معلوم نہ ہوگی (خرائج راوندی) جس طرح سے اصحاب حسینؑ شہید ہوئے ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ تیر وتلوار و نیزے کس شوق سے کھاتے تھے اور اف نہ کرتے تھے۔

(۴۵) ابتلاء وآزمائش

ہر ریفارمر اور مصلح، ہر نبیؑ و ہر ہادی ابتلاء وآزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ ہر نبی بعثت کے بعد ہی ایسی جماعت کے ہاتھ میں پھنس جاتا ہے جو اس کے اصول کا مخالف ہو اور ہر ایک کو اس مخالفت میں کم وبیش مصیبتوں کا سامنا ہوا ہے اور ہر ایک نے اس آزمائش میں نہایت استقلال وصبر ظاہر کیا ہے۔ ہم اس ابتلا وآزمائش کو اپنے کمزور وناقص خیال میں کسی برے معنوں میں تاویل کریں، لیکن روحانی مذاق میں یہ آزمائشیں اور ابتلا ان افضال وبرکات کا موجب ہوتی ہیں جن کی حد ونہایت نہیں ہے۔ جس کی آزمائش وابتلا جس درجہ پر ہوگی اتنا ہی اس کا رفیع درجہ ہوگا۔ تاریخ عالم کی ورق گردانی کرو اور مصلحوں، نبیوں کی ان آزمائشوں کی فردکو دیکھو۔ اور حسینؑ کے ابتلا وآزمائش کی فہرست پر نظر ڈالو تم کو چارہ نہ ہوگا اور اقرار کرنا پڑے گا کہ حسینؑ کی ویسی ہی مکمل آزمائش تھی جیسی دین اسلام کی مکمل تعلیم تھی۔ جس خاندان میں نبوت کا سلسلہ ختم ہوا، ضروری تھا کہ اسی گھرانے میں قوموں اور امتوں کو ہر قسم کی مکمل تعلیم دیجاوے، جس طرح سے مکمل قانون ہے اور دین اسلام جس کی نسبت کہا گیا ہے ''آج ہم نے تمہارا دین اسلام کامل کر دیا ضرورت تھی کہ ایسے نبیؐ کی مقدس نسل و اولاد سے اس کی عملی تصدیق وتائید کرالی جاوے۔

اسکی عملی تصدیق عملی تکمیل امام حسینؑ سے کرائی گئی اور کامل آزمائش کے بعد ان کو جو بلند درجہ خدا کے یہاں ملا ہوگا وہ تو خدا ہی جانے۔ تمدن، مذہب، قومیت، انسانیت میں ان کا سب سے بڑا درجہ ہو کر رہا۔

(۴۶) حسینؑ سید الشہداء ہیں

دنیا نے طرح طرح کی شہادتیں دیکھیں۔ لیکن کربلا کی شہادت اپنی آپ نظیر ہے اس لئے کہ

کربلا کا ہیرو اس بات کا مستحق ہے کہ اسے سید الشہداءؑ کہا جائے۔ مقدس تاریخوں میں تو اور بھی شہید کہلاتے ہیں۔ جناب مسیح کو عیسائی مصلوب قرار دے کر ایک عظیم الشان شہید قرار دیتے ہیں۔ یونانی حکیم سقراط کو زہر کا پیالہ پلا کر قتل کیا گیا، لیکن جناب مسیح انجیلی بیان کے مطابق مذہب کے لئے نہیں بلکہ بغاوت پر سزایاب ہوئے۔ سقراط پر بھی عدالت نے بغاوت کا الزام دھر کر سزا دی۔ شہید ہوئے لیکن سزایابی کی شکل میں مجرم کی صورت میں۔ امام حسینؑ کی شہادت بطور سزایابی اور بصورت مجرم نہیں ہوئی۔ اور نہ ان کی غیور طبیعت نے اس کو گوارا کیا بلکہ وہ مقابلہ کی جنگ میں شہید ہوئے اور دونوں شکلوں میں فرق ظاہر ہے اس لئے امام حسینؑ سید الشہداءؑ ہیں۔

(۴۷) سب سے بڑا محسن

محسنین عالم کو دیکھو کوئی کسی مذہب وملت کا محسن ہے۔ کسی کا احسان کسی زمانے تک محدود ہے۔ کوئی کسی صفت خاص میں کوئی کسی بات میں محسن ہے۔ لیکن حسینؑ کا احسان ہر شعبہ زندگی پر حاوی ہے۔ مذہب، اخلاقیات، تمدن، سیاست، معاشرت کسی زمانے سے محدود نہیں ہے۔ کسی قوم سے مخصوص نہیں ہے۔ جو حسینیت اختیار کرلے جس زمانے میں حسینیت برتی جاوے۔

دیکھو گروہ مذہب میں حسینؑ اصول توحید واساس خدا پرستی ہے۔ اخلاقیات میں رسول نما موسس اخلاقیات ومتمم مکارم اخلاق ہیں۔ تمدن وعمرانیات میں پیکر عمرانیات وروح تنظیم وحیات اجتماعی ہیں۔

سیاست کے میدان میں حرمت وآزادی کے علمبردار ہیں۔ معاشرت میں غیر متغیر اصول زندگی کے معلم ہیں اور جملہ انقلابات میں زمانے کو اپنے میں جذب کرتے ہیں، خود جذب نہیں ہوتے۔ اس لئے حسینؑ کا احسان عالم گیر ہے۔ ہر مذہب وملت پر ہے۔ کسی زمانے تک محدود نہیں ہے۔

(۴۸) سچا تسلی دینے والا

انجیل میں تسلی دینے والے کا انتظار تھا۔ ختم المرسلینؐ آیا، جس کی تسلی بخش تعلیم جملہ تعلیمات سے بڑھ چڑھ کر یہ ہے کہ اپنے فرزند حسینؑ کو قربانی کے لئے پیش کر کے مکمل تسلی کرادیں اور ہر مضطرب و بیچین مشکوک طبیعت امام حسینؑ کی اخلاقی موت سے تسلی بخش تعلیم حاصل کرلے اور دین اسلام کی

حقانیت کا مکمل ثبوت ہو جائے۔

(۴۹) فاتح اعظم

فتح کی صورت فتح کی شان وعظمت صرف مقصد فتح سے وابستہ ہے۔ درحقیقت فتح وشکست مقصد کی کامیابی پر منحصر ہے۔ غلبہ ظاہری عارضی ہے۔ اکثر غالب فتحمند کہا جاتا ہے۔ لیکن مقصد جنگ کا نتیجہ نکلنے پر لوگوں کو رائے بدلنا پڑتی ہے اور مغلوب کو فاتح کہا جاتا ہے۔ امام حسینؑ کو اصولی فتح ہوئی اور اپنی فتح کی شان وعظمت کی وجہ سے وہ فاتح اعظم کہے جانے کے مستحق ہیں۔

(۵۰) حسینؑ بنیادِ مذہب ہیں

تاریخ عالم شاہد ہے کہ مذہبوں اور قوموں کی بنیاد ہمیشہ شہیدوں کے خون پر قائم ہوتی ہے اس نظریہ کی بنا پر بے شک امام حسینؑ اسلام اور قومیت کا اساس ہیں۔

(۵۱) کامل بھروسہ کامیابی کا ضامن ہے

عالم میں کوئی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتا ہے جب تک اپنے مضبوط ارادے سے کامیابی کا یقین نہ رکھتا ہو۔ جو اپنی رائے میں مذبذب ہو ہمیشہ ناکام رہے گا۔ حسینی کامیابی کا راز انکے کامل بھروسہ پر منحصر تھا۔

(۵۲) حسینؑ مقناطیس القلوب ہیں

بقول محقق، گبن: ہیبت ناک و پرسوز واقعہ حسینؑ کی شہادت کا مردہ دل وسرد دھر انسان کو بھی ہمدرد بنالے گا۔

(۵۳) حسینی قناعت واستغنا

تولیت خانہ کعبہ کا واحد حقدار حسینؑ، رسولی سلطنت کا وارث حسینؑ، عرب کا بادشاہ حسینؑ، مجاورت روضہ رسولؐ کو اپنے لئے سب سے بڑی سلطنت سمجھکر خانہ نشین ہو جاتا ہے اور یزید سے تخت وتاج وحکومت کے لئے کوئی مطالبہ نہیں فرماتا ہے اس سے زاید قناعت واستغنا کیا ہو سکتی ہے۔

(۵۴) جھوٹے مسلمانوں کی تکذیب

دنیا جانتی ہے کہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی قرآن کی صحیح آیۂ مودت ذوی القربیٰ پس پشت ڈال کر صحابیت کی پوجا ہو رہی تھی خاص کر وہ صحابیت جو دشمنی آل رسولؐ پر قائم ہو۔ ورنہ ایسے

صحابی بھی موجود تھے جن کا ضمیر حب اہلبیت رسولؐ سے بھرا ہوا تھا جیسے عمار یاسرؓ جو زدوکوب کے قابل ٹھہرے قتل کئے گئے۔ ابوذر غفاریؓ جن کو شام سے بلا کر مدینہ میں بھی نہ رہنے دیا وہ ''ربذہ'' میں غربت کی موت مرے۔ ابن مسعود کی پسلیاں توڑی گئیں۔ کیا یہ لوگ صحابی نہ تھے۔ پھر کس نے انکی بے حرمتی اور ظلم پر احتجاج کیا قصور تو یہی تھا کہ یہ لوگ محبت اہلبیت رسولؐ رکھتے تھے۔ امام حسینؑ کی شہادت نے اس راز کو فاش کر دیا اس لئے کہ وہ فرزند رسولؐ بھی تھے خسر و داماد سے زاید قریبی رشتہ دار تھے۔ صحابی بھی تھے۔ رسولؐ کی گود کے پالے بھی تھے۔ کس طرح سے قتل کر دیئے گئے صحابیت وقرابت کچھ کام نہ آئی۔ یزیدی جھوٹے ہو گئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ان کا مذہب صرف دشمنی آل رسولؐ ہے۔

(۵۵) پیمان شکن کی رازداری کی پردہ دری

امام حسنؑ اور معاویہ کی صلح کے اہم شرائط یہ تھے کہ معاویہ

(۱) اپنے بعد کسی کو اپنی اولاد میں سے ولی عہد نہ کرے۔

(۲) شیعیان علیؑ کو قتل نہ کرے، اذیت نہ دے۔

معاویہ نے عہد شکنی کی جس پر امام حسینؑ نے بذریعہ خط ٹوکا۔ کون اس خط وکتابت اور عہد نامہ کو عموماً جانتا تھا جو کہ صفحہ کاغذ کے سوا عام کانوں تک نہ پہنچا تھا۔ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت نہ کر کے جان دیکر معاویہ کی پیمان شکنی کو طشت از بام کرتے ہوئے اموی مکاریوں کو الم نشرح کر دیا۔

(۵۶) وفائے عہد

صلح امام حسنؑ ومعاویہ میں حفاظت شیعوں کی جان کی اولین شرط تھی اور اس طرح سے ایک امامؑ نے شیعوں کی حفظ جان کی ذمہ داری لی تھی جو کہ معاویہ اور یزید کی بدعہدی سے پوری نہ ہوئی۔ شیعوں کو امام حسنؑ سے ایک غلط شکوہ ہو سکتا تھا کہ ایک غدار ومکار سے صلح کیوں کی حالانکہ امام حسنؑ کے لئے کوئی چارہ نہ تھا اور یہ بھی ایک تدبیر تحفظ کی تھی اگرچہ ناکامیاب رہی۔ بھائی نے بھائی پر سے اس غلط الزام کو اپنی شہادت پیش کر کے مٹا دیا ورنہ کہنے کا موقع تھا کہ حسینؑ اپنے شیعوں کو قتل ہوتے دیکھتے رہے اور چپ بیٹھے رہے۔ بھائی کے وفاء عہد کو اپنی شہادت سے پورا کر دیا اور خود شیعوں سے اس طرح ایفائے عہد کیا کہ تمہاری جان اگر صلح سے بھی محفوظ نہیں ہے تو ہم جان دیتے ہیں

تمہاری حفاظت میں اور یزید کی بیعت نہیں کرتے اور اس طرح سے وفائے عہد کا پروزن ہونا اپنی جانب سے ثابت کرتے ہیں۔

(۵۷) مخالف سے صلح یا جنگ

مخالف سے صلح یا جنگ صرف یہی دو شکلیں ہوسکتی ہیں اگر بنی امیہ سے جنگ ہی جنگ رہتی تو بنی ہاشم پر کھلا الزام عائد ہوتا کہ صلح کر کے بنی امیہ کو ایک موقعہ بھی نہ دیا۔ امیر المومنینؑ کے بعد رسولؐ خدا کی صلح جو یا نہ زندگی پھر معاویہ سے جنگ پھر امام حسنؑ کی صلح دو موقعے دیئے گئے لیکن جانبری نہ ہوئی۔ امام حسینؑ کی جنگ اور بقیہ اماموں کی خانہ نشینی امام رضاؑ کا اتحاد عمل ہر صورت اختیار کر کے اولاد رسولؐ نے پیش کیا۔ سب بے نتیجہ ثابت ہوا جس سے ایک تاریخ داں کو ظالم و مظلوم کا بخوبی امتیاز ہوسکتا ہے اور سیاست اہلبیتؑ کی تکمیل ہوجاتی ہے۔

(۵۸) اخلاقی جرأت

آج ستیہ گرہ، سول نافرمانی مقاومت مجہول، یہ سب تحریکیں ذات حسینؑ کی رہین احسان ہیں۔ یزید کی جبار قوت کو جان پر کھیل کر آزادی رائے کے لئے مرجانا اور آزادی ضمیر کے لئے کنبہ بھر کو مٹا دینا اور اپنے ہر ہیرو میں قوت عمل پیدا کرنا حسینؑ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

(۵۹) حسینؑ کی روش نزاعی نہ تھی

امامؑ نے کب مدینہ میں حکومت کی کوشش کی۔ کب یزید کو بیعت یا قتل کی دھمکی دی۔ کب اطراف و اکناف عالم میں خطوط و ایلچی بھیجے۔

کب مال و سرمایہ و اسلحہ کی جمع آوری کی۔ موسم حج میں پہنچ کر کب حاجیوں کو بغاوت کی دعوت دی۔ اہل کوفہ جو خطوط بھیج کر مظالم یزید کے دفع کے لئے امامؑ کو بلا رہے تھے کیوں امام حسینؑ نے مسلم بن عقیلؑ کو تنہا بھیجا۔ کوفہ والوں کو کب یہ لکھا کہ حکومت و سرداری مسلمؑ کو دے دینا۔ بجز امامت مسجد کوفہ شرعی فیصلوں کے امامؑ نے کون سی نیابت مسلمؑ کو دی۔ کیا امامؑ نے کوفہ والوں کو نعمان بن بشیر ہی کی حکومت باقی رکھنے کا مشورہ نہیں دیا۔

کب کوفیوں سے یہ کہا کہ گورنر کوفہ کو قتل کر کے خزانہ اور دارالحکومت پر قبضہ کرلیں۔ کربلا پہنچتے وقت ''طرماح بن عدی'' کی پیش کش کیوں قبول نہ کیا۔

کوہ ''آجا'' پناہ لیتے بیس ہزار سواروں کی وہ بنی طی کی حمایت حاصل کرتے امامؑ کے لئے اگر لاکھوں دشمنوں سے کربلا کے میدان میں لڑنا آسان تھا تو اس سے زاید حر کے ہزار سپاہیوں سے لڑ کر اپنا رخ کسی دوسری سمت پلٹ لینا آسان تر تھا۔ امامؑ کا بجائے کوفہ یمن چلے جانا مفید تر تھا جہاں آپ کے شیعہ موجود تھے یمنیوں کو لے کر فوج کشی ممکن تھی۔

امامؑ نے تو ایک بھی پیش دستی نہیں کی۔ جو کچھ کیا دفاع تھا۔

(۶۰) حسینؑ مصلح تھے باغی نہ تھے

اصطلاح اہل سیاست میں بغاوت یہ ہے کہ کسی حکومت کے خلاف جو انصاف و قانون پر مبنی ہو اور جو رفاہِ عامہ اور آسودگی و امن کی کوشاں ہو ایسی حکومت کو منقلب کر دینے اور خود صاحب اختیار بن جانے کی سعی کرنا، یزیدی حکومت اس کا معکوس نظام تھا وہ ناامنی، قتل و غارتی، ظلم و تعدی و فسق و فجور، حرامکاری، بداخلاقی، عیش پسندی و بہیمیت کا نظام تھا۔ اس کا الٹ دینا یا اس کی مخالفت ہرگز بغاوت نہیں بلکہ اصلاح ہے۔

(۶۱) پختگی رائے و انجام بینی

شہادت سے ساٹھ سال پہلے سے امام حسینؑ اموی حالات کا گہرا مطالعہ فرما رہے تھے اور اپنے لئے صحیح فیصلہ کرلیا تھا۔ قبر رسولؐ سے رخصت ہوتے وقت عرض کرتے ہیں ''نانا جان! میں آپکی قبر کو بجبر چھوڑ رہا ہوں۔

میں یزید کی بیعت نہیں کرسکتا جو شرابخوار و بدکار ہے۔ لیکن حجازی اس وقت تک میٹھی نیند سو رہے تھے۔ جب تک واقعہ حرا پیش نہیں آیا۔

جیسا کہ عبداللہ بن حنظلہ کہتے ہیں ''قسم بخدا ہم نے یزید پر اس وقت فوج کشی کی جب ہم کو اس کا خوف ہوا کہ اب ہم پر آسمان سے پتھر برسیں گے کیوں کہ یزید ماں بہنوں بیٹیوں سے نکاح کرتا، شراب پیتا اور نماز ترک کرتا تھا۔

اس واقعہ حرا میں اصحاب و تابعین بھی قتل ہوئے، ہزار کنواری عورتوں نے حرامی بچے جنے۔

امام حسینؑ سے کب ممکن تھا کہ اس وقت کا انتظار کرتے اور اپنی زندگی میں یہ نوبت آنے دیتے۔

(۶۲) دعوت حق پر لبیک

اہل کوفہ کا بار بار دعوتیں دینا کیا کوئی اہم بات نہ تھی، ان دعوتوں کو رد کرنا اخلاقی جرم تھا۔ اخلاقی، انسانی، جذباتی کسی پہلو سے بھی دیکھو امام حسینؑ کے لئے شہادت ناگزیر تھی۔ کوفیوں کی دغا کا راز جناب مسلمؑ کی شہادت سے کھل جانے کے بعد ممکن تھا کہ امام حسینؑ اطاعت کر کے دربار یزید میں حاضر ہو جاتے۔

مگر انسانی اعتبار سے یہ فعل معیوب تھا ایک بار مصمّم ارادہ کر کے پھر شہادت کے سوا کوئی مفر نہ تھا۔ حسینؑ شہید ہو کر اسلام کی بہترین خدمت کر گئے اور اپنے اٹل فیصلہ کو عالم میں نشر کر گئے۔

(۶۳) حسینؑ بے بس نہ تھے

ابن صریم اور یونان کا عدیم النظیر فرزند سقراط، حسینؑ سے پہلے ہدف ظلم رہ کر ایک نے بقول نصاریٰ سولی کا تختہ منظور کر لیا اور دوسرے نے مجبوراً زہر کا پیالہ پی لیا۔ لیکن خوب غور کرو کہ فلسطین میں یا اتنہس میں کوئی اسے کہنے والا نہ تھا کہ تم اپنی روش سے باز آؤ تو جان بچ سکتی ہے۔

عدالتوں نے دونوں کو مجرم قرار دے کر سزائے موت تجویز کر دی تھی جس کی اپیل بھی نہ تھی۔ برخلاف اس شہید اعظم کے جس کو آخری لمحہ تک اولوالعزم موت و پرننگ زندگی میں انتخاب کا موقع تھا۔ اخلاق کی بلندی کا معیار ایثار ہے اور ایثاری کسوٹی موقع انتخاب ہے نہ کہ بے چارگی اور بے بسی۔

(۶۴) حسینؑ کی اخلاقی موت

حکمائے قدیم و جدید متفق ہیں کہ شرابخواری و زناکاری بدترین گناہ اور جملہ جرائم کی نشو-ونما کا باعث ہیں۔ دی گلاس آف فیشن صفحہ ۴۴ ملاحظہ ہو جس میں لکھا ہے کہ قوم کی نسوانیت خراب ہو رہی ہے۔

بوڑھی عورتیں شرابخوار ہو گئی ہیں۔ جوان فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ زنا نے رومیوں کا زرق برق لباس اتار پھینکا ہے اور دون جیوں کی موجودہ عربانی محبت کے جلسوں میں ہنستا ہوا آتا ہے، تمام فضا بدل گئی ہے' اخبار ٹروتھ مورخہ ۵ رمئی ۱۹۱۵ء میں ہے کہ صرف انگلینڈ میں حرام زادوں کی تعداد سینتیس ہزار فی سال ہے۔

مسٹر لائڈ جارج سابق وزیر اعظم برطانیہ نے ۱۹۱۵ء میں ایک تقریر میں کہا تھا ہم تین

طاقتوں سے لڑ رہے ہیں۔ جرمن، آسٹریا، شراب اور شراب ان تینوں میں سب سے زاید خطرناک ہے۔

کہنے کو تو وزیر اعظم نے کہہ دیا لیکن تاریخ میں صرف حسینؑ ہی کی ایسی ذات ہے جو شرابخواری اور فجور کے لئے یزید سے لڑا اور اپنی جان دی۔

آپ اپنے نانا جان کی قبر سے رخصت ہوتے وقت فرماتے ہیں نانا جان میں آپ کے ہمسائے سے مجبوراً نکلتا ہوں کیونکہ میں نے یزید کی بیعت نہیں کی جو شرابخوار و بدکار ہے۔ (مقتل ابومخنف)

(۶۵) شہادت حسینؑ امتحان گاہ تھی

حسینؑ کی شہادت سے بنی امیہ و آل مروان و اہل حجاز و عراق و شام کے ایمان کا، اخلاق کا، معاشرت و تمدن کا امتحان تھا بلکہ تمام امت رسول کا قیامت تک کے لئے امتحان ہے۔ کون سیرت اختیار کرتا ہے اور کون حسینؑ پر ایمان لاتا ہے اور کون بغض و عناد رکھتا ہے جس کو امامؑ نے جنوں سے فرمایا تھا۔

(ارشاد شیخ مفید)

(۶۶) مصائب کربلا سے امام حسینؑ خائف و مضطرب نہ تھے

دشمنوں نے جو روایتیں تاریخوں میں لکھ دی ہیں اضطراب و خوف و بیقراری حسینؑ کی، وہ سب جھوٹی ہیں۔ واقعات شہادت میں ثبات و استقلال حسینؑ اس کی تکذیب کرتا ہے۔ امام حسینؑ تو صغر سنی سے ان مصائب کے برداشت پر تیار تھے۔

(۶۷) حسینؑ قرآن کے ساتھ ہیں

آخر وقت رسول خداؐ نے بہ اتفاق مورخین فرمایا تھا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ کتاب خدا اور عترت طاہرہؑ۔ جب تک دونوں سے تمسک کرو گے، گمراہ نہ ہو گے۔ جس کا صاف یہ مطلب تھا کہ قرآنی تعلیمات کا عملی نمونہ اہلبیت رسولؐ ہیں۔

دونوں کا قیامت تک ساتھ رہے گا۔ امام حسینؑ نے آخر وقت تک قرآنی تعلیمات کو عملی جامہ میں پیش کر کے ثابت کر دکھایا کہ آل رسولؐ کے سوا دنیا میں قرآنی تعلیم کا آئینہ بجز انکے کوئی نہیں ہے

اور قرآنی رشتہ غیر منقطع ہے۔

(۶۸) خلافت حقہ

یزید باوجود اس مادی قوت کے جو اس کو حاصل تھی حسینؑ کی خاموش ہستی سے کس لئے خوف زدہ تھا۔ اس لئے دہل رہا تھا کہ حسینؑ زندہ رہے تو مرجع خلائق ہو کر رہیں گے۔

خود وہ تلوار نہ اُٹھاویں لیکن ان کا تقدس وقار شاہی کھو کر رہے گا۔ کیونکہ خلافت حقہ وقابلیت امامت حسینؑ کے سوا کسی میں نہ تھی اور یہی خوف ہمیشہ سلاطین کو خاندان رسالت سے رہا جس کی وجہ سے سبھی قید وقتل ہوئے

(۶۹) حسینؑ روح انقلاب ہیں

وہ قوم جو اموی سازشوں زر پاشیوں جور وظلم سے مردہ کر دی گئی تھی، وہ قوم جو یزیدی عیش پر ستیوں اور رنگ رلیوں سے مبہوت کر دی گئی تھی، معاویہ کے وقت بھی امام حسینؑ نے کبھی حکومت بنی امیہ کو قبول وتسلیم نہ کیا تھا۔ نہ ان سے مرغوب ہوئے نہ مجوب ہوئے نہ ان کے اقتدار سے خائف ہوئے نہ ان کے جاہ وحشم کے آگے سر جھکایا۔ یزید کی ولیعہدی کے زمانے میں بھی معاویہ نے ڈرایا دھمکایا سب بے فائدہ ہوا۔ حسینؑ نے ہمیشہ ظلم وجبر وبدکاری، خودغرضی بدنفسی، شرارت، مخالفت، شریعت وحکومت سے عدم تعاون ومقاطعہ کر کے پچاس ساٹھ سال کے خواب غفلت سے دنیا کو چونکا دیا۔ ان کی غلامانہ تمدن ومعاشرت کی دل مردہ وافسردہ زندگی میں دلیرانہ اور مردانہ روح پھونک دی۔ قیدیوں نے قید خانے سے چھوٹ کر تاج و تخت اموی الٹ دینے کی ٹھان لی۔

(۷۰) قوم تلوار وسیم وزر سے نہیں بنتی

ہر صحیح الدماغ تاریخ کی ورق گردانی سے صاف صاف اقرار کرے گا کہ صحیح انسان اور صحیح قوم تلوار و زر پاشی سے نہیں بنتی ہے بلکہ بگڑتی ہے۔ ۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ یہی سبق دیتی ہے کہ دولت کا غرہ مادی، بے لگام حوصلے تین کرور انسانوں کی جان لے کر صحیح انسان اور صحیح قوم نہ بنا سکے بلکہ بقیۃ السیف کو مجروح الاعتقاد اور دنیا کو متزلزل وبے اعتماد بنا دیا۔ برخلاف اس کے امام حسینؑ نفس انسان کے عظیم تزلزل میں روح کے لئے ایک بہشتی سکون اور ضمیر کے لئے ایک کیفیت یقین پیدا کر کے صحیح قوم اور صحیح انسان بنانے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

(۷۱) حسینؑ نے اسلام کو عالمگیر بنا دیا

اقوام عالم اپنے تمدن کا جس چیز کو چاہیں سنگ بنیاد بنا دیں۔ اسلامی قوم کی تعمیر صرف مذہب سے ہے۔ اس کے تعلیمات اس کے شاہد ہیں۔ اقوام عالم کی نسلی، تمدنی، معیشتی، معاشرتی، جغرافی، جذبات ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ ممکن نہیں کہ اقوام عالم ایک مرکز پر جمع ہو سکیں۔ مذہب ایک ایسی شئے ہے جو باوجود تمام اختلافات کے اقوام عالم کو متحد کر سکتا ہے۔ اور ایک مذہب بنا سکتا ہے۔ امام حسینؑ نے مذہب کے عام اصولوں کی حمایت میں جو ہر قوم کے لئے قابل عمل ہیں، جان دے کر اسلام کو عالمگیر بنا دینے کی راہ نکالی۔

(۷۲) حسینؑ ہمیشہ بادشاہت کریں گے

غور کرو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ انسانی ضمیر کے سیلاب نفرت نے یزید اور اس کے سلطنتی سامان کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ لیکن حسینؑ کی صداقت صدر نشین قلب ہے۔ وہ زندہ ہیں بول رہے ہیں، حیات بخش ہیں۔ انفرادیت سے قومیں بن گئیں۔ حیات جاوید کو فخر وناز ہے کہ حسینؑ ان سے منسوب رہیں گے۔ حسینؑ دنیا میں نہیں ہیں۔ نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن زندوں کے دلوں پر بادشاہت کر رہے ہیں اور ہمیشہ بادشاہت کریں گے۔

(۷۳) رائے عامہ میں انقلاب

ہر تحریک کی کامیابی وناکامیابی کا راز اس میں ہے کہ رائے عامہ موافقت میں ہو اور مخالفت میں نفرت ہو۔ بنی امیہ کے مظالم، عیش پرستی، سرمایہ داری، قیصریت، ہتک خاندان رسالت، شریعت اسلامی کو مسلمانوں کے لباس میں مشرکانہ جامہ پہنانا یہ ایسی چیزیں تھیں جن سے رائے عامہ بنی امیہ کے ساتھ تھی۔ معرکہ کربلا نے بنی امیہ کے ہر فعل کے خلاف جذبہ نفرت پیدا کر دیا۔ جنگ کے خلاف، قتل کے خلاف آب ودانہ بند کرنے کے خلاف، بیدینی کے خلاف، شرابخواری کے خلاف، فسق وفجور کے خلاف، غرض جو گناہ بھی انسانیت کا دشمن ہے اس کے خلاف اس واقعہ نے نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا کر دیا اور ہمیشہ کے لئے اقوام عالم کو مذکورہ اعمال بد سے بچنے کا سبق دیا اسی طرح سے مظلومیت، صبر، حلم، استقامت، رواداری بے کسی، قربانی وغیرہ وغیرہ سے عمومی ہمدردی پیدا کر کے اخلاق حسنہ سے محبت کا سبق پڑھا دیا۔

(۷۴) حسینی جنگ کی خصوصیت

عالم کی گذشتہ اور آئندہ جنگوں کا جائزہ لو۔ ایک ہی پسپائی میں ہمتیں ٹوٹ جاتی ہیں اور متواتر کے شرائط پیش ہونے لگتے ہیں یا ہزیمت خوردہ سپاہ راہ فرار اختیار کرتی ہے مگر کربلا میں پسپائی نظر نہیں آتی۔ یزید کی وہ قہار مادی قوت بار بار شرائط صلح میں بیعت یزید کو پیش کر رہی ہے۔ لیکن حسینؑ کا روحانی بل بوتا جاں سپاری کا تازہ جوش وولولہ پیش کرتا رہا۔

(۷۵) انسانیت کی حفاظت

واقعہ کربلا تاریخ عالم میں حفاظت انسانیت کا آخری پرزور معرکہ تھا اور ان کوششوں کا نتیجہ تھا جو غار ''حرا'' کے بیٹھنے والے رسولؐ نے بتایا تھا، جس کا مقصد افتراق باہمی کو مٹا کر انسان کو ایک سطح پر کھڑا کر دینا تھا۔ حسینؑ اور ان کے خاندان کا یہی مطمح نظر تھا۔ ان کو بنی امیہ یا کسی قبیلہ سے پرخاش نہ تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ آل ابی سفیان سامنے آ گئے اگر کوئی دوسرا قبیلہ خواہ وہ بنی ہاشم ہی ہوتے سامنے آجاتا تو امام حسینؑ کا وہی رویہ ہوتا جیسا کہ میدان کربلا میں نظر آیا۔

(۷۶) حسینؑ نسلی تفوق کو مٹانے آئے تھے

جس وقت نسلی تفوق، امویت، عباسیت، ہاشمیت باہم ٹکرا رہی تھیں۔ تولیت خانہ کعبہ اچھا خاصہ محاذ جنگ بنا ہوا تھا۔ علم وعمل پس پشت ڈال کر صرف صحابیت رسولؐ قبلۂ عالم بنی ہوئی تھی، خاص اس وقت رسولؐ کے نواسہ نے بیعت یزید سے انکار کر کے اموی افتخار، خود ساختہ خلافت صحابیت، امیر معاویہ کی سازشی کاروائیوں کی پردہ دری فرمائی اور تاریخ اسلام کی کایا پلٹ دی۔

(۷۷) حسینی قربانی ابد تک رہے گی

اپنے ہاتھ سے اپنے بچہ کو قربان گاہ میں ذبح کرنا نہ تو حضرت ابراہیمؑ سے ہوا اور نہ قانون عقل نے اس کو جائز سمجھا اسی لئے قدرت نے خلیلؑ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایک جلتی چتا پر باوفا زوجہ کا شوہر کے بعد جل مرنا تمدن کی بڑھتی ہوئی تہذیب نے یک قلم منسوخ کر دیا۔ آدمیوں کی قربانی دیوی دیوتا کی خوشنودی کے لئے، تمدن وتہذیب کے لئے بار سمجھا گیا۔ ملک ومال، دھن دولت راج پاٹ چھوڑ کر جنگل کی سدھ بھرنا کسی وقت محبوب ہو لیکن اب اس کا رواج نہیں رہا۔ بخلاف حسینی قربانی کے جو حق و صداقت کی حمایت میں ہوئی اور ہمیشہ باقی رہے گی۔

(۷۸) روحانی جنگ میں مادی اسباب سے بے نیازی

مادی فتح کے لئے مادی اسباب کی فراوانی لازم ہے جس کے لئے قومیں ہمیشہ جائز وناجائز وسائل اختیار کرتی ہیں لیکن روحانی فتح کے لئے ان اسباب کی نہ کبھی ضرورت ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی جو اختیار کر لینے والے کی ہمت واستقلال کی چیز ہے جس سے مادی فتح بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

(۷۹) امام حسینؑ کی روحانی جنگ کی افادیت

مادی جنگ میں بین الاقوامی مخاصمت ومغایرت ہوتی ہے۔ لیکن روحانی جنگ بین الاقوامی محبت و اتحاد کے لئے ہوتی ہے حسینی جنگ اقوام عالم کو حریت، مساوات اخوت کی دعوت دیتی ہے اور کربلا کا منظر اس لازوال محبت ووفا کا سبق دیتا ہے جو جاں نثاروں کو حسینؑ کے ساتھ تھا اور آپس میں ایک کو دوسرے کے ساتھ۔

(۸۰) امام حسینؑ ہر قوم کے لئے ہیں

انسان کی تعلیم باعتبار ملک، زبان، نسل، قوم، ایک عارضی واتفاقی اور اضافی چیز ہے جو بدلا جا سکتا اور بدلتا رہتا ہے اور صرف نقل مکان سے برطرف ہو جاتا ہے۔ انسانیت کے لئے بحیثیت انسان ایک ایسا پلیٹ فارم بھی ہے جس پر ہر انسان بلاتفریق کھڑا ہو سکتا ہے اور پلیٹ فارم اس کی خلقت ہے اس پر آجانے کے بعد جغرافیہ ختم ہو جاتی ہے۔ حسینؑ واقعہ کربلا سے نہ عربی ہیں نہ ایرانی، نہ ہندوستانی، نہ جاپانی، نہ امریکی، نہ یوروپی بلکہ وہ ایک کامل ترین انسان ہیں جو ہر قوم ہر ملک ہر اہل زبان کے لئے یکساں باعثِ افتخار ہیں۔ جو بھی اپنی انسانیت کے لئے ان کی مقدس ذات کو نمونہ بنا دے۔

(۸۱) حسینؑ کی شکست وغم سے مسرت وفتحمندی پیدا ہوئی

امامؑ کے انتہائی غم وظاہری شکستہ حالی کے باوجود آپ کے غم انگیز واقعے کے اثر نے امام حسینؑ کو حقیقی فتح مندی دلائی۔ آپ کا غیر متبدل قانون ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اقوام عالم کو فتح مندی کا پیغام پہنچاتا رہے گا۔

(۸۲) درجہ کاملہ انسانیت کی راہ نمائی

حسینؑ نے یزیدیت، بہیمیت، سفاکی وبربریت کے مقابلہ میں اپنی کامل ذات کو پیش کر کے کمال

انسانیت وکمال بہیمیت کا صاف وروشن راستہ اقوام عالم کو بتادیا جس کا دل چاہے حسینی تاسی میں انسانیت میں کمال حاصل کرے، جس کا دل چاہے یزیدیت اختیار کر کے حیوان بن جاوے۔

(۸۳) زمین کربلا کی تقدیس

وہ مقدس زمین جس میں ایک درندہ خصلت جماعت چند مقدس ہستیوں کو اس کے ارادے سے باز نہ رکھ سکی۔ وہ پاک زمین جس پر حسینؑ کی دنیاوی اور جسمانی نہیں بلکہ روحانی حیات ابدی کا نہ غروب ہونے والا آفتاب چمکا۔ وہ ذرہ ہائے کربلا جو حریت وآزادی ضمیر کا دائمی نشان، اور وہ سرزمین جس پر اخلاق کی آبرو اور ہمت بڑھی اور عالم انسانیت نے حقیقی عظمت کے معنیٰ سمجھے اور اسلام کی سچی تصویر کھینچی۔ وہ زمین کربلا ہے جس کو امام حسینؑ کی قربانی نے تقدیس کے چار چاند لگادیئے۔ اسی کو رسولؐ زادے نے فرمایا تھا کربلا خدا کی پسندیدہ زمین ہے اور ہمارے شیعوں کی جائے پناہ ہے اور اماں ہے آفات دنیا وآخرت سے۔ (ارشاد شیخ مفید)۔ تعلیمات حسینی کا عامل اور سیرت حسینی کا اختیار کرنے والا دنیا وآخرت میں رستگار ہے اور زمین کربلا سیرت حسینؑ یاد دلا کر تمام اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، معاشی، بداعمالیوں سے بچنے کا سبق دے کر بیشک ہر بدی وبلا سے بچاتی ہے۔

(۸۴) فریضۂ نسواں

تمدن حاضرہ یا گذشتہ اقوام میں عورتوں کی جنگ آزمائی اور میدان داریوں کی کتنی ہی مثالیں ہوں اسلام عورتوں کی شمشیر زنی کو جائز رکھتا تو بیشک رسولؐ زادیاں اس کو فوزاً عظیم سمجھ کر زنان عالم پر سبقت لے جاتیں۔ وہ تو قوموں کی مائیں ہیں۔ تربیت اطفال اور خاموش خدمات ان کا طرہ امتیاز ہے۔ امام حسینؑ نے ہر وقت اس کی تعلیم دی۔ مادر وہب کو بھی بہت سمجھایا۔ وہ قومیں اور نسلیں فنا ہو جاتی ہیں جن کے زن ومرد دونوں مار ڈالے جاویں۔

(۸۵) یزیدیت کا مقاطعہ حسینی ثبات

وہ کوہ وقار ثبات واستقلال کا مجسمہ نانا کی قبر سے جدا کیا گیا۔ حج سے روکا گیا۔ مثل قیدیوں کے گھیر کر کربلا میں لایا گیا۔ ننھے ننھے بچے عورتیں ان کٹھن منزلوں میں شدت گرما میں ساتھ ساتھ تھیں۔ انکی بھوک پیاس، دوست احباب کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے، خود زخموں سے چور چور، اہل حرم کے دل ہلا دینے والے اسیری کے خیالات یہ سب فقط اس لئے کہ حسینؑ یزید کی مادی قوت کے سامنے جھک

پڑیں اور بیعت کرلیں۔ لیکن حسینؑ اس آزمائش میں پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے اور یزید کی تمام مادی قوتوں کو اس کے منصوبوں کو اس طرح سے خاک میں ملادیا جس سے یزیدیوں نے حسینیوں کو قتل کر کے خاک میں ملادیا۔ تاریخ عالم میں حسینی آزمائشیں اور ان میں ان کا ثبات قدم اپنی آپ نظیر ہے۔

(۸۶) ممدوح اعداء

دوستوں کا کیا ذکر حسینؑ نے اپنے محیر العقول کارناموں سے دشمنوں تک سے خراج تحسین لیا، عمر سعد تعریف کرتا رہا، شمر نے تعریف کی، سنان نے بھرے دربار میں ابن زیاد سے تعریف کی، خود یزید نے بھرے دربار میں اپنی زوجہ ہند سے مدح کی۔

(۸۷) حسینؑ کی تکذیب صداقت کا نشان ہے

یزید کا خط ولید کے نام اور ابن زیاد کے نام قتل حسینؑ کے متعلق تاریخوں میں دیکھو۔ یزید کے اشعار لست بن عتبة اظلم انتقتم۔۔

تاریخوں میں پڑھو ابن زیاد کا خطبہ قتل حسینؑ کے بعد طبری میں دیکھو خدا کا شکر ہے جس نے حق واہل حق کی پشت پناہی کی اور امیر المومنین یزید بن معاویہ اور اس کے لشکر کی نصرت کی (نعوذ باللہ) کذاب ابن کذاب حسینؑ کو قتل کیا اور ان کے شیعوں کو۔۔ الخ) یزید اور اس کے افسروں کے عقائد کے جذبات کی پوری پردہ دری ہے۔ بیشک امام حسینؑ اگر قتل نہ ہوتے تو اموی اصطلاح میں ان کلمات کے مستحق نہ ہوتے اور بیعت کر لینے پر رسولؐ کے دین اور منہاج علیؑ کی واقعی تکذیب کر دیتے۔ لہذا یہ مصنوعی تکذیب بالکل اسی طرح سے ہے جیسے اس کے دادا ابوسفیان نے رسولؐ کی تکذیب کی اور وہ تکذیب رسولؐ کی صداقت کا نشان بنے۔

(۸۸) زور حق باطل کے قدم نہیں جمنے دیتا

معاویہ نے ہزاروں درہم ودینار دے کر جھوٹی حدیثیں فضائل صحابہ میں بنواڈالیں۔ سیکڑوں تدبیروں سے اپنے کو تنہا وارث رسولؐ ثابت کرنا چاہا۔ سب علیؑ کو منبروں پر تنخواہ دار خطیبوں واعظوں سے مسجدوں میں جاری کرایا۔ قرابت علیؑ ورسولؐ کو شامیوں کی نظروں میں میٹ دیا۔ ان سب کاوشوں کو حسینؑ نے شہید ہو کر ملیا میٹ کر دیا۔ رسولؐ کے نواسہ کا کربلا کی جنگ میں بار بار اپنی قرابت کا

اعلان، رسولؐ زادیوں کا برہنہ سر ناقوں کی پیٹھ پر نوحے اور خطبے، یزید کے بھرے دربار میں بیمار قیدی سید سجادؑ کا خطبہ، جناب زینبؑ کی دربار یزید میں اور دربار ابن زیاد میں گفتگو، حتیٰ کہ خود قاتلوں کا دربار وں میں اعتراف فضلیت وقرابت داری رسولؐ، مسجدوں کے وہ منبر جو سب علیؑ سے نجس ہوا کرتے تھے قیامت تک کے لئے فضائل علیؑ وآل علیؑ سے برکت پانے لگے اور بجائے سب بنی امیہ سے زینت دی گئی یہ زور حق تھا جس نے باطل کے قدم اکھاڑ دئے۔

(۸۹) قول مردان جان دارد

حق بات کہہ کر اڑنا اور اس پر مرمٹنا یہ اخلاقی تعلیم جو انسانیت کا بہترین ذریعہ ہے حسینؑ ہی سے ہم کو ملی۔ حسینؑ نے اگر یہ کہہ دیا تھا کہ یزید فاسق وفاجر وشرابخوار کی بیعت نہ کروں گا تو جان دے کر دکھا دیا اور سننے والوں نے بھرے دربار میں یزید کو شراب پیتے اور تلچھٹ سر اقدس پر پھینکتے دیکھ لیا اور انکار بیعت کی وجہ کھل گئی۔ یزید کے درباری کچھ بھی فیصلہ کریں لیکن قیامت تک کے لئے صحیح فیصلہ ہوگیا کہ حسینؑ سرفروشی میں حق بجانب تھے۔

(۹۰) حسینؑ کی تاریخی شخصیت

رام، کرشن بودھ تاریخ سے گذر کر افسانے کے دائرے میں آگئے ہیں یہاں تک کہ اکثر محققین کی رائے ہے کہ مہابھارت ورامائن تاریخی واقعے نہیں ہیں بلکہ روحانی تجربات ہیں۔ مہاتما گاندھی کی رائے میں ہر دل رامائن ومہابھارت کا اسٹیج ہے اور ان افسانوں کو تاریخی نگاہ سے دیکھنا ان کی اہمیت کو خاک میں ملانا ہے مگر معرکہ کربلا چودہ صدیاں گذرنے پر ایک مستند تاریخی واقعہ ہے اور کسی محقق کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہے کہ یہ محفل روحانی تجربہ اور نیک وبد کی ازلی جنگ ہے جو ہر دل میں ہمیشہ رہتی ہے اگرچہ دیگر مسلمان شعراء وادباء اس سانحہ کو اپنی جولانگاہ فکر سے افسانہ کا رنگ غلطی سے دے رہے ہیں۔

(۹۱) ذکر حسینؑ کی افادیت

آج تیرہ سو سال گذرے، مگر ہر گرفتار مصیبت وآلام کو امام حسینؑ کے پاک نام سے تسلی وتشفی ہوتی ہے جب ان کی مصیبتوں کا خیال آجاتا ہے تو ہر مصیبت زدہ کو اپنی مصیبت ہلکی معلوم ہوتی ہے اور اس کے جذبہ صبر وتحمل میں ایک ہیجان پیدا ہوجاتا ہے اور تازگی کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ صبر، ضبط، تحمل،

عمل، اور قربانی، انسان کے صفات کمالیہ سے ہیں کسی ملک، کسی مذہب کا ہو۔ حسینؑ ان صفات کمالیہ کے کامل نمونہ تھے جن کو دوہرا کر ہر انسان کو ایسا درس ملتا ہے جو اسے انسانیت کا فرد کامل بنا سکے اور اپنے مصائب پر صبر کر سکے۔

(۹۲) حسینؑ پر گریہ محبوب خدا ہے

فرعونی لشکر کی غرقابی پر قرآن مجید نے بتایا ہے کہ انکی موت پر نہ آسمان رویا نہ زمین روئی (فما بکت علیھم السماء والارض) قانون الٰہی یہ ہے کہ دشمنان خدا پر آسمان وزمین نہیں روتے۔ اس کا لازم یہ ہے کہ خاصان خدا پر آسمان وزمین روتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کے اس ذکر کا فائدہ کیا تھا۔ امام حسینؑ پر گریہ اہل آسمان وزمین کا انکی عظمت وتقدس کی وجہ سے کیوں نہ محبوب خدا ہوگا جبکہ آسمان وزمین روتے ہوں، دیکھو اسلامی تاریخوں کو۔

(۹۳) حسینؑ کی بین الاقوامی حیثیت

حسینؑ بال بچوں کا پانی دشمن (حر) کی فوج کو پلا دیتے ہیں۔ فرات کا گھاٹ بے نزاع دشمنوں کے لئے خالی کر دیتے ہیں بنی اسد سے زمین خرید کر ہبہ کر کے عام انسانوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ وہب نصرانی کو بھی سینہ سے چمٹاتے ہیں اور مادر زوجۂ وہب کو رسولؐ زادیوں کا ہمنشین بناتے ہیں۔ غلاموں کے منہ پر منہ ملکر اوروں پر فوق وبرتری دیتے ہیں۔ لونڈیوں پر سلام رخصت کر کے آزاد و غلام کا فرق مٹاتے ہیں۔ حسینی انجمن بین الاقوامی انجمن ہے جس کے پریسیڈنٹ خود حسینؑ ہیں۔ جس کی منبری نیک عملی ہے۔ اپنا ہو یا بیگانہ، کالا ہو یا گورا، ملکی ہو یا غیر ملکی، سب کے حقوق اس انجمن میں مساوی ہیں۔

(۹۴) حسینیت ہر ترقی کی ضامن ہے

اگر عملاً ہم حسینؑ کے نام لیوا بنیں، قدم قدم پر اپنے اندر سید الشہداءؑ کی روح پیدا کرنے کی کوشش کریں، سینہ زنی کو ہر آسائش کی قربانی قرار دیں، آنسو بہانے کو نبی زادے کے اسوہ حسنہ کی تاسی میں قومی، مذہبی، ملکی، تمدنی، معاملات پر آنسو بہانا سیکھیں، حمایت حق میں سربکف ہوکر شہادت کے طالب ہوجائیں تو ہر قسم کی مٹی ہوئی شوکت وعزت کو واپس لے سکتے ہیں۔

(۹۵) مجالس عزا کی روحانی افادیت

خدا نے نبیوںؑ کے قصے قرآن مجید میں ذکر کر کے عقلا کے لئے نصیحت اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت ورحمت قرار دیا ہے۔ (سورہ رعد) اور تمام قصوں کے بیان کرنے اور تلاوت کرنے اور ذکر کرنے میں اجر وثواب ہے۔ ایک فریق ان نبیوںؑ کا جھٹلایا گیا اور ایک قتل کیا گیا۔ بس امت محمدی میں اگر ایسا واقعہ ہو کہ ان کا نواسہ جھٹلایا بھی جائے اور قتل بھی ہو تو بیشک ان کے حالات کا ذکر مجالس ومحافل میں عقلا کے لئے نصیحت اور مومنوں کے لئے ہدایت ورحمت ہے اور ان میں قصص قرآنی کو سن کر رونے کا حکم ہے (**افمن هذا الحديث تعجبون و تضحكون ولا تبكون**) لہذا حسینؑ پر گریہ بھی موجب خوشنودی خدا ہے اور انکی سیرت وخصائل کا ذکر موجب ہدایت ورحمت ہے۔

اگر چند روزہ مفارقت جناب یوسفؑ پر خدا کا نبیؑ روتے روتے نابینا ہوسکتا ہے اور قرآن مجید اس کا بہ بدی ذکر نہیں کرتا تو رسولؐ خدا کے سامنے ان کے کنبہ کے ان کے دین کی حفاظت میں اگر قربانی ہوتی اور رسولؐ کی بھی یہ حالت ہوتی (**و ابيضت عيناه من الحزن وهو كظيم**) تو کون ملامت کرسکتا ہے اور ان کی امت کے رونے پیٹنے پر کس کو ملامت کا حق ہے بلکہ نبی خدا کی تاسی ہے۔

مجالس کی وجہ سے یومیہ مشاغل میں مذہبی رنگ پیدا ہوجاتا ہے۔ نشر ظلم سے ظالم سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مظلوموں سے ہمدردی ہوتی ہے اور مظلوم کی ہمدردی سے جذبہ انتقام اور جذبہ انتقام سے جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے۔ اس مجلس کے ذریعہ ایک جا جمع ہوکر قومی، مذہبی، معاملات پر تبادلہ خیال ہو سکتا ہے ایثار وقربانی کے جذبات پیدا ہوسکتے ہیں۔ اعتقادات میں استحکام اور اصلاح ہوتی ہے اور عبودیت کے جذبات برانگیختہ کئے جاسکتے ہیں۔ معبود حقیقی کی معرفت میں مدد ملتی ہے فن خطابت و معلومات تاریخی کا اضافہ ہوتا ہے غرضکہ ہر قسم کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہے بشرطیکہ ذاکرین، مقررین وواعظین اپنا رخ بدلیں اور مجالس کو مفید تر بنانے کی کوشش کریں۔

(۹۶) حسینؑ کی شہادت رسولؐ کی شہادت ہے

خود رسولؐ کا ارشاد ہے ''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں'' رسولؐ کا جو بھی منشاء ہو حدیث متفق علیہ ہے۔ حسینیؑ زندگی رسولی زندگی ہے اور حسینؑ کی شہادت بیشک رسولؐ کی شہادت ہے۔ اسی

نکتہ کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سمجھا اور سر الشہادتین'' میں لکھا۔ اور اسی کو حسینؑ کی مانجائی زینبؑ خاتون نے اپنے بھائی سے کہا'' آج میرے نانا رسولؐ خدا مرے۔ آج میرے بابا علی مرتضیٰؑ مرے۔ آج میری ماں فاطمہ زہراؑ کی موت ہوئی۔ آج میرے بھائی حسن مجتبیٰؑ مرے۔'' حسینؑ خمسۂ نجباء کے فضائل وخصائل کے تنہا مظہر تھے ان کی شہادت پنجتن کی شہادت ہے۔

(۹۷) حسینؑ سرمایہ قوم ومذہب ہیں

پولیٹکل اکاڈمی کے جاننے والے جانتے ہیں کہ تمام اعلیٰ وبرترین افراد قوم وملت، ومذہب، وملک کا سرمایہ ہوتے ہیں ان کی موت قومی موت، ملکی موت، مذہبی موت ہے۔ حسینؑ کی سی شخصیت کا مالک شہید ہوجاوے بیشک قومی موت ملکی موت مذہبی موت ہوگی اور قومی ومذہبی سرمایہ ہم سے ہمیشہ کے لئے چھن گیا۔

(۹۸) دین میں جبر واکراہ نہیں ہے

خدا کا پیغام قرآن کے ذریعہ عالم کی امتوں کو پہنچایا گیا ہے ''لا اکراہ فی الدین'' ایمان میں کسی تشدد و جبر کی گنجائش نہیں ہے وہ خوشی کا سودا ہے،۔ رسولؐ کی تمام زندگی افعال واعمال میں کبھی جبریہ بیعت کی جھلک نظر نہ آئے گی۔ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی آگ اور لکڑی، ریسمان اور تلوار، قہر وغلبہ کے زور سے بیعت لیکر قرآن وسیرت رسولؐ کی توہین کی گئی۔ غیروں کا کیا ذکر اپنوں کے امن واماں کی زندگی خطرے میں آگئی۔ بیعت یزید کے لئے تلواریں دیکر سروں پر کھڑا کردیا گیا ہے اور کھلم کھلا جبریہ بیعت لی جارہی ہے۔ عالم کی نظروں میں اسلام جبر وتشدد کا مذہب بنا کر قابل نفرت کردیا گیا۔ امام حسینؑ نے سر پر تلوار دیکھ کر بھی بیعت نہ کی اور قرآن وحدیث وسیرت رسولؐ کی نہ مخالفت کرنا تھی نہ کی اگر قہر وغلبہ وجبریہ بیعت کا طریقہ اسلام میں پسندیدہ ہوتا تو فرزند رسولؐ ضرور اپنی تصدیق کی مہر لگاتا یزید کی جبریہ بیعت کو بھی ٹھکرایا اور بار بار اپنے ساتھیوں سے بیعت اٹھا لینے اور ساتھ چھوڑ کر چلے جانے کی عملی خواہش کی اور جبری بیعت اور قہر وغلبہ کے قانون پر کاری ضرب لگائی۔

(۹۹) خود پرستی وسرمایہ داری کی بیخ کنی

دنیا ہمیشہ سے مادیت وعسکریت کی پجاری بنی رہی ہے۔ خدا کے نبی آتے رہے اور مادیت و عسکریت کی بیخ کنی کرتے رہے لیکن قوم نے نہ سننا تھا نہ سنا۔ انسان پرستی، سرمایہ پرستی قوت و

عسکریت کا گھمنڈ عالم بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ بنی اسرائیل خدا کی اولاد سمجھی جاتی تھی اور تمام قومیں ذلیل تھیں۔ یونانی ''فادرزیوس'' کے ماننے والے اپنے سوا سب کو جاہل سمجھتے۔ ہندو بھارت ورش سے دور رہنے والوں کو ملکش سمجھتے۔ خانہ بدوش عرب اپنے سوا جملہ اقوام کو گونگا کہہ کر تحقیر کرتے۔ زبور رب الافواج کی اصطلاح قائم کر کے عسکریت کی نمائش کرتی۔ اور عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہہ کر نصرانیت انسان پرستی کی تعلیم دیتی اور آسمانی بادشاہت میں بجز مسیحیوں کے کسی کے داخلہ کے روادار نہ تھے۔ عملی زندگی کا کفارے سے خاتمہ کر چکے تھے۔ اس وقت غار حرا کا بیٹھنے والا رسولؐ پکار پکار کہہ رہا تھا ''جنت ہر اس شخص کے لئے جو خدا کی اطاعت کرے اگرچہ وہ غلام حبشی ہو اور دوزخ ہر اس شخص کے لئے ہے جو خدا کا نافرمان ہو اگرچہ وہ سید قرشی ہو۔''

اسلام کے اس بلند نظریہ کو رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی سرمایہ داری نے پامال کر دیا۔ اطاعت الٰہی اور عمل صالح کی جگہ شمشیر زنی اور لوٹ مار نے لے لی اور اسلامی تاریخیں قیصریت و کسراویت پر فخر کرنے لگیں۔ یہودیت جس طرح سے شہیدوں اور ولیوں کی پرستار بن گئی تھی۔ اور نصرانیت زندہ پوپ کے علاوہ لاتعداد حواریوں اور نام نہاد پیشواؤں کی پجاری تھی۔ اسی طرح اسلام علم و عمل کو چھوڑ کر صرف صحابیت، اجماع شوریٰ غلبہ کے سامنے سربسجود ہو گیا تھا۔ شہادت حسینی نے ان اسلام سوز اصولوں کی تکذیب کر دی اور علم و عمل کا پرچم پھر لہرایا۔

(۱۰۰) حسینیت و یزیدیت

شب عاشور ایک طرف اسلحے پر صیقل ہو رہی تھی کہ تیر و تبر، سناں و خنجر زہر میں بجھائے جا رہے تھے۔ عسکریت و اسلحہ کا سہارا ڈھونڈا جا رہا تھا۔ دوسری طرف خدا کی یاد قرآن خوانی و عبادت الٰہی سے میدان گونج رہا تھا اور اس خدا پرستی سے بتایا جا رہا تھا کہ خلافت کی یہ آخری کڑی جس طرح سے اپنے پیشرووں کی تقلید میں مادیت سے سرشار ہے اسی طرح سے رسالت کی یہ آخری کڑی عبودیت و طاعت الٰہی میں سرشار ہے۔

(۱۰۱) خلافت الٰہیہ کی شان

رسولؐ نے انصار و مہاجرین میں برادری قائم کر کے مال و دولت میں ایک کو دوسرے کا شریک کر دیا۔ جو مال ملتا وہ مساوی طور پر تقسیم ہوتا تھا (لکی لا تکون دولۃ بین الاغنیاء) تاکہ

دولت سرمایہ داروں کے پاس جمع ہو کر نہ رہ جائے اور کوئی فرد بیجا اقتدار و ناجائز تفوق دوسرے پر نہ حاصل کر سکے۔ ہاں روحانی تفوق حاصل کر کے سرداری کا استحقاق پیدا کر سکتا ہے۔ اس لئے علیؑ کو اپنا بھائی بنا کر روحانی پیشوا بنایا گیا تھا علیؑ اور انکی اولاد کا بھی یہی نظریہ تھا کہ مزدوری و محنت سے پیٹ پالیں اور بیت المال پر شکم پری کا بار نہ ڈالیں۔ جب تک ہمسایہ میں ایک بھی بھوکا ہو خود بھی پیٹ بھر کر نہ کھاویں۔ علیؑ کا پہلا شاہی خطبہ مسجد کوفہ میں اس لباس میں تھا کہ ایک پیرہن خرمہ کا جس میں پیوند تھے جسم میں تھا۔ کسی نے پوچھا یا علیؑ ایسی حالت کیوں بنائی فرمایا تاکہ دولت مند اس لباس کو دیکھ کر سادگی اختیار کریں اور غریبوں کو تسلی ہو کہ ان کا بادشاہ بھی انہیں جیسا ہے۔

کربلا کے میدان میں یہی نظارہ تھا۔ بہ چتر زریں پسر سعد کے سر پر سرداران لشکر زرہ اور خود میں ملبوس لیکن کربلا کا مجاہد ایک قمیص اور عمامہ میں ملبوس۔ اس رئیس روحانی کے فوجی بھی پھٹے پرانے کپڑوں میں تھے۔ مرنے میں تو ایک دوسرے پر سبقت کرتا ہے لیکن اقتدار و تفوق میں آزاد و غلام سب برابر ہیں۔ کارل لنن ٹالسٹی، مارکس، آج سرمایہ داری کے خلاف برسرپیکار ہیں لیکن اسلام کا مزدور مجاہد علیؑ کا فرزند اسی سرمایہ داری کے خلاف جنگ کر کے جان دیتا ہے۔ پیراہن ایسا بوسیدہ پہنا ہے کہ جس کو سرمایہ دار خلیفہ دیکھ کر حقارت سے کہتا ہے حسینؑ ایسا بوسیدہ لباس پہنے تھے اور دعوائے خلافت کرتے تھے۔ اس بندہ زر کی نظر میں خلافت الٰہیہ اور جانشینی رسولؐ اور قیصر و کسریٰ میں کوئی فرق نہ تھا یہی ذہنیت تو اس کے پیشرو اور اس کے مابعد والے خلفاء کی تھی۔

(۱۰۲) معاویہ کی پیشینگوئی پوری ہوئی

انجام بین معاویہ نے اپنے آخر وقت یزید کو وصیت کی تھی ''حسینؑ رسولؐ کے فرزند فاطمہؑ کی یادگار ہیں۔ ان سے مزاحمت نہ کرنا۔ لیکن تو اس وصیت پر شاید عمل نہ کرے اے یزید جان دیدے گا مگر تیرے ہاتھ پر بیعت نہ کریگا آہ حسینؑ کی موت اموی خاندان کے خاتمہ کا پیش خیمہ ہوگی۔''

یہی تو ہوا دمشق کے ایک دروازے سے حسینؑ کے اہلبیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نفرت و حقارت سے اموی کے جذبہ کی فوجیں پایۂ تخت یزید پر امنڈنے لگیں۔

(۱۰۳) سچی عزت خدا اور رسولؐ و مومنین کے لئے ہے

ممالک فتح کر کے چنگیز و ہلاکو بن جاؤ۔ محمود غزنوی بنکر سومنات کا مندر ڈھا دو۔ محمد غوری پیدا کر

کے مقدس جنگ کے ہیرو بن جاؤ۔ ممالک مفتوحہ کے خراج سے عالیشان محلات بنا کر قیصر و کسریٰ کی روح کو شرمادو۔ یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے، جو ہر قوم اور ہر مذہب میں بکثرت نظائر پیش کرتی ہے۔ اسلامی عزت اگر اسی میں ہوتی تو بوریا نشین رسول (نعوذ باللہ) بہت زائد ذلیل تھا، جو فاقہ بھی کرتا تھا۔ پیراہن نہ ہونے کے باعث گھر سے نکل نہ سکتا تھا۔ گرسنگی کی شدت سے پیٹ پر پتھر بھی باندھتا تھا۔ عزت تو ان گھروں کی نثار ہوتی ہے جو خرابوں میں بنے ہوئے ہیں۔ خلافت بار بار مشکلوں میں جن دروں کی جبہ سائی کرتی تھی۔ عزت تو ان قید خانوں میں ہے جو تنگ و تاریک ظلمت کدہ بنے ہوئے ہیں نور الٰہیہ آغوش میں لئے ہوئے ہیں جن کو بار بار کھول کر مشکلیں حل کرائی جاتی ہیں۔ متوکل نے قبر حسینؑ کے مٹانے کی کوشش کی۔ آج دنیا میں ہزاروں کربلائیں بنی موجود ہیں۔ لاکھوں تدبیروں، کاوشوں قتل و غارتی، قید و زر پاشی، خود ساختہ اصول اسلامی کی نشر و اشاعت ایک طرف اور قید خانوں کی چار دیواری، ٹوٹے کھنڈر کے رہنے والے فاقہ کش مزدوروں کی خاموش زبردست تبلیغ ایک طرف۔ جس نے اپنے اصول کے فدائیوں کو آج پانچ کرور تک پہنچا دیا ہے۔ دیکھو عزت کے قابل کون سی تدبیر تھی جور و استبداد کی یا مظلومیت و مقہوریت کی۔ شمر و عمرو حرملہ کا پتہ بھی نہیں حسینؑ کے خون بھرے عمامے کی یادگار، علی اصغرؑ کے جھولے کا نشان آج تک عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ عباسؑ کے شانے قلم کرنے والے مٹی میں مل گئے مگر عباسؑ کا علم آج بھی سچے مسلمانوں کی رگوں میں جوش فدائیت کا خون دوڑاتا ہے۔ زین العابدینؑ کو طوق و زنجیر پہنانے والے نیست و نابود ہو گئے لیکن مجرم کی طوق و زنجیر آج بھی رئیسوں، شاہزادوں کی گردنوں کی عزت ہیں۔ غرضکہ سرمایہ پرست ذلت کے سامانوں کو اہلبیتؑ سے منسوب کر کے عزت کا نشان بنا گئے۔

(۱۰۴) ایک خدا ایک امت

توحید کا پرستار کب انسان پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی، کی لعنت میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ جھوٹے ہیں وہ مسلمان جو مذکورہ لعنتوں کو قلادۂ گردن بنائے ہوئے ہیں۔ مشرک و کافر ہیں وہ لوگ جو تعلیم اسلام کے خلاف سلطنت و قومیت کی صدا بلند کرتے رہتے ہیں۔

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ وہ سب انسان برابر ہیں۔ سب آدمؑ کے فرزند ہیں۔ ایک ہی قوم ہیں۔

ساری دنیا ہمارا وطن ہے۔ ایک خدا اس کی ایک مخلوق جب تک وہ مسلمان ہیں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ سقیفہ میں ''منا امیر و منکم امیر'' مہاجرین و انصار کے جھگڑے میں اسلامی ساکھ مٹ گئی۔ علم و عمل و روحانیت چھوڑ کر قریشیت کا سوانگ بنایا۔ اجماع کے لئے حجاز پرستی کا بہانا نکالا۔ یہ انسان پرستی، قوم پرستی، وطن پرستی ابتدائی خلافت سے آخری خلافت عباسی تک قائم رہی اور اس پردے میں اسلام کی تمام خانہ جنگیوں نے پرورش پائی۔ آج بھی یہی لعنت مسلمانوں پر سوار ہے اور ہیئت جامعۂ اسلامی کا خون بہایا جاتا ہے۔ علی مرتضیٰؑ نے وطن پرستی کی لعنت سے کوفہ کو دارالمارہ بنا کر مٹایا۔ جناب شہربانوؑ کو نوامامونؑ کی ماں بنا کر قوم پرستی کی بیخ کنی کی۔ اور ابن عمر پر حد جاری کر کے انسان پرستی کو مٹایا۔ امام حسینؑ نے اپنے خون سے آئین علوی اور قانون الٰہیہ پر مہر تصدیق لگا دی قیامت تک کے لئے کوفہ بسایا۔ یزید کی بیعت نہ کر کے خلافتی آئینوں کو ملیامیٹ کیا۔ انسان پرستی سے نجات دلائی۔

(۱۰۵) تخت خلافت سے حقوق اہلبیتؑ کا اعتراف

حسینؑ! کیا کہنا آپکی سیاست کا۔ حضرت علیؑ کی خانہ نشینی، حسنؑ مجتبیٰ کی سی صلح اگر آپ کر لیتے تو اسلام کا قیامت تک کے لئے خاتمہ تھا۔ آپ کے جد خاتم النبیین تھے تو آپ متمم کار نبوی تھے۔ اسلام کا وہ ڈرامہ جو رسولؐ کی وفات کے بعد شروع ہو گیا تھا مدبرین اسلام کی وہ پالیسی جو خفیہ اور علانیہ مدتوں سے برسر کار تھی اور اولاد رسولؐ کو نہایت چالاکی و ڈپلومیسی سے گلے گھونٹ گھونٹ کر رکھا جا رہا تھا، حسینؑ کی شہادت نہ ہوتی تو خدا جانے کتنی مدت تک یہ حقائق پوشیدہ رہتے۔ جس تخت اہلبیتؑ کی تباہی کا فرمان جاری ہوا تھا چند روز بعد اسی تخت سے آلؑ رسول کے حق کے اعتراف کی صدا بلند ہوتی ہے۔ اسی یزید کا فرزند معاویہ تخت شاہی پر بیٹھتے ہی پرزور لہجہ میں اپنے باپ دادا کی سیہ کاریوں اور آل رسولؐ کے دینی خدمات و استحقاق خلافت کا اعلان کرتا ہے۔

(حیاۃ الحیوان دمیری)

(۱۰۶) اسلامی فتوحات

کیا اسلام مال و زر جمع کرنے آیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ کیا اسلام عالیشان عمارات قائم کرنے آیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ کیا ملک گیری و شمشیر زنی کے لئے آیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ دنیا میں کون مذہب و ملت ہے جس نے

اسلام سے کہیں زاید مال و دولت نہ بٹورا ہو، کتنی قومیں گذریں اور آویں گی جو عالمگیر سلطنتیں کر چکیں۔ ملک گیری و فتوحات میں شہرۂ آفاق رہیں۔ پھر اسلام کے فتوحات پر فخر کرنے والے بدامنی کے حامی اور چند لیٹروں کے سنگی ساتھی ہوں گے جب تک مسلمانوں کے ہاتھ میں تلوار رہی خوب لوٹا۔ جب دوسروں نے چھین لی اب ان کی تلوار ہے مادی فتوحات کے لئے۔ بختضر، سکندر، اخسویریس، نپولیس، اور برطانیہ کیا کم ہے درحقیقت اسلام ذہنی، روحانی، عقلی فتوحات کے لئے آیا تھا۔ ذہنیتوں میں انقلاب پیدا کرنے آیا تھا۔ وہ معلم اخلاق تھا۔ مصلح تھا، ریفارمر تھا۔ حسینؑ کی مادی شکست حقیقی شکست نہ تھی ورنہ رسولؐ کو اپنے غزوات و سرایا میں چند مرتبہ شکست کا منھ دیکھنا پڑا ہے درحقیقت حسینؑ کی فتح ذہنی، روحانی، عقلی فتح تھی جس کو عالم نے تسلیم کر لیا۔

(۱۰۷) رسولی تعلیم کی تاثیر

اسلام جتنا بھی فخر کرے زیبا ہے کہ ۱۱ ہجری سے ۱۳۵۶ ہجری تک رسولی تعلیم کا یہ زبردست اثر تھا کہ رہنماؤں کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ چلتا رہا۔ ان میں کا ہر بزرگ اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا زاہد تھا، جس کا ہر ہر فرد اپنے بانی سلسلہ کا مکمل نمونہ ہو جس سلسلہ طیبہ کو خود رسولؐ اس طرح سے فرما دے ''پہلا ہمارا محمدؐ ہے وسطی ہمارا محمدؐ ہے آخری ہمارا محمدؐ ہے اور سب ہمارے محمدؐ ہیں ہر ایک کی یکساں تعلیم۔ ایک سا زہد۔ ایک سا علم، ایک سی سیاست تھی۔ اور ہر ایک بارہ اماموں میں سے پرتو جمال محمدی تھا۔ تاریخیں شاہد ہیں یہ رسولؐ کی ہی تعلیم تھی کہ عرب کے مشہور مدبر عمر فاروق نے علیؑ کی سیاست دانی کی سیکڑوں مرتبہ ''لولا علی لھلك عمر'' کہہ کر داد دی۔ خلفائے وقت کو دشوار گذار وقتوں میں تاریک قید خانوں کے دروازے کھلوانے پڑے اور اسیران آل محمدؐ کے دامنوں میں پناہ لینی پڑی ہے۔ یہ رسولؐ ہی کی پرقوت تعلیم کا اثر ہے کہ انبیاء و مصلحینؑ رہبروں اور ریفارمروں نے جو برسوں میں نہ کر سکتے تھے حسینؑ نے روز عاشور چند گھنٹوں میں کر دکھایا۔ بنی آدم کو جہالت کی تاریکیوں سے نکالا۔ غلامانہ ذہنیت کو دور کیا۔ حریت و مساوات کا سبق پڑھایا۔ ظلم و استبداد کی بیخ کنی کی۔ سرمایہ داری کے خلاف جنگ کی مزدوروں کو امن و امان کی زندگی بسر کرنے کا سبق دیا۔

اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہ

(۱۰۸) ووٹ آف سنسر

وفات رسولؐ کے بعد حضرت امیرؑ سے لیکر ان کی کل اولاد نے اور ان کے سچے پیروؤں نے ہمیشہ تخفیف دین و آئین رسولؐ کی مخالفت کرنے والوں سے ووٹ آف سنسر کیا جس کا حکم قرآن نے لفظ تراء سے دیا تھا جو نفرت و بیزاری کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن و حدیثیں خدا اور رسولؐ کی لعنت سے پر ہیں یعنی وہ لوگ جو کھلم کھلا اصول مقررہ کی سرکشی سے مخالفت کریں رحمت الٰہی سے وہ محروم ہیں خدا سے سرکشی کریں اور رحمت خدا کی امیدواری کریں کب ممکن ہے اخلاقی و مذہبی بائیکاٹ ہے جو تمام متمدن اقوام میں ہمیشہ سے رائج ہے اب بھی وزارتوں اور پریسڈنٹوں پر کھلے جلسوں میں اعتمادی کا اظہار اور ووٹ آف سنسر پاس ہوتا ہے آل رسولؐ نے اپنی جانیں دیں سخت ترین مصائب جھیلے ان کے تابعین نے ہمیشہ یہی کیا اور اب بھی یہی ہوتا ہے لیکن اپنا اخلاقی و مذہبی بائیکاٹ ترک نہ کیا اور جز و ایمان سمجھا۔ لعنت و تبرا کی اس سے زاید کچھ حقیقت نہیں ہے۔ امام حسینؑ نے دنیا بھر کے مظالم سے فقط یزیدیت سے ووٹ آف سنسر کر کے۔

(۱۰۹) واک آوٹ

خلاف ضمیر کسی جلسہ کی کاروائی میں شرکت نہ کرنا اور جلسہ سے اٹھکر چلے آنا جہاں مجارٹی اپنے خلاف ہو اپنے مقصد کی صحت اور اپنے صداقت کی دلیل ہوتا ہے اور کثرت رائے سے پاس ہو جانا کسی حق کو سلب نہیں کر سکتا۔ جناب امیر کا خلافت میں دربار خلافتی اور واک آوٹ اور خلافتوں کا مطالبہ کہ سب نے اتفاق کر لیا ہے آپ بھی اتفاق کر لیجئے اور جناب امیرؑ کا ضمیر فروشی نہ کرنا اور امام حسنؑ کا خلافت سے دست برداری کرنا بر سر منبر اپنی خلافت و حق کا اعلان کرتے ہوئے واک آوٹ کرنا۔ امام حسینؑ کا معاویہ کی دعوت بیعت پر واک آوٹ تاریخ عالم اس واقعہ کو دہراتی رہے گی کہ یہ خاندان تمام اجماعی خلافتوں کو غلط و بے اصل سمجھتا رہا اور اپنے اصول پر مر مٹا۔

(۱۱۰) واقعہ کربلا دلیلِ نبوت رسولؐ ہے

شہادت امام حسینؑ کی بار بار خبر دینا اور تفصیلات کا بیان کرنا علم بالغیب ہے۔ عام پیشینگوئیوں میں یہ بات کہاں کہ واقعات کے جزئیات بیان ہوں ''فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ''

(سورہ جن آیت نمبر ۲۷۔۲۶)

دیکھو اس پیش گوئی کے اعجازی پہلو

(۱) جس طرح رسولؐ نے شہادت کی پیشینگوئی کی اسی طرح سے وقوع بھی ہوا۔

(۲) کربلا کی مٹی جناب ام سلمہؑ کو دی

(۳) ام سلمہؑ سے فرمایا کہ روز عاشور یہ مٹی خون ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔

(۴) روزِ قتلِ حسینؑ سے سرخ ہونا مٹی کا مخصوص نہ ہونا بلکہ تربت حسینی کا یہ اعجاز سال بہ سال عاشور کے روز آج تک خاص شہروں میں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور اس بات سے تبلیغ رسالت و اہمیت شہادت کا اعلان ہوتا ہے۔

(۵) ام سلمہؑ کو جو مٹی عطا ہوئی تھی اور اس کا اماموں کے پاس موجود و محفوظ رہنا جیسا کہ سدیر سے امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔

(بہار الانوار)

(۶) رسول خداؐ کو اس کا یقین ہونا کہ ازواج میں ام سلمہؑ واقعہ کربلا تک زندہ رہیں گی۔ چنانچہ ان معظّمہ کا ۶۲ھ تک زندہ رہنا ثابت ہے۔

(صحیح مسلم، اصابہ، تقریب التہذیب)

(۷) رسولؐ کو اس کا بھی علم تھا کہ تمام کنبہ حسینؑ کے ساتھ کربلا میں ہوگا بجز ام سلمہؑ کے کہ وہ قرآنی حکم پر عمل کرتے ہوئے گھر سے نہ نکلیں گی۔

(۱۱۱) شہادت امام حسینؑ سے ام سلمہؑ کی فضلیت

واقعہ کربلا سے فضل و شرف جناب ام سلمہؑ کا معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ نزول آیہ تطہیر کے وقت رسولؐ نے فرمایا تھا ''تم نیک بی بی ہو ایسا ہی سمجھ کر رسولؐ نے خاک کربلا کا انہیں کو امین سمجھا۔ امام حسینؑ نے بھی اپنا امین سمجھ کر کربلا کی مٹی سپرد کی اور وہی خواص و آثار فرمائے جو رسول خداؐ نے فرمائے تھے (بہار الانوار) نیز تبرکات انبیاء و صحف امام نے امانت رکھوائے اور وصیت کی جب امام زین العابدینؑ کربلا سے واپس ہوں تو ان کو دیدیں۔

(۱۱۲) رازداران شہادت

شہدائے کربلا میں ایسے بزرگ بھی تھے جو واقعہ کربلا کے پہلے سے واقف تھے۔ رسول خداؐ علی مرتضیٰؑ، حسن مجتبیٰؑ اور خود امام حسینؑ نے ان اولیاء اللہ کو خبردار کر دیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو یاد دلاتا رہتا تھا چپکے چپکے واقعات شہادت ایک دوسرے کو بتاتا اور خوشیاں کرتا تھا۔ چنانچہ ایک روز بنی اسد کی جماعت کے روبرو دیر تک جناب میثم تمار و جناب حبیب ابن مظاہر میں پہلے سرگوشی ہوئی پھر مزاح میں جناب حبیب نے جناب میثم سے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اہلبیت رسولؐ کی محبت میں سولی پر چڑھو گے اور تمہارا پیٹ لکڑی کے تختہ پر لٹکا کر چاک کیا جائے گا۔ جناب میثم نے کہا اے حبیب عنقریب تم رسولؐ کے نواسہ کی مدد کے لئے کوفہ سے نکلو گے اور شہید ہو کر سر تمہارا کاٹ کر کوفہ میں پھرائیں گے۔ بنی اسد یہ تقریر سن کر کہنے لگے یہ لوگ کیسے جھوٹے ہیں۔ جب دونوں بزرگ اپنی اپنی راہ چلے گئے تو جناب رشید ہجری آئے اور اس جماعت سے پوچھا حبیب و میثم کدھر گئے لوگوں نے کہا ابھی آپس میں یہ گفتگو کر کے منتشر ہو گئے۔ رشید نے فرمایا خدا رحمت نازل کرے میثم اتنا بھول گئے کہ جو شخص سر حبیب کا کوفہ میں لائے گا اسکو سو درہم انعام ملے گا۔ یہ کہکر رشید بھی چلے گئے لوگوں نے کہا یہ تیسرے جھوٹے آئے۔

(رجال کشی، بحار الانوار)

جب کہ انصار حسینؑ اپنی شہادت سے مطلع تھے اور ان کے اماموںؑ نے خبردار کر دیا تھا تو امام حسینؑ اپنے ناصروں سے کب بے خبر تھے اسی لئے تو بلانے میں اہتمام کیا اور جو غیر ساتھ تھے اصرار کر کے اپنے سے جدا کر دیا۔ یہی وجہ تو تھی کہ باوجود کوفہ میں موجود ہونے کے آنحضرت نے جناب مسلمؑ کی مدد و نصرت نہ کی وہ تو خاص وقت کے منتظر تھے۔

(۱۱۳) امامؑ مثلِ خلیل ہیں

جناب خلیل کو جب نمرود نے آگ میں ڈالا اور ملائکہ مدد کے لئے آئے تو خلیل اللہ نے انکی مدد قبول نہ کی اسی طرح سے نصرت حسینؑ کو بھی مدینہ میں جن و ملائکہ حاضر ہوئے رسولؐ زادے نے انکار فرما دیا۔ (نور العین اسفرائنی ارشاد شیخ مفید)

(۱۱۴) نانا اور نواسہ کی مدد کا فرق

رسولؐ خدا کی مدد ملائکہ نے لڑائیوں میں کی اور حسینؑ نے مدد قبول نہ کی۔ وجہ خود حسینؑ نے بیان کی۔

رسولؐ فتح چاہتے تھے اور حسینؑ شہادت کے طالب تھے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ امام حسینؑ نے جنوں سے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ خدا فرماتا ہے کہ تم جہاں کہیں چھپو گے اگرچہ مضبوط قلعوں میں جا چھپو تب بھی تم کو موت ڈھونڈے گی اور کیا قرآن میں یہ نہیں ہے کہ وہ ضرور نکلیں گے وہ لوگ اپنے گھروں سے جن پر قتل ہونا واجب ہے اور اپنی خوابگاہ میں پہونچ کر ضرور قتل ہوں گے۔ میری شہادت کو خدا نے ذریعہ امتحان قرار دیا ہے۔ اگر میں یہیں بیٹھا ہوں تو میری قبر میں کون سوئے گا جو کربلا میں بنی ہے۔ جس کو خدا نے اسی روز سے پسند کر لیا ہے جس دن زمین کو پیدا کیا تھا۔ وہ زمین ہمارے شیعوں کی جائے پناہ ہے اور امان ہے آفات دنیا و آخرت سے۔ آخر وقت روز عاشور میں قتل ہوں گا اور میرے بعد میرے اہلبیتؑ اور اہل نسب جن کی شہادت خدا کو منظور ہے کوئی باقی نہ بچے گا اور میرا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیجا جائے گا۔ (ارشاد شیخ مفید)

صاف بتایا شہادت ضروری اور واجب ہے پھر رسولؐ زادہ کسی کے روکے سے کب رک سکتا ہے اور ایسوں کی کب مدد قبول کر سکتا ہے جن سے شہادت رک جاوے۔ حسینؑ کی منشائے عبدیت کے لئے جان دینا لازم تھا۔

(۱۱۵) حسینؑ فاتح ہوتے تو کیا ہوتا

اگر یزید کو ظاہری شکست ہوتی تو بے شک سیاست حسینی کی کایا پلٹ ہو جاتی تمام تعلیمات حسینی کا خاتمہ ہو کر پھر یہ کہنا صحیح ہوتا کہ دو شاہزادے لڑے تھے ایک کو فتح دوسرے کو شکست ہوئی۔ اب یہ کہنا تاریخ کو منہ چڑھانا ہے بہتر کو ہزاروں سے لڑا کر یہ کہنا دو شاہ زادے لڑے تھے حقائق پر پردہ ڈالنا ہے۔

(۱۱۶) شہادت امام حسینؑ سے جناب مسلمؑ کی فضلیت

(۱) رسولؐ خدا نے شہادت جناب مسلمؑ کی خبر دی اور ملائکہ کا نماز جنازہ پڑھنا بتایا۔

(۲) امام حسینؑ نے اہل کوفہ کو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا حکم دیا۔

(۳) امام حسینؑ نے اپنا نائب خاص مقرر کیا اور تمام شہداءؑ پر فضیلت دی۔

(۴) اہل کوفہ کو لکھا کہ مسلمؑ میرا بھائی میرے چچا کا بیٹا، میرے نزدیک میرے اہلبیتؑ میں سب سے افضل ہے۔

(۵) شہادت اگر فضیلت ہے تو جناب مسلمؑ اول شہداء ہیں۔

(۶) جناب مسلمؑ نے ابن زیاد پر سلام نہ کیا اور اپنے بھائی پر درود و سلام اس وقت تک بھیجتے رہے جب تک جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے۔

(۷) شب شہادت جناب امیر کو خواب میں دیکھا کہ وہ جناب پاس بلا رہے ہیں۔

(۸) جناب مسلمؑ قادر تھے کہ ابن زیاد کو قتل کر دیں اور خود قتل سے بچ جاویں لیکن آئین اسلام کی بنا پر آپ نے اس کو قتل نہ کیا اور شریک سے صاف کہہ دیا کہ میں خلاف آئین رسول و دغا سے قتل نہ کرونگا حالانکہ شریک نے بیمار بنکر ابن زیاد کو ہانی کے گھر میں بلایا تھا اور وہ جناب مسلمؑ کے قبضہ میں تھا۔

(۹) ہانی نہ چاہتے تھے کہ ابن زیاد ان کے گھر میں قتل ہو۔ جناب مسلمؑ نے میزبان کی خواہش پوری کی۔

(۱۰) جناب مسلمؑ بھاگ کر جان بچا سکتے تھے لیکن خلاف شجاعت ایسا نہیں کیا۔

(۱۱) جناب مسلمؑ نے تنہائی و غربت میں کمال بہادری سے لڑ کر جان دی کوٹھے سے گرا کر قتل کئے گئے سر کاٹ کر لڑکے گلیوں میں اچھالتے پھرتے اور پائے اقدس میں رسی باندھ کر لاش کوچوں میں گھسیٹی گئی۔

(۱۱۷) واہمہ پرستی و بدشگونی کی ممانعت

جناب مسلمؑ دو رہبروں کو بہ اجرت مدینہ سے عراق لے کر نکلے تھے راہ بھول کر بے آب و گیاہ راستہ پر جا پڑے دونوں راہبر پیاس کی شدت سے مر گئے۔ جناب مسلمؑ نے امام کو خط میں حالت لکھکر بد شگونی کا اظہار کیا امام نے جواب لکھا ''میں نے اپنے نانا سے سنا ہے کہ ہم اہلبیت میں کوئی ایسا نہیں ہے جو کسی چیز سے فال بد لے اور نہ ہماری مصیبت سے فال بد لینا چاہئے۔''

(مقتل ابومخنف)

(۱۱۸) ابن عمر کی گستاخی کا جواب

سیوطی کی روایت ابن عمر کی اگر صحیح ہے تو رسول زادے سے سخت ترین گستاخی کی تھی۔ رخصت امامؑ کے وقت عرض کی تھی ''اے حسینؑ آپ کے نانا کو خدا نے اختیار دیا تھا کہ چاہے دنیا اختیار کریں چاہے آخرت انہوں نے آخرت اختیار کی آپ انہیں کے جسم کا ٹکڑا ہیں دنیا طلبی نہ کیجئے اور کوفہ نہ جائیے۔

(تاریخ الخلفا)

عجب ذہنیت ہے امام حسینؑ کے جہاد پر اعتراض دنیا طلبی کا امام حسنؑ پر اعتراض صلح سے بزدلی کا اور طمع دنیا کا تا کہ معاویہ سے جوائز وانعام پائے دنیا والوں کو کسی طرح سے چین نہیں ابن عمر اپنی بات کا جواب خود اپنے کلام میں ڈھونڈیں ''وانك بضعة منه'' رسول زادے نے تو وہی کیا جوان کے نانا نے کیا تھا کبھی غار ثور میں پوشیدہ ہوئے کبھی شعب ابیطالب میں چھپے عرصہ تک بقول جناب عمر کلمہ لا الہٰ الا اللہ کی تبلیغ نہ فرمائی یہاں تک کہ جناب عمر نے خود خانہ کعبہ میں اعلان کرنے پر کفار کی جو تیاں کھائیں پھر آخر عمر میں رسولؐ نے کفار سے جہاد فرمایا یہی تو فرزند رسولؐ نے بھی کیا ایک نے خاموش زندگی بسر کی اور دوسرے نے جہاد کیا۔ حسینؑ ہرگز دنیا طلبی کے لئے کوفہ نہیں گئے خود کربلا پہونچ کر آپ نے محمد حنفیہ کو جو خط لکھا تھا اس میں صاف لکھدیا تھا میں نے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب چھوڑ دیا اور بہت بڑی شہادت کو اختیار کیا ہے۔

(۱۱۹) شہادت حسینؑ کی علت خود حسینؑ کی زبانی

''عمر بن بوذان'' نے جب آپ کو کوفہ جانے سے روکا تو امام حسینؑ نے فرمایا ''خدا نے میرا قتل اور اہلبیت کی اسیری میرے لئے پسند کرلی ہے حالانکہ میں اپنے زمانے میں عزت وشرف میں خدا کے نزدیک تمام مخلوق سے افضل ہوں اور خدا نے میرے قتل کو اس لئے پسند کیا ہے تا کہ بنی امیہ ذلیل ہوجاویں جنھوں نے از روے ظلم مسلمانوں پر حکومت کر رکھی ہے اور میری شہادت سے ظاہر ہو جاوے گا کہ یہ سب کافر ہیں اور دین رسول (بدنامی سے بچکر) بلند نام ہو۔ عام خلقت کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ بنی امیہ سزاوار خلافت، اور دین اسلام کے بھی رئیس اور مومنوں کے جائے پناہ ہیں۔ لہذا جب بنی امیہ مجھکو قتل کرلیں گے اور میری ہتک حرمت کرینگے اسباب لوٹیں گے عورتوں کو اسیر کر ینگے اور ایسے ایسے ظلم کریں گے جو کسی مشرب کسی مذہب میں جائز نہیں ہیں تو ہر دوست ودشمن قطعی فیصلہ کرلے گا کہ بنی امیہ بدترین مخلوق ہیں نہ ان کو دین اسلام سے کچھ لگاؤ ہے نہ شرم وغیرت ہے۔

(بحارالانوار)

(۱۲۰) جہاد حسینی کا طرّہ امتیاز

رسول خداؐ اور علی مرتضےٰؑ اپنے جہادوں میں منافقین وکفار تک کو ساتھ رکھتے تھے۔ لیکن حسینؑ ابن علیؑ نے اپنے برادر رضاعی عبداللہ بن یقطر'' کی خبر شہادت سن کر منزل 'زبالہ' پر ساتھیوں میں عام

اعلان کردیا کہ جس کو جانا ہو چلا جاوے میں نے اپنی بیعت اٹھالی اور سب کو منشتر کردیا۔ صاف دنیا کو بتادیا کہ اسلام میں جبریہ بیعت نہیں ہے اور اس خیر وخواہ امت نے بیعت اٹھا کر امت سے بیعت شکنی کے عظم ترین گناہ کو بھی ہٹالیا۔ سب کو منشتر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول خداؐ اور علی مرتضیٰؑ کے جہادوں میں منافقین بھاگ بھاگ جاتے تھے اور خیانت وبغاوت بھی کرتے تھے۔ حسینؑ اپنے جہاد کو تمام کمزوریوں اور ایسی خرابیوں سے پاک کر کے صرف لڑنے والوں کو چھانٹ لیتے ہیں اور آپکے پیش نظر یہ بات ہے کہ گمراہوں کو اپنا مددگار نہ بناویں بجز ابرار واخیار کے جیسا کہ عبداللہ بن جعفی سے آپ نے فرمایا ''وما كنت متخذ المضلين عضدا'' (مقتل ابومخنف) لیکن پھر ایسوں سے طلب نصرت محض اس غرض سے تھی تا کہ عام اعلان ہوجاوے کہ باوجود مدد طلب کرنے کے کسی نے فرزند رسولؐ کی مدد نہ کی۔''

(۱۲۱) نانا کا نواسہ کو رخصت کرنا

امام حسینؑ قبر رسولؐ سے رخصت ہو رہے ہیں ایک نور قبر رسولؐ سے نکل کر نواسہ کو رخصت کرتا ہے۔

(امالی ابن بابویہ)

(۱۲۲) مرضی رسولؐ شہادت حسینؑ میں ہے

امامؑ نانا کی ضریح سے رخصت ہوتے ہیں خواب میں دیکھتے ہیں کہ رسولؐ سینے سے چمٹائے ہوئے شہادت کا حکم دے رہے ہیں۔ علیؑ وفاطمہؑ وحسن مجتبیٰؑ کا اشتیاق ظاہر کر رہے ہیں۔ حسینؑ خواب سے بیدار ہوکر تمام عزیزوں کو مطلع کر رہے ہیں اور اکیس ۲۱/عزیزوں کو ساتھ لے کر نکلتے ہیں۔

(امالی ابن بابویہ)

(۱۲۳) ہادی خلق حسینؑ

کوفیوں نے امامؑ کو خط لکھ لکھ کر بلایا اور طالب ہدایت ہوئے۔ امام بغرض ہدایت روانہ ہوتے ہیں۔ راہ میں فرزدق اور دیگر اشخاص کوفیوں کی غداری کا حال سنا کر واپسی کے مشورے دیتے ہیں۔ حسینؑ فرماتے ہیں ''میں اگر واپس جاؤں تو فریضہ ہدایت میں کوتاہی کی اگر کوفیوں نے مجھ سے بدسلوکی کی تو درگاہ خدا میں وہ جواب دہ ہونگے مجھ پر کوئی جواب دہی نہ ہوگی'' مطلب یہ ہے کہ طلب پر ہدایت نہ کروں تو میں جواب دہ ہوں گا اور وفاء عہد کے خلاف ہوگا۔

(۱۲۴) مرکز اسلام کا تحفظ

مدینہ منورہ کو چھوڑا اس لئے کہ وہ مرکز روحانیت تھا نہ کہ مرکز عسکریت وملوکیت۔ وہ لڑنے مرنے کہ جگہ نہ تھی امن تھی دینا کی للچائی نظریں ہمیشہ ہمیشہ دار السلطنت کو تاکے رہتی ہیں۔

اسلامی دار السلطنت جنگ و پیکار سے محفوظ کر دیا گیا تا کہ مسلمان ان کو کبھی میدان جنگ نہ بنائیں اسکی حفاظت میں ہر قربانی کے لئے تیار رہیں۔ قرآنی ہدایت رسول کی تعلیم۔ حضرت عبد المطلب کی سیرت کی (یعنی ابرہہ'' سے جنگ نہ کی اور خدا پر چھوڑا) حسینؑ کے پایہ تخت کے لئے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ سے بہتر اور کون جگہ تھی۔ اگر آپ کو ملوکیت کا خیال ہوتا تو سب سے پہلے حجاز پر قبضہ کرتے۔ ایسا نہ کیا اور ہجرت کی اور اپنے عمل سے حفظ روحانیت فرمایا اور دوسروں کو حرمت مکہ و مدینہ کا سبق دیا۔

(۱۲۵) حسینؑ کی قوت فیصلہ

سبھی نے تو باری باری کوفیوں کی بیوفائی کا ذکر کر کے کربلا جانے سے روکا لیکن امام نے ایک نہ سنی اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔ کوفہ ہی کا سفر کیا اور شہادت سے وہ ریولوشن (Revolution)'' پیدا کیا جو دوسرے مقام پر ممکن نہ تھا۔ مکہ اور مدینہ میں شہادت ہوتی تو کسی کے کان پر جوں بھی نہ رینگتی۔ مکہ اور مدینہ والے شہادت حسینؑ کی خبر سن کر ٹھنڈے دلوں بیٹھے رہے آخر پٹے اور یزیدیوں کے ہاتھوں خوب ذلیل ہوئے۔ امامؑ سمجھتے تھے کہ مسجد کوفہ میں علی مرتضیٰؑ کے خون نے بہہ کر زمین ہموار کر رکھی ہے۔ حسینی شہادت اس کے بعد عالم میں آگ لگا دے گی۔ آنے والے زمانے میں اولاد حسینؑ کی فداکاریاں یکے بعد دیگرے اسی سرزمین پر ہوں گی۔ یہیں کے جیل خانوں کی آبادی اولاد علیؑ سے ہوگی۔ یہیں کی دیواروں میں اولاد علیؑ زندہ چنی جاوے گی یہ سب تائیدی قربانیاں اور فداکاریاں اسی صوبہ سے مخصوص ہو کر مکمل تاریخ بنا دیگی اور ہمسایہ قوموں سے صحیح فتوے حق و باطل کے حاصل کر سکیں گے۔

(۱۲۶) سیاست حسینی

حسینی سیاست کا کیا کہنا حسینؑ مدینہ میں نہ ٹھہرے مکہ میں نہ ٹھہرے لاکھ لاکھ سب نے روکا آپ نے اپنے اٹل فیصلہ کو نباہا اور کوفہ روانہ ہو گئے مدینہ خواہ مکہ میں رہتے تو جنگ ضرور ہوتی نتیجہ ظاہر تھا

یزید کی فوجی قوت پامال کئے بغیر نہ چھوڑتی جیسا کہ عبداللہ ابن زبیر کا حشر ہوا۔ اور کیا ہوتا۔

(۱) بنی ہاشم کا قتل عام ہو جاتا۔

(۲) حرمت مکہ و مدینہ ضائع ہو جاتی۔

(۳) عظمت شہادت کم ہو جاتی غربت و مسافرت و اسیری کی اہم کڑیاں بچ رہتیں۔

(۴) حکومت و ریاست کی طمع کا الزام تھپ جاتا۔

(۵) مدینہ اور مکہ والے یزید کے ساتھ ہو جاتے اور شہادت حسینؑ کے جواز پر اجماع کا سوانگ کھڑا کر دیتے۔

(۱۲۷) حسینؑ کی انتخابی قابلیت

کیا کہنا اس انتخاب کا جو حسینؑ نے سرزمین کربلا کے لئے کیا۔ عورتیں، بچے عزیز، اقارب وہی ساتھ لئے جو حسینی مشن کے صحیح کل پرزے تھے مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے کوفہ تک اپنے اوپر گذرنے والے واقعات و حالات کا اعلانیہ اظہار فرمایا لوگوں کو ساتھ چھوڑ دینے پر آمادہ کرتے رہے۔ تا کہ آزمائش کے وقت حسینی مشن کی کسی پہلو سے کمزوری عیاں نہ ہو۔ جو دور بیٹھے تھے ان کو خط لکھ لکھ کر بلانا اور شریک کار بنانا حسینؑ کی اعلیٰؑ قابلیت اور مردم شناسی کی بے نظیر مثال ہے۔

(۱۲۸) بزرگوں کی توقیر

سفر کربلا میں امام حسینؑ نے جناب ام سلمہؑ اور جنابِ ام البنینؑ کو ساتھ نہ لیا وہ جانتے تھے کہ کربلا بصرے کا میدان نہیں ہے۔ جہاں بیرق جنگ کے نیچے ہزاروں نے گردنیں بی بی عائشہ کی کمک میں کٹا دیں یہ کربلا کا میدان ہے جہاں رسول زادیاں بے پردہ کی جاویں گی ان دونوں بزرگوں کی بزرگداشت اسی میں ہے کہ مدینہ چھوڑ دیا جاوے اور اسیری سے بے احترامی نہ ہو۔

(۱۲۹) مدینہ والوں کا سچا پرستار

امام حسینؑ نے مدینہ سے سب کو ساتھ لیا اپنے بھائی محمد حنفیہ کو اس لئے مدینہ میں چھوڑا تا کہ اہل مدینہ کی نگرانی کریں اور حالات سے امام حسینؑ کو آگاہ کرتے رہیں۔

(ناسخ التواریخ) ازواج نبی وعلیؑ اور دیگر کنبہ والوں کی خبر گیری کریں)

(۱۳۰) عزت نفس کا فیصلہ

روکنے والے روک رہے ہیں محمد حنفیہ عرض کرتے ہیں بھائی جنگلوں میں مارے مارے نہ پھریئے یمن چلے جایئے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں بسر کیجئے کوفہ نہ جایئے۔ امام حسینؑ اگر میں مورو ملخ کے سورا خوں میں چھپوں تب بھی سوراخ سے نکالکر مجھکو قتل کرینگے۔

''فرزدق شاعر'' مولا حج چھوڑ کر کیوں نکل پڑے۔

''امام'' اگر میں تعجیل نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا۔

''ابو ہرہ ازدی'' مولا حرم رسولؐ وحرم خدا کو کیوں چھوڑا۔

''امام'' بنی امیہ نے ہمارا مال لیا صبر کیا ہمارے عرض وناموس کو مٹایا صبر کیا اب خون کے طالب ہیں اس لئے ہم جان بچا کر نکلے ہیں۔

''عمر بن بوذان'' مولا کوفہ نہ جایئے تلواریں اور نیزے آپ کی طرف جھکے ہوئے ہیں آپ قتل ہو جاویں گے۔

امامؑ: اے عمر مجھ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے جو مشیت خدا ہو میں نہ بھاگنے میں مفر پاتا ہوں نہ واپس جانے میں''

امام اس یقین کے بعد کہ بغیر قتل نہ بچ سکیں گے اب سامنے دو ہی صورتیں ہیں۔

ایک بیعت یزید۔ دوسرے قتل۔ حسینؑ کی عزت نفس اسی میں تھی کہ شہید ہو جاویں امام بروز عاشور پکار پکار کر فرما رہے تھے کہ مجھ سے ممکن نہیں ہے کہ غلاموں کی طرح اقرار کروں اور نہ اپنا ہاتھ ذلت کے ساتھ کسی کے ہاتھ میں دے سکتا ہوں''

(۱۳۱) شہادت نادانی ونادانستگی سے نہ تھی

امام حسینؑ کو سیاسی چیز کی بے حقیقتی اور ضمیر کی آزادی کا مظاہرہ کرنا تھا وہ جانتے تھے میں شہید ہوں گا۔ مروان بن حکم کے مشورے پر کہ ''بیعت کر لینے سے دین ودنیا دونوں کا بھلا ہوگا فساد مٹ جاوے گا۔

امامؑ: اسلام کمزور ہو گیا ہے۔

ابن عباس وابن عمر سے فرماتے ہیں ''ایسی باتوں پر تف ہے جب تک زمین وآسمان باقی ہیں میں بیعت نہ کروں گا۔

محمد بن عمر بن علی سے فرماتے ہیں ''میں نے کبھی دنانت نفس کو قبول نہیں کیا ہے۔''

امام حسینؑ کی آنکھوں کے سامنے سوتے جاگتے رسولؐ خدا قبر مطہر سے نکلے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور بار بار یہ مطالبہ تھا کہ حسینؑ شہادت کی سعادت حاصل کرو۔ محمد حنفیہ سے فرماتے ہیں ''میں نے کبھی دنانت نفس کو قبول نہیں کیا ہے۔ مسلمؑ بن عقیل کو روانہ کرتے وقت فرمایا مجھکو امید ہے کہ خدا مجھکو اور تم کو شہادت عطا کرے۔ شامی لشکروں کے سامنے فرماتے تھے۔ قسم بخدا نہ میں ذلیلوں کی طرح اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دوں گا نہ غلاموں کی طرح بھاگوں گا'' راہ کوفہ میں اپنے اہلبیت واصحاب کو واقعات شہادت سے خبردار کرتے رہے کربلا پہنچ کر اپنی شہادت کے مقامات دکھائے۔ بنی اسد کو طلب کر کے زمیں خریدی۔ وہ کون سا ایسا واقعہ تھا جس سے امام کی شہادت معمہ بنی ہو امام کے فیصلہ میں غلطی یا دھوکہ کھا جائے اور ساتھیوں میں سے کون عذر کر سکتا ہے کہ ہم نتیجہ سفر سے مطلع نہ تھے ورنہ ساتھ نہ آتے۔

(۱۳۲) امام حسینؑ سے مخالفت کی وجہ

واقعہ کربلا اس پست ترین سیاست پر مبنی نہیں ہے جس میں قومی وملکی افتراق کے جراثیم ہوں بلکہ اس بلند مرتبہ سیاست پر مبنی ہے جس کے نزدیک ہر انساں مساوی ہے۔

تسخیر ممالک اور تسخیر قلب دو مختلف چیزیں ہیں ایک کو دوسرے سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ فاتح ممالک کو فاتح قلب سے ہر وقت اندیشہ رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ سنہ ۶۰ھ کے عربی ماحول میں اور اس سے قبل وبعد ہر زمانے میں ہر وہ فرد جو اپنی خصوصیات کی بنا پر دلوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت یا قابلیت رکھتی ہے قابل مزاحمت ہوتی ہے ورنہ ایک حسینی ذات میں کیا رکھا تھا کہ ان کی بیعت لینا یزید کے لئے انتہائی ضروری تھا اور آج بھی حسینؑ کی ذات سے مخالفتین محض اپنے اصول کی بودی بنیادوں کے انہدام کے خطرے سے بچنے کے لئے ہیں۔

(۱۳۳) یتیم پروری

راہ عراق میں خبر شہادت جناب مسلمؑ سن کر یتیمہ مسلمؑ پر امام حسینؑ نے شفقت فرماتے ہوئے ''گوشوارے پنہائے''

(۱۳۴) احسان حسینی

حرا پنے رسالہ کو لئے امامؑ کو گھیر کر کربلا لانے کے لئے آئے۔لشکر پیاسا ہے۔امامؑ نے تمام لشکر کو سیرا ب کرنے کا حکم دیا اور نایابی آب کے موقع پر اپنے اطفال ونسواں کا کچھ لحاظ نہ فرمایا۔گھوڑں تک کو سیراب فرمایا۔

(تاریخ طبری)

(۱۳۵) حسینی تواضع

ایک سپاہی لشکر حر کا بہت پیاسا ہے۔امامؑ بہ نفس نفیس مشک کاندھے پر رکھکر خود پانی پلاتے ہیں

(تاریخ طبری)

(۱۳۶) کربلا میں شادی

امام مکہ معظّمہ سے شہادت کے لئے کوفہ روانہ ہوتے ہیں راہ کوفہ میں عبداللہ بن حسن کے ساتھ جو چند دن کا مہمان ہے اپنی بیٹی کی شادی فرما کر مقتول داماد کا صدمہ اٹھانے کے لئے قلب مجروح کو پیش کرتے ہیں اور ایک نئی مصیبت کا فرد مصائب میں اور اضافہ کرتے ہیں۔

(۱۳۷) خودکشی کا اعتراض

روکنے والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حسینؑ نے کربلا جا کر خودکشی کی ان کو بھائی کی طرح صلح وبیعت کر لینا تھی اور بنی امیہ سے لڑنا نہ چاہئے تھا۔امام حسینؑ کو حکم جہاد ہو چکا ہے جہاد ان پر واجب ہو چکا ہے۔رسولؐ نے بارہا اعزا اور اصحاب سے خبر کر دی اور فرما دیا ہے۔''یہ دونوں فرزند حسنؑ وحسینؑ امامؑ ہیں جہاد کریں یا بیٹھ جاویں۔لہٰذا شہادت امام حسینؑ نہ خودکشی ہے نہ صلح امام حسنؑ بزدلی ہے۔

(۱۳۸) مقتل کی تلاش میں اہتمام

امام حسینؑ کا کوفہ نہ جانا اور حر سے جھگڑنا تا کہ ارض موعود پر پہنچیں اور سات گھوڑے بدلنا تا کہ ارض موعود نہ چھوٹ جاوے۔پھر لوگوں سے نام لے کر پوچھ کر تصدیق کرنا کہ یہی زمین کربلا ہے(مقتل ابومخنف) پھر زمین سے مٹی اٹھا کر سونگھنا اور جیب سے مٹی نکال کر اس سے ملانا(نور العین اسفرائنی) یہ سب اہتمام اس لئے ہیں تا کہ جائے مقتل نہ بدل جاوے اور تکذیب رسولؐ نہ ہو۔

(۱۳۹) نانا کے نبی مرسل ومعجز نما ہونے کی شہادت

کربلا پہنچ کر امام حسینؑ کا سات گھوڑے بدلنا اور کسی گھوڑے کا قدم نہ بڑھانا اس وقت امامؑ اپنے شہادت کے مفصل واقعات بیان کر کے فرماتے ہیں یہی وہ زمین ہے جس کا میرے نانا نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور وہ ٹل نہیں سکتا(مقتل ابومخنف) جس رسولؐ کی طاعت پر حیوان بھی مامور تھے کہ آگے قدم نہ بڑھاویں اس کا نواسہ کب خلاف اطاعت کر سکتا ہے۔

(۱۴۰) حسینؑ کی جیالوجی قابلیت

امام کا مٹی سونگھ کر پہچاننا اس بات کا اظہار تھا کہ ہر جگہ کی مٹی برابر نہیں ہوتی خواص وآثار وطبائع جدا ہوتے ہیں جیسا کہ طب جدید وقدیم میں موجود ہے جاننے والے جانتے ہیں ناواقف کی نظر میں سب مٹیاں برابر سہی حیوانات میں بھی اس کا احساس موجود ہے رسولؐ نے سونگھ کر اس کو پہچانا رسول زادے نے سونگھ کر شناخت کی''ابوبکار نے امام رضاؑ کی خدمت میں جب تربت حسینی پیش کی تو آپ بھی سونگھ کر پہچان گئے اور رونے لگے'' جیالوجسٹ زمین دیکھ کر معدنیات شناخت کر لیتے ہیں جن کو ہزاروں سال ناواقف نہیں سمجھ سکتا۔ائمہ معصومینؑ کی حالت تاریخوں میں موجود ہے جو دفائن و خزائن اور پانی کے چشمہ ظاہر کرتے رہے ہیں خود امام حسینؑ نے شب ہفتم محرم چند قدم چلکر قبلہ رخ کنواں کھود کر پانی نکالا جو اتنا ہی تھا کہ سب نے اسی وقت پیا اور پانی غائب ہو گیا اور کنواں بند کر دیا گیا۔خوشبو کا سونگھ کر امتیاز کرنا کیا اس سے زاید عجیب ہے کہ مصر سے قافلہ روانہ ہونے پر کنعان میں جناب یعقوب کو خوشبو جناب یوسف کی محسوس ہوئی جس کو قرآن نے ذکر کیا یہ نبوتی حاسہ کی قوت ہے۔

(۱۴۱) حلم حسینی

(۱) کربلا پہنچ کر دریا کے کنارے خیمہ نصب ہوتے ہیں جو بجبر اشقیا اکھاڑتے ہیں امامؑ ساتھیوں کو پیش دستی سے روک کر حلم فرماتے ہیں۔

(۲) روز عاشور نماز کی مہلت مانگتے ہیں مہلت ملنا کیسا''حصین بن تمیم'' کہتا ہے فرزند رسولؐ آپ کی نماز(معاذ اللہ) قبول نہ ہوگی امامؑ صبر فرماتے ہیں۔

(۳) عرب میں ماں کا نام لینا سخت توہین ہے لیکن کفار بار بار فاطمہؑ کے بیٹے کہہ کر خطاب کرتے اور آپ حلم فرماتے ہیں۔

(۱۴۲) حسن تدبیر

کربلا میں پہنچتے ہی امام بنی اسد سے زمین خرید کر کے ہبہ فرماتے ہیں اور زن و مرد و اطفال بنی اسد سے اپنی نعشوں کے دفن کی وصیت فرماتے ہیں جو شہادت سے تیسرے روز عمل میں آئی۔ اگر امامؑ ایسا اہتمام نہ کرتے تو ہمیشہ کے لئے بغیر گور و کفن رہتے۔ یزیدی نعشیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

(۱۴۳) صلح کی آخری کوشش

رسولؐ کا نواسہ پکار پکار فرماتا ہے'' اے اشقیا اب بھی میرے قتل سے ہاتھ اٹھالو اور چھوڑ دو تو میں خدا کے گھر میں پناہ لوں یا رسولؐ کی قبر پر جا بیٹھوں (طبری) کبھی کفار سے فرماتے ہیں تم مجھکو یزید کے پاس لے چلو وہ چاہے میرے حق میں فیصلہ کرے۔ یزیدی اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور کہتے ہیں جب تک یزید کی بیعت نہ کرو گے ایک قدم یزید کی طرف نہ بڑھنے دیں گے۔

(۱۴۴) شرف ذاتی کا اعلان

حسینؑ خطبہ میں فرماتے ہیں کہ'' ظالمو! میرے قتل سے باز آؤ۔ میرے خون سے ہاتھ نہ رنگو۔ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔ میرے بابا سابق الاسلام ہیں میری ماں فاطمہ زہراؑ تمہارے نبیؐ کی بیٹی ہیں۔ تم جانتے ہو میرے نانا رسول خداؐ نے مجھکو اور میرے بھائی کو سردار جوانان جنت فرمایا ہے۔ (تاریخ طبری)

(۱۴۵) استجابت دعا

(۱) امامؑ نے گرد خیام خندق کھود کر آگ روشن کر دی تا کہ تین طرف کے حملوں سے محفوظ رہیں'' ابن ابی جویریہ فرنی'' نے پکار کر کہا (نعوذ باللہ) حسینؑ جہنم کی آگ سے پہلے دنیاوی آگ سے جلتے ہیں۔ امامؑ نے بد دعا کی، گھوڑا بھڑکا اور اس گستاخ کو آگ میں گرا دیا جس سے وہ جہنم واصل ہوا۔ (امالی ابن بابویہ)

(۲) آخر وقت امام حسینؑ پانی مانگ رہے تھے ایک شخص نے کہا۔'' حسینؑ! دیکھو فرات کی لہریں مچھلی کی طرح کروٹیں بدل رہی ہیں لیکن تم کو پانی نہ ملتا ہے نہ ملے گا۔ پیاسے قتل کئے جاؤ گے۔ امامؑ نے بد دعا کی خداوندا اس کو پیاسا ہی مارنا یہی ہوا کہ آخر وقت وہ پیاس پیاس کہتا گھوڑے سے گرا اور ٹاپوں سے روند کر مر گیا۔ (امالی ابن بابویہ)

(۳) محمد اشعث نے امامؑ سے گستاخانہ کہا رسولؐ کی قرابت سے آپ کو کیا شرف مل سکتا ہے امامؑ نے بد دعا کی فوری اس کو بچھو نے کاٹا اور چیخ چیخ کر مر گیا۔

(مناقب ابن شہر آشوب، امالی ابن بابویہ)

(۴) امامؑ پر پیاس کی شدت ہوئی لڑتے ہوئے گھاٹ پر پہنچے'' ابان بن وارم'' کے قبیلہ کے ایک شخص نے تیر مارا جو کہ گلے میں پیوست ہو گیا۔ امامؑ نے بد دعا کی خداوندا! اسے پیاسا مارنا۔ اسی وقت پیاس میں مبتلا ہوا۔ جس قدر پانی پیتا پیاس نہ بجھتی یہاں تک کہ مر گیا۔ (تاریخ طبری، مناقب شہر آشوب)

(۵) ''ابن جوزہ'' نے گستاخانہ کہا'' کہ حسینؑ آتش جہنم سے قبل دنیا کی آگ میں مبتلا ہوئے، امامؑ نے بد دعا کی گھوڑے نے اسے مٹی اور خندق میں لا کر ڈال دیا جس سے وہ جل کر خاک ہو گیا۔ (تاریخ ابن جریر، مناقب ابن شہر آشوب)

(۶) ایک اور شخص کو امامؑ نے پیاسے مرنے کی دعا کی ابن'' عینیہ'' کہتے ہیں دیکھا میں نے ہر وقت وہ پیاس پیاس پکارتا تھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

(۷) بنی کلب میں سے ایک شخص کو امامؑ نے پیاسے مرنے کی دعا کی اس کی یہ حالت ہوئی شدت عطش سے فرات میں اپنے کو گرا دیا اور پانی پیتے پیتے مر گیا۔

(مناقب شہر آشوب)

(۸) آخر وقت ایک شقی نے گستاخانہ سر امام حسینؑ سے ٹوپی اتار لی (مالک بن بسر کندی) امامؑ نے بد دعا کی فقر و محتاجی میں وہ ایسا گھرا کہ ہلاک ہو گیا۔

(تاریخ طبری، مناقب ابن شہر آشوب)

(۱۴۶) کنبہ والوں کے لئے دستور العمل

کربلا کی اس وحشت خیز زمین اور آنے والے واقعات کی بھیانک تصویر کے باوجود کربلا پہنچ کر امام حسینؑ نے اپنے بھائی محمد حنفیہ اور دیگر بنی ہاشم کو بعد کے خطرات کے لئے ایک دستور العمل عطا فرمایا خط میں لکھا'' دنیا باقی رہنے والی نہیں ہے اور آخرت مٹنے والی نہیں ہے اگر تم نے دنیا کی لالچ کی تو سمجھ لو تم بھی نہ بچو گے اور آخرت اختیار کی تو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہو گے۔''

(۱۴۷) اصول اسلام کا لب لباب اپنی امامت کا اعلان

کربلا پہنچ کر امام حسینؑ نے ایک خطبہ پڑھا اور فرمایا لوگو! رسولخداؐ نے فرمایا ہے جو شخص کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ حرم الٰہی کی حرمت مٹانے والا ہے۔ عہد الٰہی کو توڑ رہا ہے۔ سنت رسولؐ کا مخالف ہے، مخلوق الٰہی پر ظلم کر رہا ہے اور دیکھنے والا اپنے قول و فعل سے کوئی امر اس کے خلاف ظاہر نہ کرے تو خدا پر واجب ہے کہ اسکو اس کے مقام پر جہاں کا وہ مستحق ہے (جہنم) پہنچا دے۔ لوگوں نے طاعت شیطان کو اپنے لئے لازم کر لیا ہے اور طاعت خدا چھوڑ دی ہے۔ فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے۔ احکام الٰہی معطل ہیں۔ مال الٰہی کے مالک بن گئے ہیں۔ حرام خدا حلال ہے اور حلال خدا حرام ہے اور میں دوسروں سے امر خلافت میں زائد حقدار و افضل ہوں۔

(کامل ابن اثیر جلد ۴)

(۱۴۸) شاکر بندے کی شکر گذاری

شب عاشور مجمع اصحاب میں امام حسینؑ نے خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا ''میں ہر حال میں خدا کا شکر کرتا ہوں تکلیف ہو یا راحت۔ اے میرے معبود تیرا شکر ہے۔ تو نے ہمیں نبوت و بزرگی بخشی۔ علم قرآن عطا کیا۔ دین اسلام کے مسائل سمجھنے کی قوت دی۔ حق سننے والے کان دیئے اور صداقت کو پہچاننے والی آنکھیں دیں اور قلبِ مطمئن عطا فرمایا اور شرک سے محفوظ رکھا۔ (کامل ابن اثیر تاریخ طبری' تاریخ ابوالفداء)

(۱۴۹) بے مثل سخاوت

''محمد بن بشر حضرمی'' کا لڑکا یزیدیوں کے ہاتھ میں پھنس گیا۔ امامؑ اپنی بیعت محمد سے اٹھا لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم اپنے بچے کو قید سے چھڑانے کے لیئے یہاں سے چلے جاؤ۔ محمد عرض کرتے ہیں مولا! آپ کی نصرت سے باز رہنے سے یہ بہتر ہے کہ صحرائی جانور مجھکو کھالیں میں آپ پر جان فدا کروں گا۔ امام نے ایک ہزار اشرفی کی چار چادریں دے کر محمد کو حکم دیا کہ اپنے دوسرے پسر کو بھیجدو تا کہ وہ بھائی کے چھڑانیکی اس کو بیچ کر کوشش کرے۔

(۱۵۰) کاشتکاروں کی عزت افزائی

غاضریہ کے کاشتکاروں بنی اسد سے زمین کربلا خرید فرما کر ہبہ کر دی اور اپنے دفن کی وصیت کی

، کاشتکاروں کی عزت افزائی اور ہمت افزائی کا سبق ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جو آخر وقت سب کے کام آتا ہے اور ہر درد دکھ میں ساتھ دیتا ہے۔

(۱۵۱) غیرت ایمانی کا امتحان

شب عاشور شمع بجھا کر محفل غم تاریک کر دی جاتی ہے اور روز عاشور آنے والے مصائب تفصیل سے بیان فرما کر امامؑ سب کو حکم دیتا ہے اپنی جانیں بچا کر شب تار میں نکل جاویں اور حسینؑ کو تنہا مصیبتیں جھیلنے کے لئے چھوڑ دیں۔ اعزا، اقربا و اصحاب نے مرنے اور جان دینے کا وعدہ کر لیا تب حسینؑ مطمئن ہوئے۔

(۱۵۲) بے ثباتی دنیا کا نقشہ

صبح عاشور امامؑ خطبہ پڑھتے ہیں اور دشمنوں کو ہدایت فرماتے ہیں ''تمام صفت وثنا کا خدا ہی مستحق ہے اس نے دنیا کو فنا ہونے والا گھر اور زوال پذیر مقام بنایا ہے اس کی حالتیں آناً فاناً بدلتی اور متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ دنیا کے فتنہ سے بچو اور فریب نہ کھاؤ۔ جس نے دنیا پر اعتماد کیا اور دل لگایا دنیا نے اسی کی امیدوں کو توڑا۔ جس نے دنیا کی طمع کی وہی خائب و خاسر ہوا۔

(کامل ابن اثیر)

(۱۵۳) اپنی بے گناہی کا اعلان

امام حسینؑ لشکر اعدا سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ''اے قوم! کیا تم مجھے اس لئے قتل کرتے ہو کہ میں نے کسی سنت رسولؐ کو بدل دیا؟ یا کسی حکم شریعت کو پلٹ دیا؟ یا تمہارا کوئی جرم مجھ سے ہوا ہے؟ یا تمہارا کوئی حق چھین لیا ہے؟ ہر شخص امامؑ کی بے گناہی پر مہر تصدیق لگاتا ہے۔ (تاریخ طبری، مقتل ابواسحٰق اسفرائنی) پھر آپ فرماتے ہیں میں تو دنیا سے الگ تھلک نانا کی قبر پر بیٹھا تھا، تم نے مجھے ہدایت کے لئے بلایا اور نانا کی قبر پر نہ بیٹھنے دیا نہ خدا کے گھر میں بیٹھنے دیا۔ (طبری)

(۱۵۴) دشمنوں کا اقرار جرم

حسینؑ جب اپنی بے گناہی کا اقرار لے چکے تو ان بیدینوں نے کہا۔ ہم آپ کو اس بغض و عداوت کی بنا پر قتل کرتے ہیں جو ہم کو آپ کے باپ سے تھی۔

(ینابیع المودۃ، مقتل ابواسحاق اسفرائنی)

(۱۵۵) قاتلوں کے حق میں پیشینگوئی

امام حسینؑ اشقیاء سے فرماتے ہیں ''میرا خدا اچانک جب تم کو خبر بھی نہ ہوگی، میرا انتقام لے گا اور قسم بخدا جب تم مجھکو قتل کرو گے تو خدا تم کو آپس میں لڑا دے گا۔ تمہارے خون بہیں گے اور پھر بھی تم سے راضی نہ ہوگا یہاں تک کہ تم پر سخت عذاب کو دگنا کرے۔ (کامل ابن اثیر)

(۱۵۶) اپنے خون کی عظمت

امام حسینؑ دشمنوں کو نصیحت فرماتے تھے اور درگاہ باری میں جو آپکی حقیقی عظمت ہے اعلان فرماتے تھے اے اشقیاء میرے قتل پر تم جمع ہوئے ہو قسم بخدا میرے بعد تم ایسے شخص کو قتل نہ کر سکو گے جس کے قتل کرنے پر مجھ سے بڑھ کر ہو خدائے جلیل تم سے غضب ناک ہو۔ (کامل ابن اثیر)

(۱۵۷) دشمنوں کی مذمت و نصیحت

امام مظلومؑ اشقیاء سے فرماتے ہیں ''افسوس تم کیسی بری قوم ہو اور کیسی بری امت ہو نہ تم کو خدا کا خوف ہے نہ رسولؐ سے شرم ہے تم اپنے نبی کی ذریت اور اپنے رسول کی آل کا خون بہاتے ہو اور میرے خون ناحق کے بہانے پر آمادہ ہو۔ حالانکہ نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے نہ کسی کا مال چھینا ہے جس کے بدلے میں تم مجھکو قتل کرتے ہو یقیناً میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب سے اور تمہارے رب سے، اس بات سے کہ تم مجھ پر تیر برساؤ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ۔

(تاریخ طبری)

(۱۵۸) حسینؑ کا فتویٰ قاتلوں کے متعلق

حسینؑ غریب کے خطبہ کے چند فقرات یہ ہیں ''اے گروہ ناعاقبت اندیش! پہلے تم نے وحدانیت خدا کا اقرار کیا پھر رسالت خاتم النبیین کا اقرا کیا اب کیا ہوا تم سب مرتد ہو گئے اور اسلام سے دست کشی کی۔ اہلبیت رسول کے قتل پر آمادہ و مستعد ہو اور ذریت علیؑ و بتول کے دشمن ہو۔

(۱۵۹) تقدس حسینی کا خوف

اہل دنیا حسینؑ ایسی ہستی سے ان کی فوج ان کی ہلاکت آفرین اسباب سے خائف نہ تھے بلکہ ان

کے تقدس سے کانپتے تھے انکی بے سروسامانی غیروں کو لرزہ براندام کئے ہوئے تھی۔ ان کے سامنے آتے اس طرح ڈرتے تھے جیسے مجرم اپنے جرم کی سزا سے۔ وہ ان کی صداقت کے سامنے اپنی سیاسی چالوں کو بہتیرے بھول جاتے تھے ورنہ بہتر تنوں کو مار لینے کے لئے اس اہتمام کی کیا ضرورت تھی کہ کوفہ و شام سے فوجیں امڈی چلی آتی تھیں خوف کیا تھا ایک مجروح جاں بلب کے وقت قتل سرتن سے جدا کرنے کے لئے صرف گردش چشم حسینؑ سے خائف ہو کر قاتل تلوار و خنجر پھینک پھینک کر بھاگتے تھے۔

(۱۶۰) عزم راسخ اور قوت ارادی کی فتح

مصیبتوں میں گھرنے کے بعد امام صبح عاشورا اپنے غیر متبدل ارادے کا اعلان فرماتے ہیں ظالمو! میرے خون سے ہاتھ نہ رنگوں۔ اپنے رسولؐ کے فرزند کا خون نہ بہاؤ۔ دنیا نے تم کو فریب دیا ہے۔ شیطان تم پر غالب آ گیا ہے۔ تم نے خدا کو بھلا دیا ہے۔ قسم بخدا جو بات تم مجھ سے چاہتے ہو میں ہرگز منظور نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے خون میں رنگ جاؤں اور خدا سے جا ملوں۔

شمر و شبث بن ربعی کا جواب:۔ اے حسینؑ ہم کچھ نہیں سمجھتے کیا کہہ رہے ہو بس یزید کی اطاعت کرو تب ہی امان ہے۔

امامؑ کا جواب الجواب۔ قسم خدا کی میں کبھی یہ ذلت گوارا نہ کروں گا کبھی کسی کے ہاتھ پر ہاتھ بیعت کے لئے نہ رکھوں گا۔ کبھی تم لوگوں کے سامنے غلاموں کی طرح اقرار نہ کروں گا۔ (کامل ابن اثیر)

امام حسینؑ کے انتہائی خلاف ماحول پر آپ کی قوت ارادی کی فتح ہو کر رہی اور یزیدیوں کو قتل کر کے شرمندگی۔

(۱۶۱) اسلام کا فیلڈ مارشل

امامؑ فوجی قابلیت میں عالم کے تجربہ کار فیلڈ مارشلوں کے سرتاج تھے۔ بہتر تنوں سے ہزاروں کا مقابلہ بتیس سواروں سے ہزاروں کو شکست دینا دشمنوں کے سپہ سالار (عروہ بن قیس) کا عمر سعد سے مزید کمک طلب کرنا اور شکست کھانا حسینؑ کی اعلیٰ فوجی قابلیت کی دلیل ہے۔

(مقتل ابو اسحاق۔ اسفرائنی)

(۱۶۲) اعلیٰ ڈسپلن

حسینؑ جس شخص کو ملک وقوم و مذہب وانسانیت کے لئے مہلک سمجھتے ہیں اور بیعت سے اس کی انکار کر چکے ہیں باوجود انتہائی شدائد کے اپنے انکار پر خود بھی قائم رہے اور اپنے مشن کے فرد فرد سے پوری تائید کرا رہے ہیں۔عورت ہو یا بچہ، جوان ہو یا پیر، آزاد ہو یا غلام، عاشور کے روز امام حسینؑ کی اعلی کارگذاریوں کا نمونہ ہے۔عورتوں بچوں نے اسیر ہو کر بھی یزید کی بیعت نہیں کی۔

(۱۶۳) فوجی تنظیم

بلاؤں اور مصیبتوں کے ہجوم میں بھی کبھی امام حسینؑ بدحواس نہیں ہوئے۔ چھ لاکھ دشمنوں کے مقابلے میں انتظامی قابلیت میں اس قلیل لشکر کو جو بہتر کی تعداد میں تھا اس طرح آراستہ کیا اور سردار ی لشکر کی قابلیت کا وہ مظاہرہ فرمایا کہ دنیا کے سپہ سالار انگشت بدنداں رہ گئے۔آپ کے فوق البشر انتظام نے انہیں میں سے میمنہ میسرہ قلب وجناح قائم فرمایا اور خیموں کے گرد خندق کھود کر آگ جلا دی اور ایک چھوٹا سا راستہ رکھکر محاذ جنگ کو مختصر کر دیا تھا تا کہ یزیدی لشکر کثرت سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور اچانک شبخون سے بھی حفاظت ہو۔خود در خیمہ پر کرسی بچھا کر بیٹھ گئے۔جب خیمہ سے رونے کی آواز بلند ہوتی تو عورتوں کو خاموش کرتے تا کہ اعدا شماتت نکریں اور دلوں میں ان کے بے رعبی نہ ہو۔

(۱۶۴) فوج کی فرماں برداری

اللہ اللہ عقلیں حیران ہیں۔اس ڈسپلن پر کوئی جاں نثار دشمنوں کے کسی ابھارنے یا کسی کے ہلاکت آفرین مظاہرے سے جذبات انتقامی میں مطلق تحریک نہیں ہوتی ہر جان نثار خدمت میں حاضر ہو کر تسلیم بجالاتا ہے اور صرف وہی معرکہ کارزار میں جاتا ہے جس کو اجازت جنگ ملتی ہے۔

(۱۶۵) مارشل اسپرٹ

امامؑ کے انصار میں ہر شخص چاہتا ہے سب سے پہلے اپنی جان دے اصحاب اعزاء برادر اعزا اصحاب پر سبقت کرتے ہیں۔بیتاب ہیں۔اصحاب کو یہ خیال ایسا نہ ہو یہ الزام آوے کہ عزیز شہید ہو گئے اصحاب بیٹھے دیکھتے رہے اعزاء کو یہ خیال ایسا نہ ہو یہ الزام آوے کہ اصحاب قتل ہو گئے اعزاء جان بچاتے رہے۔شوق شہادت بچین کئے ہوئے۔

(۱۶۶) سچا اخلاص

حقیقی محبت اور سچا اخلاص مخالف قوتوں کو بیکار کر دیتا ہے۔حسینی رفقاء زیور وفا وصداقت ومحبت والفت کے سوا کیا رکھتے تھے۔خوف طمع ان کے اس خالص تعلق کو قطع نہ کر سکی ہر وقت آرزو، کب اذن جنگ ملے اور کب خاندان نبوت پر اپنی جان قربان کریں۔سچی الفت وصادق وفا کا سبق عالم کو یہ باوفا پڑھا گئے۔

(۱۶۷) اطمینان نفس

واقعات عاشور کو تاریخ میں پڑھو جس قدر امامؑ پر مصیبت بڑھتی تھی اطمینان حسینؑ بڑھتا جاتا تھا۔جس قدر منازل مصیبت طے ہوتے تھے چہرہ پر رونق آتی جاتی تھی۔

(۱۶۸) رقت قلب

مصائب کے دور کرنے مشکلوں کے مٹانے میں انتہائی سعی وکوشش فرماتے اور چاہتے تھے کہ ساتھیوں کو کسی طرح مصائب سے نجات ملے۔بار بار ساتھ چھوڑ دینے کہ ترغیب فرماتے تھے اور ساتھیوں کو صبر ونعمات جنت کی بشارتیں دے کر تسکین دیتے تھے۔

(۱۶۹) مروت

آپ کا قاتل شمر جناب عباس اور ان کے بھائیوں کو لشکر امام حسینؑ میں بلانے اور قتل سے امان دینے کے لئے آتا ہے امام بھائیوں کو سمجھاتے ہیں کہ امان قبول کر لیں اور بعض اصحاب چاہتے ہیں کہ تیر مار کر شمر کو قتل کر دیں امام منع فرماتے ہیں اور اپنے یہاں مہمان سے یہ برتاؤ گوارا نہیں فرماتے۔

(تاریخ طبری تذکرہ خواص الامہ)

(۱۷۰) محبت ووفا کے بیمثل سبق

آج سپاہیوں کو جبریہ فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے۔انہیں مصنوعی ذرایع سے شراب پلا کر پشت پر توپیں لگا کر میدان جنگ میں بھیج دیا جاتا ہے یزیدی فوج بھی حکومت وانعام زر پاشی وسزا وعقاب سے ڈرا کر امام کے مقابلے میں لائی گئی تھی۔لیکن فوج حسینی کا سردار بار بار دوستانہ فہمایش کرتا ہے اور ترغیب دلا رہا ہے کہ شب تار میں جان بچا کر نکل جاویں شمع بجھا کر بتاتا ہے کہ کسی کو جانے میں حجاب وشرمندگی نہ ہو لیکن ان جان نثاروں میں ایک بھی اپنے سردار کا ساتھ نہیں چھوڑتا

جان دینے پر ہر ایک آمادہ ہے۔

(۱۷۱) حسینی عفو و بخشش

امامؑ کو راہ سے گھیر کر اس مصیبت میں گرفتار کرنے والا جری اپنی خطا سے نادم خدمت امام میں آ کر عفو تقصیر چاہتا ہے امامؑ ایسے مجرم کو سینہ سے لگاتے اور خطا معاف کرتے ہیں۔

(۱۷۲) مقاومت مجہول

امامؑ کے بہتر انصار ٹڈی دل یزیدیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہیں۔ خیمہ و خرگاہ لٹنا باقی ماندوں کا اسیر ہونا قید کی مصیبتیں جھیلنا، بادیہ پیمائی سب کچھ امام کے پیش نظر ہے لیکن مادیت و عسکریت کی تمام قوتوں کو اپنے مقاومت مجہول اور یزیدی قانون کی نافرمانی سے مفلوج و بیکار کر دیتے ہیں۔

(۱۷۳) عدم تشدد ذریعہ غلبہ و فتحمندی ہے

تاریخ نہیں بتاتی کہ امامؑ نے دشمن پر تشدد کیا ہو اور کسی موقع پر پیش دستی کی ہو۔ ولید کا مدینہ میں امامؑ کو بیعت یزید پر مجبور کرنا اور مروان کا قتل کا مشورہ دینا رفقاء امامؑ کا شمشیر زنی کی اجازت مانگنا اور امام کا روکنا۔ حر کے روکنے پر اصحاب کی جنگ آزمائی پر امام کا روکنا۔ صبح عاشور ساتھیوں کو سبقت سے روکنا۔ خیموں کا فرات کے کنارے سے ہٹا دینے پر ساتھیوں کو جنگ سے باز رکھنا۔ یہی وہ بات تھی جس نے حسینؑ کی حق پروری کو فتحمند کیا اور عالم کو اپنی مظلومیت کے اقرار پر مجبور کر کے ہمدرد بنا لیا۔

(۱۷۴) خلق عظیم

یزید اپنی پوری قوت سے امام کو مجبور کر رہا ہے کہ دین و ایمان رحم و انصاف، انسانیت و ہمدردی بنی نوع، صداقت اور تمام فضائل نفسانی و انسانی کو چھوڑ دیں اور اس لئے وہ خاندان نبوت کی ہر فرد کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تلا ہوا ہے۔ لیکن امام اپنے حقوق جتاتے ہیں اور دشمنوں کو ان کے فرائض پر جو خاندان رسالت کے ان پر عاید ہیں بار بار یاد دلاتے ہیں۔ اور اہلبیت سے بھی وصیت کرتے ہیں کہ دشمنوں پر نفرین نہ کریں۔

(۱۷۵) قدر شناسان حسینؑ

اللہ اللہ کیسے قدر شناس و باوفا تھے اصحاب حسینؑ کسی نے ایک قطرہ پانی نہ پیا اس لئے کہ حسینؑ اور ان کی اولاد پیاسی تھی حالانکہ سب کے لئے روک پانی کی نہ تھی بجز حسینؑ کے۔ بعض اصحاب کے

رشتہ دار فوج عمر سعد میں موجود تھے جو گھاٹ روکے ہوئے تھے بعض اصحاب تو فرات تک پہنچ بھی گئے تھے جیسے بریر ہمدانی اور ان کے اصحاب عباس علمدار لیکن کسی نے پانی نہ پیا اس لئے اولاد رسول پیاسی تھی حتیٰ خود امام حسینؑ نے جناب علی اکبر اور دیگر اصحاب کو شب عاشور اجازت دی کہ فرات سے پانی بھر لاویں پئیں اور وضو و غسل کریں کپڑے پاک کریں کیونکہ یہی ان کے کفن ہوں گے (امالی شیخ صورۃ آثارۃ الاحزان جد علام غفران مآب الاحزان) لیکن اصحاب نہ فرات گئے۔ نہ پانی پیا نہ وضو کیا نہ غسل کیا۔ اس لئے کہ کسی حدیث میں اسکا ذکر نہیں ہے اور یہ سب اس لئے نہ کیا کہ گھاٹ سے پانی لانے کی سخت روک تھی حتیٰ خود پسر سعد کے فوجیوں کو ممانعت تھی کہ کسی ظرف میں بھر کر پاس نہ رکھے مبادا کسی کو اولاد رسولؐ پر رحم آ جاوے اور پانی دیدے۔ لہذا انصار حسینؑ پانی نہ لا سکتے تھے تو خود کیسے پی لیتے اس لئے کوئی گھاٹ پر نہ گیا امام کا ارشاد بطور حکم نہ تھا جس کی مخالفت پر نافرمانی ہوتی بلکہ صرف اجازت و رخصت تھی جس کو ان باوفاؤں نے گوارا نہ کیا۔

(۱۷۶) امام کی پیشینگوئیاں جو سب پوری ہوئیں

(۱) حر کو ابن زیاد نے امام حسینؑ کو کوفہ گھیر کر لانے کیلئے بھیجا تھا۔ خود حر امام سے یہی بار بار کہتے تھے۔ امامؑ نے فرمایا اے حرؑ میرے کوفہ لے جانے سے پہلے تیری موت آ جاوے گی۔ (بحار الانوار) یہی تو ہوا کہ حر شہید ہوئے۔

(۲) حر بار بار امام کو سمجھاتے تھے کہ اگر آپ لڑے تو ضرور قتل ہوں گے۔ امام نے فرمایا اے حر قتل سے کیا ڈراتا ہے کیا تم لوگوں پر جو بلا آنے والی ہے وہ میرے قتل سے ٹل جاوے گی۔ (بحار الانوار) یعنی یزید اور اس کے طرفدار سمجھتے تھے کہ حسینؑ سلطنت کا کانٹا ہیں اور استحکام سلطنت کے لئے مخل ہیں حالانکہ شہادت حسینؑ مرگ یزید ہوگی۔

(۳) امامؑ فرماتے ہیں اے عمر بن بوذان میری شہادت کے بعد خدا بنی امیہ پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو ان کی عزت و آبرو خاک میں ملا دے گا دنیا سے مٹا کر مخلوق میں ذلیل تر بنا دے گا۔ (بحار الانوار) تین چار سال کے اندر ہی یہ پیشینگوئی پوری ہوگئی۔

(۴) خطبہ روز عاشور میں امامؑ نے فرمایا ''اے اہل کوفہ و شام! ان ظلموں کو جو مجھ پر کر رہے ہو اس کے عوض میں جلد تباہ ہو جاؤ گے اور اس طرح سے پیسے جاؤ گے جیسے چکی غلہ پیستی ہے۔

(۵) بددعا کے طریق سے امامؑ فرماتے ہیں ''خداوندا بارش و باران کو ان کے ملکوں میں بند کر دے اور ایسا قحط نازل فرما جیسا کہ مصر میں یوسف نبیؑ کے وقت میں ہوا تھا۔

(۶) اس قوم پر بنی ثقیف کا لڑکا مسلط ہوگا جو ان کو موت کے تلخ جام پلاوے گا۔ ایک کو بھی ان میں سے نہ چھوڑے گا قتل کرنے والوں کو قتل کرے گا اور چوٹ لگانے والوں کو ویسی ہی ضرب لگاوے گا۔ وہ ثقفی لڑکا یہ سب باتیں اس انتقام میں کرے گا جو ہم پر اور ہمارے اہلبیتؑ اور شیعوں پر انھوں نے ظلم کیے ہیں۔

(۷) ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ تجھ کو یقین ہے کہ میرے قتل سے تجھ کو ملک رے و جرجان کی حکومت انعام میں ملے گی قسم بخدا ہرگز تیری یہ حسرت پوری نہ ہوگی۔

(۸) اے پسر سعد میرے قتل کے بعد تجھ کو خوشی کا منھ نہ دیکھنا ہوگا۔

(۹) اے پسر سعد میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرا سر کوفہ میں ایک لانبی چھڑ پر بلند کیا گیا ہے اور اس پر لوگ تیر مار رہے ہیں۔

(۱۰) جناب علی اکبر جب میدان جنگ میں جانے لگے اس وقت امام نے پسر سعد سے فرمایا ہے ''خدا تجھ کو تیرے فرش خواب پر قتل کرے گا (مناقب ابن شہر آشوب) پسر سعد کے بڑے بیٹے نے باپ کو فرش خواب ہی پر قتل کیا۔

(۱۷۷) حسینؑ کی مزدورانہ زندگی

شبہائے تار میں اہل مدینہ کو پشت پر کھانا لاد کر امام حسینؑ پہنچایا کرتے تھے۔ روز عاشور شہیدوں کی لاش خود اٹھاتے تھے۔ شب ہفتم محرم اپنے ہاتھ سے امامؑ نے کنواں کھودا (مناقب شہر آشوب، بحار الانوار) جناب عباس کو کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ مقتل ابومخنف یہ وہ سب چیزیں ہیں جو حسینؑ کی مزدورانہ زندگی کو ثابت کرتی ہیں۔

(۱۷۸) روح کی غیر فانی قوت

امام اپنے بھائی بھتیجے بھانجے اولاد کو اطمینان سے اپنے ہاتھوں سے مسلح کر کے ایک کو ہزاروں کے مقابلہ میں بھیج رہے ہیں۔ سینوں پر برچھیاں کھاتے بازو کٹاتے ٹاپوں سے پامال ہوتے دیکھ رہے ہیں پھر گود میں لاش اٹھا کر لاتے ہیں عورتوں میں ہل چل مچی ہے۔ بچوں کی زبانیں پیاس کے

مارے منھ سے باہر نکلی ہوئی ہیں۔ ششماہہ بچہ تیر کھا کر ہاتھوں پر خون اگل رہا ہے۔ لیکن حسینؑ وہ کوہ وقار ثابت قدم اپنے ارادے میں اٹل اپنے قول پر اڑا ہوا ہے۔ حسینؑ کی روحانی قوت تمام مادی جذبات ملیامیٹ کر دیتی ہے۔ عالم کی مادیت روحانی قوت کے مقابلے میں بے حقیقت ہے اور روحانی منزل اس متناہی نقطہ پر پہنچ جاتی ہے جہاں مادیت کے پر جلتے ہیں۔

(۱۷۹) اتحاد عمل و اشتراک مقصد کے کارنامے

ایک طرف جب جاہ و ثروت کے انتہائی جذبہ سے لوگ مدہوش ہر ظلم و بیدردی و بیدینی و بہیمیت پر طمع و لالچ نے لا اُتارا ہے ان میں کا ہر ایک بیقرار ہے کہ جلد ان مظلوموں کے سر جسموں سے اُتار کر عورتوں بچوں کو اسیر کر کے لے چلیں اور حاکم سے انعام لیں۔

دوسری طرف چند خدا کے بندے ہر مصیبت و آفت کے سوا کوئی دنیاوی نفع کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن دین و مذہب کی قوت اور جذبہ صداقت و حقانیت کے متوالے جان دینے کو فوز عظیم سمجھ رہے ہیں۔ ایک گروہ جان لینے پر تلا ہوا ہے دوسرا جان دینے پر دونوں اپنے اپنے مقصد میں اتحاد و اشتراک رکھتے ہیں اور ہر گروہ اپنے اپنے نظریہ میں اتحاد عمل کا مکمل آئینہ ہے۔ دونوں کامیاب ہیں ایک کسی ظلم و انسانیت سوز حرکت سے نہیں جھجکتا۔ دوسرا کسی ظلم و مصیبت کو خطرے میں نہیں لاتا اتحاد عمل کے دونوں نمایاں مظاہرے ہیں۔

(۱۸۰) موت علی الحق کے عاشق

راہ کوفہ میں امامؑ کو غنودگی ہوتی ہے اور امام حسینؑ انا للہ و انا الیہ راجعون فرماتے ہیں جناب علی اکبرؑ عرض کرتے ہیں بابا یہ مایوسانہ ارشاد کیسا امام نے شہادت کی خبر دی۔ فرزند نے عرض کی بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ فرمایا کہ بیشک ہم حق پر ہیں فرزند عرض کرتا ہے پھر موت کا کیا خوف۔

(۲) نعش حبیب ابن مظاہر پر امام پہونچتے ہیں چہرے پر ہم و غم کے آثار نمایاں ہیں زہیر قین عرض کرتے ہیں مولا کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ امام فرماتے ہیں بیشک تم سب حق و ہدایت پر ہو زہیر کہتے ہیں مولا پھر موت سے کیا ڈر؟ ہم تو جنت میں جا رہے ہیں ہم کو بھی مرنے کی اجازت دیجئے (کامل بن اثیر)

(۱۸۱) غلام نوازی

جون غلام ابوذر غفاری اصرار سے اجازت میدان حاصل کرتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں امام دعا فرماتے ہیں ''خداوندا میری اس فدائی کو گروہ ابرار میں محشور فرما اور ہمارے ساتھ شامل فرما اس کے چہرے کو نورانی کردے اور ہماری خوشبو اس کے جسم میں پیدا فرمادے۔ اپنے فرزند امام زین العابدین کے غلام کو مجروح ہو کر زمین پر گرنے کے وقت امامؑ اپنا رخسارہ شہید کے رخسار سے ملاتا ہے اور شہید اس پر فخر کرتا ہوا راہی جنت ہوتا ہے۔

(۱۸۲) مقصد کی جتنی اہمیت ہو اتنی ہی اہم قربانی کی ضرورت ہے

اللہ اللہ ہم شکل نبی جوان رعنا علی اکبرؑ کو اسلحہ سے سج کر اہل حرم سے رخصت کے لئے حکم ہوتا ہے۔ بی بیاں ماں بہنیں گھیر کر رو رہی ہیں۔ امام کو خیال ہوا کہ بہادر حسینؑ کا یہ جذبہ عورتوں کے سمجھانے سے رک جاوے۔ خود خیمہ کا پردہ اٹھا کر داخل ہوتے ہیں اور اہلحرم کو سمجھا کر اپنے فرزند کو لڑنے کے لئے باہر لاتے ہیں اور میدان جنگ میں روانہ کرتے ہیں۔

(۱۸۳) حسینی حقانیت کا اثر

حُر سردار لشکر یزید امام حسینؑ کو گھیر کر بلا لاتے ہیں پھر وہی حُر اپنی سرداری پر لات مارتے اور امام حسینؑ کی حقانیت پر جان نثار کرتے ہیں اور جان دیکر ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ حق و باطل کی جنگ ہے حسینؑ کی حقانیت کی اس سے زائد کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ فوج مخالف کا سردار اپنی جان مٹادے۔

(۱۸۴) شوق عبادت

نویں محرم کو یزید کی قہار فوجوں نے جب چند مظلوموں کو ظلم کی چکی میں پیس ڈالنے کا ارادہ کرلیا تھا اور امام صلح کی انتہائی کوشش کر تھکے تھے تو ایک شب عبادت کے لئے مہلت طلب کی تھی اور اس فدائے عبادت نے شب بھر ساتھیوں کو لیکر عبادت و تلاوت قرآن مجید میں بسر کی۔

(مقتل ابومخنف، تاریخ طبری)

صبح عاشور لاشوں پر لاشیں گر رہی ہیں ابوثمامہ صیداوی امام سے بجماعت نماز ادا کرنے کی خواہش کرتے ہیں پسر سعد سے مہلت نماز مانگی جاتی ہے مہلت نہیں ملتی۔ تیروں کی بوچھار میں نماز مختصر سی صف باندھ کر نماز خوف پڑھتے ہیں سعید و زہیر قین امام کے سامنے سینہ سپر کر کے کھڑے ہوتے

ہیں تیروں کو سینہ پر روکتے ہیں امام نماز خوف تمام کرتے ہیں جناب سعید تیروں سے چھلنی ہو کر گرتے ہیں اور جنت کو سدھارتے ہیں۔

(۱۸۵) سنت نبوی کی مخیر العقول حفاظت

اسلام میں پیدا شدہ بچہ کے کان میں اذان دینا سنت ہے رسول زادے کے یہاں روز عاشورہ بچہ پیدا ہوتا ہے میدان جنگ میں بچہ لایا جاتا ہے امام سنت نبوی کو ادا کرنے کے لئے اذان دیتے ہیں ایک شقی تیر مار کر ہاتھوں پر امام کے بچہ کو شہید کرتا ہے۔ (یعقوبی)

(۱۸۶) سیاست اموی پر کاری ضرب

حسینؑ ششماہہ فرزند ہاتھوں پر لیکر نکلتے ہیں اور درگاہ باری میں عرض کرتے ہیں تیرے بے بضاعت عاشق کے خزانے میں یہ آخری موتی ہے اور حسینؑ کے رشتہ محبت میں اس کے سوا اب کوئی گوہر نہیں ہے اس کو بھی قبول فرما ششماہا بچہ ہاتھوں پر لیکر صفوف اعدا میں آواز بلند کر کے پیاسے بچہ کے لئے پانی طلب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اس کی ماں کا دودھ بھی خشک ہو گیا ہے ''حرملہ'' تین بھال کا تیر مارتا ہے اور بچہ ہاتھوں پر تلملا کر خون اگلتا ہے۔ امام خون چہرے پر ملتے ہیں اور فرماتے ہیں اسی طرح سے اپنے نانا رسول خداؐ سے جنت میں ملاقات کروں گا۔ حسینؑ اپنی ہمت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے بنی امیہ کی عداوت و بہیمت کو عالم آشکار فرماتے ہیں۔

(۱۸۷) اسلامی مساوات

حسینؑ ہر شہید کی لاش خود میدان سے اٹھا کر اسی طرح لاتے ہیں جیسے دل کے ٹکڑوں کو اپنا ہو یا بیگانہ آزاد ہو یا غلام، رخصت آخری کے وقت امام حسینؑ ماں بہنوں ہی پر سلام رخصت نہیں فرماتے بلکہ لونڈیوں پر بھی سلام فرماتے اور رخصت کرتے ہیں۔

(۱۸۸) توکل علی اللہ

تجربہ بتلاتا ہے کہ مال و املاک رشتہ داروں کا بھروسہ قابلِ اعتبار نہیں ہے لیکن عملاً انسان مذکورہ اشیا پر ضرور بھروسہ کرتا ہے مگر امام حسینؑ کا عورتوں بچوں اور ایک بیمار کو محض خدا کے بھروسہ پر چھوڑنا بے مثال توکل ہے۔ اگر کوئی پوچھتا ہے آپ ہم کو کس پر چھوڑے جاتے ہیں تو فرماتے ہیں خدا تمہارا معین و حافظ ہے۔

(۱۸۹) صبر کی تعلیم

یوں تو بار بار آپ صبر و رضا کی اہل حرم کو تعلیم فرماتے رہے۔ لیکن رخصت آخری کے وقت فرماتے ہیں اے زینب ہر مصیبت و بلا میں صبر کرنا خدا کو یاد رکھنا اپنے، رحیم و کریم خالق کو کسی وقت نہ بھولنا راہ خدا میں ہر رنج و مصیبت کو راحت سمجھنا، ماں کا صبر، باپ کا حکم ہاتھ سے نہ جائے۔ خدا اور رسولؐ تمہارا حامی و مددگار رہے۔

(۱۹۰) حیا و عفت

امام حسینؑ آخر وقت پرانے کپڑے پھاڑ کر پہنتے ہیں تاکہ بعد شہادت لاش برہنہ نہ رہے اور اشقیا لباس لوٹنے میں پھٹے کپڑوں کو چھوڑ دیں۔ (تاریخ طبری، تاریخ)

(۱۹۱) اسلامی پردے کا اہتمام

آخر وقت خیمہ میں امام حسینؑ آتے ہیں اور اہلبیت سے فرماتے ہیں کہ اے بی بیو! اب لٹنے کے لئے تیار ہو جاؤ قید ہونے کا وقت آ گیا چادریں اوڑھ لو مقنعہ سر سے باندھ لو موزے پیروں میں پہن لو۔

(۱۹۲) اسرار امامت کی تعلیم

اپنے فرزند بیمار و علیل امام زین العابدینؑ کو رخصت کرتے وقت تبرکات رسولؐ سپرد کر کے اسرار امامت تعلیم فرمائے۔

(۱۹۳) علم حسینی

تمام عزیز اقربا دوست و آشنا شہید ہوئے حتیٰ کی ششماہہ بچہ تک لیکن امام حسینؑ تعلیم امامت جانتے تھے کہ امام زین العابدین زندہ رہنے والے ہیں ورنہ تبرکات کا سپرد کرنا اسرار امامت کا تعلیم کرنا بیکار ہوتا۔

(۱۹۴) احترام قرآن

رسولؐ زادہ قرآن مجید عبا میں لپیٹ کر ناقہ پر سوار یزیدوں کے سامنے آ کر معاویہ کی قرآنی بے احترامی کی (جو نوک نیزہ پر بلند کر کے صفین میں کی تھی) پردہ دری کرتا ہے۔ شامیوں کل کی بات ہے نیزوں پر قرآن بلند دیکھ کر امام برحق علیؑ مرتضیٰ سے تم نے مخالفت کی تھی اور فتح شدہ جنگ کو

روک دیا تھا۔ آج وہی قرآن فرزند رسولؐ امام برحق پیش کر رہا ہے اگر قرآن پرست ہو تو آج بھی قرآن پرستی کا ثبوت دو اور جنگ بند کر کے رسولؐ زادے کے خون سے ہاتھ نہ رنگو۔ امامؑ نے قرآن بلند کر کے ثابت کر دیا کہ یہ گروہ قرآن پرست بھی نہیں ہے۔

(۱۹۵) صحابیت رسولؐ

فرزند رسولؐ اصحاب رسولؐ کو پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے (اصحاب پرست ہو تو) انس وغیرہ سے پوچھ لو کہ رسولؐ نے میرے بارے میں فرمایا تھا کہ ''حسنؑ و حسینؑ سردار جوانانِ جنت ہیں'' نہ کہ اصحاب پرست ہیں۔

(۱۹۶) حفظ حیوانات

امام کے اصحاب و انصار اعزا سب درجہ شہادت پر فائز ہو چکے اور ایک بوند پانی نہ ملا پھر سواری کے جانوروں کو پانی کہاں میسر امام جہاد کر کے گھاٹ خالی کرا لیتے ہیں گھوڑا نہر میں ڈال کر چمکارتے ہیں فرماتے ہیں اے اسپ باوفا تو پیاسا ہے پانی پی لے۔ اللہ رے وفادار گھوڑا اس نے پانی سے سر اونچا کر لیا اور ایک قطرہ پانی کا نہ پیا اسی باوفا گھوڑے کی آج تک یادگار قائم ہے۔

(مناقب ابن شہر آشوب)

(۱۹۷) حمایت حق میں ہر بے عزتی، عزت ہے

وہ امامؑ کون و مکاں حملہ کرتا جاتا ہے اور اشقیاء کو سمجھاتا جاتا ہے قسم خدا کی مجھے پوری امید ہے کہ جس قدر تم مجھکو ذلیل کرتے ہو خدا میری عزت بڑھاتا جاتا ہے۔

(کامل ابن اثیر)

(۱۹۸) سچی قدردانی

(۱) امام فرماتے ہیں مجھے ایسے اصحاب ملے جو کسی کو نہ ملے تھے میرے عزیز و اہلبیتؑ سب کے عزیز و اہلبیتؑ سے بہتر ہیں۔ خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔

(تاریخ طبری، ابوالفداء)

(۲) انصار سر کٹائے ریگ گرم کربلا پر پڑے تھے اس وقت امام فرما رہے تھے اے بہادرو! جب دشمن تیزی سے آگ برسا رہا تھا اور تم کو اس بلا کے دور کرنے کے لئے پکارا گیا تو تم نے میری مدد میں

جان دینے کے لئے اپنے بہادر وشجاعت بھرے دلوں کو اپنی زرہوں پر پہن لیا اور مرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے۔

اے بہادرو! تم نے اپنے حسینؑ کی نصرت ومدد کر کے دنیا کو چھوڑ دیا اور بہشت کے سندسی واستبرقی خونیں کفن پہن لیئے۔

(۱۹۹) حمایتِ دینِ نبیؐ وحفظِ اولادِ علیؑ کے لئے جاں نثاری

وہ شیرِ بیشہ شجاعت نے تلوار کھینچی۔ فوج اعدا پر ٹوٹ پڑا ہے اور فرمارہا ہے کہ ''میں علیؑ کا بیٹا حسینؑ ہو ں۔ جب تک میرے دم میں دم ہے اپنے باپ کے عیال کی حفاظت وحمایت کیئے جاؤں گا اور دین نبیؐ پر جان دیدوں گا۔

(۲۰۰) فلسفۂ موت

حسینؑ اعدا پر حملہ کرتے جاتے ہیں اور جب شہیدوں کی لاشوں پر پہنچ کر خاک وخون میں غلطاں نعشیں دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں بیشک ذلت وعار کی زندگی سے موت بہتر ہے اور ہر ننگ وعار کو اختیار کر لینا جہنم میں جانے سے بہتر ہے۔

(۲۰۱) بزدلی سے نفرت

حسینؑ جب اشقیاء پر حملہ فرماتے ہیں تو وہ بزدل ٹڈی کی طرح سے بھاگتے ہیں پھر حسینؑ خیمہ کی طرف لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ کہتے واپس ہوتے ہیں۔ (نورالعین)

(۲۰۲) پانی کی طلب

تین روز کی بھوک پیاس میں حسینؑ کا اشقیاء سے پانی طلب کرنا محض شقاوت بنی امیہ کا اعلان تھا ورنہ کون جانتا کہ حسینؑ اور انکے بچہ پانی سی مفت چیز سے روکے گئے ہیں۔ کھانا طلب کرنا غیرت حسینی وخودداری کے خلاف تھا اس لئے بچوں تک نے بجز شدت عطش بھوک کا نام بھی نہ لیا۔

(۲۰۳) طلب نصرت واتمام حجت

حسینؑ جانتے تھے کہ یہ بے رحم مدد نہ کرینگے پھر نصرت ومدد اشقیاء سے طلب کرنا محض اتمام حجت تھا تا کہ بعد میں کوئی نہ کہے کہ حسینؑ مدد مانگتے تو ہم دریغ نہ کرتے۔

(۲۰۴) ثبوت غداری

اسلام کا نام لے کر خود کو رسولؐ کا پیرو کہنے والے حسینؑ کے بار بار رشتہ وقرابت رسولؐ جتانے پر میری ہمدردی سے حسینؑ کا خون بہا رہے تھے حسینؑ بار بار اس قرابت کا ذکر کر کے یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے کہ یہ قوم اور ان کے طرفدار روحانی نہ پیرو رسولؐ تھے نہ مسلمان بلکہ دشمن وغدار تھے۔

(۲۰۵) حسینؑ کی موت وحیات خدا کے لئے ہے

صبح عاشور نماز کے بعد کی دعا میں امامؑ نے فرمایا تھا میرے مالک ہر کرب ومصیبت میں بس تجھی پر اعتماد ہے اور ہر سختی وشدت میں تو ہی میری امداد ہے اور ہر بلا ومصیبت میں تو ہی میری پناہ ہے۔ اے مالک بہت سی ایسی مصیبتیں ہیں کہ دل بیٹھ جاتے ہیں حیلے اور تدبیریں بیکار ہو جاتی ہیں دوست چھوڑ دیتے ہیں اور دشمن طعنہ زنی کرتے ہیں۔

مگر میرے مالک میں نے دلی رغبت سے اور حضور قلب سے تجھ سے عرض کی اور اپنے درد دل کی تجھ سے شکایت کی اس لئے کہ کوئی تیرے سوا میرا نہیں ہے اور بجز تیرے مجھکو کسی سے رغبت نہیں ہے۔ بس تو نے اس مصیبت کو مجھ سے دور کیا تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے اور تو ہی ہر نیکی کا ولی وصاحب ہے۔ ہر رجوع اور رغبت کرنے والے کا تو ہی ماویٰ وملجا ہے۔

(کامل ابن اثیر، تاریخ طبری)

(۲۰۶) کامیابی مقصد کے لئے دعا

آخر وقت خدا کی بارگاہ میں وہ مظلوم اس طرح سے دعا فرماتے اے میرے پالنے والے! مجھ کو ان کافروں میں نہ چھوڑ، تو دیکھ رہا ہے کہ ظالموں کی سرکشی حد سے بڑھ گئی ہے اور مجھے چاروں طرف سے گھیر کر قید کر لیا ہے اور اپنے ہر فعل میں یہ لوگ یزید کی خوشی چاہتے ہیں۔ میرا بھائی خاک وخون میں غلطاں تن تنہا جنگل میں شانے کٹائے پڑا ہے۔ اے مالک تو ضرور ان ظالموں کی گھات میں ہے۔ تیرے عذاب سے یہ نہیں بچ سکتے۔ (ابواسحاق)

(۲۰۷) شجاعت حسینی

حسینؑ خیمہ سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور دشمنوں پر حملہ فرمایا۔ صفوں کو چیرتے

فوج میں دوڑتے اور تلواریں چلاتے وار کرتے چہار طرف حملے کر رہے تھے۔ دشمنوں کو تلوار سے کھیتی کی طرح کاٹے پھینکے دیتے تھے۔ کبھی سامنے حملہ کرتے کبھی داہنے کبھی بائیں لوگوں میں بھگدڑ تھی پیدل سواروں کے گھوڑوں کے سموں سے پامال ہو رہے تھے خون نہر کی طرح بہہ رہا تھا۔

(مقتل ابواسحاق)

راوی کہتا ہے خدا کی قسم حسینؑ سے بڑھ کر کسی شخص کو ایسا قوی دل نہیں دیکھا اور ایسا ثابت قدم و بہادر دنیا میں نہ ہوگا جو حسینؑ کی طرح سے شکستہ دل ہو صدمہ اٹھائے بھائی بیٹے عزیز دوست احباب کے داغ اٹھائے ہو اور پھر حسینؑ کی سی ثابت قدمی و بے جگری سے جنگ کر سکے۔

بخدا دشمن کی فوج کے سوار اس طرح سے بھاگتے تھے جیسے بھیڑیا بکری کے گلہ میں داخل ہو۔ حسینؑ نے گھوڑے سے گر کر بھی اسی طرح سے جنگ کی جس طرح سے جنگجو بہادر سوار جنگ کرتے ہیں تیروں کو بچاتے تھے۔ حملوں کو روکتے تھے وار کو روکتے تھے سواروں کے پیروں پر حملہ کرتے تھے۔

(کامل ابن اثیر) عمار بن یغوث بارقی شریک جنگ کہتا ہے دیکھا میں نے حسینؑ پر فوجی دستہ نے داہنے سے اور دوسرے دستہ نے بائیں سے ایک بار حملہ کر دیا حسینؑ نے شیرانہ حملہ داہنے دستہ پر کیا سب کو مار بھگایا پھر فوری بائیں دستہ پر حملہ کیا اور سب کو مار بھگایا ایک شخص سامنے نہ رک سکا۔

قسم بخدا آپ نے کبھی ایسے زخمی دل شکستہ کو جسکے تمام بھائی بیٹے بھتیجے عزیز اصحاب سامنے قتل ہو چکے ہوں نہ حسینؑ سے پہلے نہ بعد ان جیسا مضبوط دل بے دھڑک نہایت اطمینان شجاعت سے دشمن پر حملہ کرنے والا اور حریت و استقلال سے لڑنے والا نہیں دیکھا نہ پہلے نہ بعد کو حسینؑ کی یہ حالت تھی کہ پیادوں کی صفیں جب ان پر ٹوٹ پڑتی تھیں تو حسینؑ کے ذرا مڑ جانے سے اس طرح سے بھاگتے تھے جیسے گلہ گوسفند بھیڑیئے سے بھاگتا ہے۔ (تاریخ طبری) ایک جنگ میں امام حسینؑ نے ایک ہزار نو سو پچاس پیادہ سوار تن تنہا قتل فرمائے۔

(مناقب ابن شہر آشوب)

(۲۰۸) نعرۂ توحید

دنیا کے مذاہب اسلام کے فدائے توحید سے کربلا کے میدان میں آ کر نعرۂ حق سنیں۔ سنان کا نیزہ سینہ توڑ کر پشت سے پار ہوتا ہے اور پشت زین سے زمین پر تشریف لاتے ہیں ''خدا کے نام پر اور اسی کی توفیق و مدد سے اور ملت رسولؐ خدا پر میرا خاتمہ ہوا''

(۲۰۹) حفاظت دین کے لئے قربانی

وہ زخموں سے چور چور میدان میں تنہا کھڑا خدا کی درگاہ میں عرض کر رہا ہے میرے پالنے والے! میں تو اس امر کو دوست رکھتا ہوں کہ تیری محبت و اطاعت میں مجھکو سو مرتبہ قتل کیا جائے، ہر بار زندہ کیا جاؤں خاص کر اس وقت جبکہ میرے قتل میں تیرے دین کی نصرت مضمر ہو اور تیرا امر زندہ ہو اور تیری شریعت و ناموس کی حفاظت میرے قتل پر منحصر ہو۔

(۲۱۰) عاشق صادق کا نعرۂ محبت

زخموں سے چُور خدا کی درگاہ میں عرض کر رہے ہیں ''معبود! تو تو بہتر جانتا ہے۔ صرف تیری محبت و عشق میں میں نے دنیا سے ہاتھ اٹھایا ہے۔ فقط تیرے دیدار کا مشتاق ہوں، اہل و عیال کو چھوڑ رہا ہوں اور بچوں کو یتیم بنا رہا ہوں۔ اے میرے رب اگر تیری محبت میں میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاویں تب بھی میرا دل بجز تیرے کسی طرف مائل نہ ہوگا۔

(۲۱۱) اپنے اوپر رونے کی خواہش

اللہ اللہ اس حکیم حکمت الٰہی کے اس فیصلہ کو دیکھو جو اپنے اوپر رونے کی کیسے بلیغ الفاظ میں تحریک فرما کر عالم کی ہمدردیوں کو حاصل کیا ہے اور قوم کو رقت قلب مظلوموں سے ہمدردی ظالموں سے نصرت کا سبق دیا ہے فرماتے ہیں ''میں وہ کشتۂ گریہ و بکا ہوں جب کسی مومن کے سامنے میرا ذکر ہوگا وہ بے اختیار ہو کر روئے گا'' پھر فرماتے ہیں کہ ''اگر تم میں سے کوئی سن لے کسی غریب و شہید ہونے والے کو تو مجھ پر بین کر کے رو لیا کرو۔''

(لہوف سید ابن طاؤس)

جس کا یہ مطلب ہے کہ حسینؑ کی مصیبت کو تازہ رکھو اور اس سے سبق حاصل کرتے رہو۔ دیکھو ہنسی خوشی کی محفلوں میں انسان کبھی سنجیدگی سے کام نہیں لیتا جب دل پر چوٹ لگتی ہے اس وقت غور و خوض میں پڑ جاتا ہے۔ اگرچہ تصنع کم درجہ کی چیز ہے لیکن ہر کمال پہلے تصنع ہی سے شروع ہوتا ہے پھر طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے۔ چلنا پھرنا بولنا بچہ تصنع ہی سے سیکھتا ہے اس لئے حدیثوں میں ہے کہ

رونا نہ آوے تو رونے والے کی صورت بناؤ۔

اہل حرم آنسوؤں کے خشک ہو جانے پر علاج کراتے تھے تا کہ حسینؑ پر زاید گریہ کر سکیں۔ امام حسینؑ پر رونا ان کے کمالات نفسانی کی یاد تازہ رکھتا ہے غور وخوض کا مادہ پیدا کرتا ہے۔ مذہبی حرارت وجوش وخروش پیدا کرتا ہے۔ فضائل واخلاق کی طرف عالم کو پر اثر طریقے سے دعوت دیتا ہے۔ یزیدیت واموویت سے نفرت دلاتا ہے۔

شہادت حسینی کی عظمت قائم رکھتا ہے۔ قوت انتقام کو زندہ کر کے محبان حسینؑ زندہ رکھتا ہے۔ اور ناحق کی مادی فتح پر غم وغصہ کرنے کی عادت ڈالتا ہے۔ آنسو بہانا سینہ کوبی رونے والوں میں فوجی اسپرٹ پیدا کرتا ہے بزدلی کو بہادری سے بدلتا اور تکالیف جسمانی کا عادی بناتا ہے اور حفاظت دین حق پر مر مٹنے کا عادی کرتا ہے بشرطیکہ پیشہ وری اور ناسمجھی سے نہ ہو۔

(۲۱۲) اپنی یادگار قائم کرنے کا بلیغ اشارہ

امام اشقیاء کو خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''امت مسیح کو دیکھو وہ خر حضرت عیسیٰ اگر مل جاوے تو عزت وحرمت سے اس کی حفاظت کرتے، تم نے اپنے نبی کی آل کا عزت واحترام کرنا کیا زندہ دیکھنا بھی نہ چاہا'' آپ نے عیسائیوں کی اس یادگار کے باقی رکھنے کی مدح کے ساتھ ان لوگوں کی بھی مدح فرمائی ہے جو حسینی یادگار قائم رکھیں اور ان سے منسوب شدہ اشیاء کے احترام میں کوشش کریں۔ امام حسینؑ نے وہ اخلاقی وتمدنی سبق دیا ہے جو متمدنین نے اور ہر مذہب نے ہمیشہ ہمیشہ اختیار کیا ہے۔

(۱) بلجیم میں مسیح کے واقعات کا سالانہ مظاہرہ جناب مریمؑ کا بت حضرت عیسیٰؑ کو گود میں لئے ہوئے پہلی بار بطور نذر پیش کرنے جا رہی ہیں یوسف نذر کے دو کبوتر ہاتھ میں لئے ہوتا ہے یہ عظیم مظاہرہ ۱۹۳۶ سال کا آج تک ہوتا ہے۔

(تاریخ ہنمسٹن ۳۶۴ جلد۔۱)

(۲) شہر برگس میں خون مسیح کا سالانہ عظیم الشان جلوس نکلتا ہے ۱۱۵۰ء میں بتیو ڈرک کاؤنٹ آف فلینڈرس'' ایک قطرہ خون بیت المقدس سے مسیح کا لایا تھا اور ایک بڑا گرجا بنوا کر بحفاظت اس خون کو رکھا سالانہ شاہانہ جلوس اسی گرجے سے امیر برگ'' کے قصر تک لایا جاتا ہے جسمیں بادشاہ بھی شامل

ہوتا ہے۔ (تاریخ اقوام عالم ہمنسٹن ۳۶۴ جلد ۱/)

(۳) حضرت مسیح کے گدھے کا کھر یا کوئی جز ہالینڈ کے ایک مقدس گرجے میں آج تک موجود ہے (جان ڈیوپنورٹ)

(۴) ''سویزرلینڈ'' کے گرجے میں حضرت مسیح کا ایک جز وبدن مسیحیوں کا آج تک زیارت گاہ ہے۔

(سر جان ڈیوپنورٹ)

(۵) مراکش کے عیسائی سینٹ (شہید) ڈیوٹی کی آج تک پرشتش کرتے ہیں ان کی لاش دریا میں گئی تھی جزیرہ کارسکا سے بڑی کوشش سے چند اجزاء برآمد ہوئے جس کو صندوقچہ میں محفوظ کیا گیا۔ ہر ۷/ جنوری کو عظیم الشان جلوس نکالا جاتا ہے۔

(تاریخ عالم ہمنسٹن)

(۶) کوہ ہمالیہ کے اس پار ''تبت'' میں سالانہ تعزیہ اٹھایا جاتا ہے یہ رسم تعزیت ولی عہد جاپان کی یاد گار ہے جسکی وفات کو تیرہ سو سال گذر چکے ہیں۔ (تاریخ عالم ہمنسٹن)

(۷) آج تک کلیسا کا نشان طوق گلوِ مسیحیان ہے۔

(نکٹائی)

(۸) ہندو دھرم میں رام لچھمن کی لڑکی کی یادگار ہزاروں سال سے منائی جاتی ہے۔

(۹) اسلام نے بھی قرآنی تعلیم کی بنا پر انبیاء کی یادگاریں عبادت کے طور پر قائم کر رکھی ہیں۔ اعمال حج قربانی عید الضحیٰ، رسم ختنہ وغیرہ وغیرہ جو سنت خلیل جلیل ہے اور قیامت تک کی نسلوں کے لئے باقی رکھا گیا۔ قربانی جناب اسماعیل کی شبیہ قربانی کے اونٹ کو خدا نے اپنی نشانی فرمادیا ہے۔ جس کی تعظیم کو دل کا تقوی خدا نے قرار دیا ہے۔ اگر قربانی کا اونٹ شعایر اللہ سے ہے اور تعظیم واجب ہے تو افضل المرسلینؐ کے فرزند کی قربانی کی یادگار بدرجہ اولیٰ شعایر اللہ سے ہے اور تقوے کی نشانی ہے۔

امام حسینؑ نے بھی فصیح وبلیغ اشارے میں اپنی یادگار قائم کرنے کی تمنا کی ہے۔ اس لئے تعزیہ، علم، ذوالجناح، تابوت کی یادگار میں آج تک وہ یادگاریں قائم ہیں اور ہمیشہ عزت کی نگاہوں سے دیکھی

جاویں گی۔ جنگ بلقان کی یادگار تازہ رکھی جاوے انگلستان کراموں کو یاد رکھئے۔ روس زار کو نہ بھولے۔

فرانس نپولین کو یاد کرتا رہے۔ ہندوستان محمد علی روڈ قائم کرے۔ تلک مہاراج کی برسی منائی جاوے۔ یوم فلسطین منایا جاوے لیکن اسلام کے ہیرو حسینؑ کی یاد تازہ رکھنا بدعت کہا جاوے۔

''ہیچ کافر نکند آنچہ مسلمان کردند''

(۲۱۳) ناموس کا خیال

وہ نازک وقت جب زخموں سے چور چور سر بسجود امامؑ ریگ گرم کربلا پر پڑا تھا عمر لشکریوں سے پکار کر کہتا ہے خیام حسینؑ لوٹ لو یہ آواز سنتے ہی امامؑ کہنیاں ٹیک کر اٹھ بیٹھے اور آواز دی بے حیاؤ! میں ابھی زندہ ہوں عورتوں سے کیا سروکار ہے۔ وقت ذبح اپنی بہن زینبؑ سے یہ کہکر خیمہ میں پلٹا دیتے ہیں کہ میری زندگی میں خیمہ سے نہ نکلیں۔

(۲۱۴) خیر مجسم امت کا محافظ

خیر خواہ امت دشمنوں تک کو عذاب خدا سے بچانے کی فکر میں ہے آخر وقت جو شقی سر جدا کرنے آتا ہے آپ اس کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ شریک قتل نہ ہو ہرثمہ ابن ابی مسلم'' سے فرماتے ہیں کہ بھاگ جا اور مجھے قتل ہوتے نہ دیکھ۔ میری آواز تک نہ سن۔ تا کہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے''

(۲۵۱) حسینی مسرت مرگ یزید ہے

زیر خنجر شمر مسکراتے ہوئے گردن کٹاتے ہیں اور کامیابی رسولؐ پر خوشی مناتے ہیں۔

(۲۱۶) فدائے امت حسینؑ

رسول کی امت کا فدائی حسینؑ قاتل کی خیر خواہی میں بھی وہ کارنمایاں کرتا ہے جس کی تاریخ عالم نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ قاتل سینہ پر سر تن سے جدا کرنے کے لئے موجود ہے وہ خود ناقل ہے کہ حسینؑ کمزور آواز سے فرمارہے ہیں۔ ذرا ٹھہر جا میں بہت جلد مرجاؤں گا پھر سر کاٹ لینا۔ میں نہیں چاہتا میرے نانا کا کلمہ گو میرا قاتل بن کر بدنام ہو۔

اس شقی نے جب یہ نصیحت نہ سنی تو فرمایا اس نشیب میں لے چل اور قتل کرتا کہ قاتل شناخت ہو کر رسوا

نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ واقع ہو جاوے اور قاتل قتل کی ابدی لعنت ہے بچ جاوے قاتل امام میں اختلاف اور یہ بھی ممکن تھا کہ خیال ہوا ہو کہ انتہائی زخمی کے لئے اتنا وقفہ بہت ہے کہ نشیب تک لے جاوے اور از خود موت واقع ہو جاوے اور قاتل قتل کی ابدی لعنت سے بچے جاوے۔

(۲۱۷) وقت شہادت

رسولؐ موجود رہے ادھر مظلوم حسینؑ کا سر جدا ہو رہا تھا اور ادھر رسولؐ و علیؑ و بتول کھڑے مظلوم کو دیکھ رہے تھے۔ اس واقعہ کو یہ کہہ کر جھٹلا دینا کہ قاتلوں نے کیوں نہ دیکھا۔

اگر جمال کی روایت شب یازدہم کو نور کی عماریوں کا نزول چشم دید شہادت ہونے کے علاوہ روحانیات ہر آنکھ کا دیکھنا کب ممکن ہے۔ دوسرے عمی لونی کا مسئلہ طبیعات کا مسلمہ ہے بعض رنگ نہیں دیکھے جاسکتے ثابت ہو چکا ہے۔

اور اب تو سائنس کی ترقی میں ایک میز پر چند بیٹھ کر کھانا کھانے والے ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے ''ملان کے پروفیسر منسی نے ایک مشین ایجاد کی ہے جس کے ذریعہ ایک شخص کو دوسرا شخص نظر نہیں آسکتا اس سے ایسی شعاعیں نکلتی تھیں جس سے ساتھی نظر نہیں آسکتے ان اجاد ظاہرہ کی قدرتی اور فطری شعاعیں نور کی مانع رویت ہوتی ہیں۔

(۲۱۸) کامیاب تبلیغ

امام حسینؑ نے تبلیغ کے لئے وہ عملی ذرائع پیدا کر دیئے جو محیر العقول ہیں۔

(۱) اہل حرم کا ساتھ لینا۔ بعد شہادت کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام، شام سے پھر کربلا، کربلا سے مدینہ اسیر و مقید مظلومیت کی تصویریں پھرائی گئیں ابن زیاد و یزید کے درباروں میں ان قیدیوں کے بلیغ تبلیغی خطبے۔

(۲) سر امام حسینؑ نوک نیزہ پر شہر بشہر گشت کرایا گیا دروازہ شہر پناہ پر آویزاں ہوا۔ درختوں کی شاخوں پر لٹکا۔ بھرے درباروں میں یزید و ابن زیاد کے رکھا گیا۔ تنور میں رکھا گیا۔ صندوق میں بند رہا یہ کیسی مظلومیت کی عظیم الشان تبلیغ تھی۔

(۲۱۹) ادب آموزی

آداب جہاد میں حسینؑ نے سنت اسلامی کا مرتے دم تک خیال رکھا مقتول کے اعضا جدا کرنا، سر

کاٹ کر میدان سے لے جانا، لاش کو برہنہ کرنا شریعت اسلام میں ممنوع ہے۔ امام حسینؑ اور ان کے رفقاء نے مقتولوں میں سے کسی سے ایسا برتاؤ نہیں کیا مگر نام کے مسلمانوں نے حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر کے خلاف حکم اسلام سر بھی کاٹے اعضا بھی جدا کئے پامال سم اسپاں بھی کیا۔

(۲۲۰) شہادت حسینؑ کا اثر جانوروں پر

روز عاشورہ میدان کربلا میں شیر کا آنا اور حفاظت نعش امام حسینؑ کرنا۔ (بحار الانوار) اور ایک کوئے کا مدینہ پہنچ کر خبر شہادت سنانا (تاریخ التواریخ) اور ایک کوئے کا قصر الامارہ شام میں خبر شہادت امام حسینؑ سنانا۔

(نور العین ابو اسحاق اسفرائنی)

یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ شہادت ''ہابیل پسر حضرت آدمؑ'' پر شہادت امام حسینؑ کو اہمیت ہے جس کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے۔ امام حسینؑ کی سواری کے گھوڑے نے بعد شہادت حسینؑ چالیس اشقیاء کچل کر ماڈالے اور پیشانی خون حسینؑ سے رنگین کر کے خیام اہل حرم میں خبر پہنچائی ۔

(مناقب ابن شہر آشوب)

(۲۲۱) حسینؑ کی عریانی میں بھی فضیلت

بعد شہادت لباس امام کا لوٹ لیا گیا اور لاش برہنہ پامال سم اسپاں کی گئی اس وقت آپ کی پشت بر ہنہ پر سیاہ نشان پائے گئے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ مسکینوں کا والی حسینؑ شبہائے تاریک میں پشت پر کھانا لاد کر غربائے مدینہ کو پہونچایا کرتا تھا یہ اس کے نشان ہیں۔

(تذکرہ خواص الامتہ)

(۲۲۲) بے کفن کی تکفین

حسینؑ کی انتہائی مظلومی یہ ہے کہ زہیر ابن قین مقتول کربلا کے لئے ان کی بی بی نے غلام کو کفن دیکر بھیجا تا کہ ان کا والی شوہر بے کفن دفن نہ ہو وہ غلام حبشی جب نعش امام پر پہونچا تو برہنہ لاش دیکھ کر بجائے زہیر وہ کفن امام حسینؑ کو پہنا دیا۔

(تذکرہ خواص الامتہ)

(۲۲۳) ابن زیاد کی بے عزتی

سر حسینؑ زیر کرسی ابن زیاد طشت طلا میں ہے چھڑی سے لب و دندان حسینی سے بے ادبی کر رہا ہے۔ زید ابن ارقم صحابی سے ضبط نہ ہوا۔ کھڑے ہو گئے اور کہا ہٹا لے چھڑی انہیں لب و دندان حسینؑ کو رسول چوما کرتے تھے۔

(تذکرہ خواص الامتہ)

(۲۲۴) یزید کی کاہن پرستی

سر امام حسینؑ یزید کے سامنے رکھا ہوا ہے اس کے کاہن نے کہا اٹھا اے یزید اپنا پیر دشمن کے منہ پر رکھ یزید نے ایسا ہی کیا ابو ہرزہ اسلمی صحابی رسولؐ نے کہا کہ اے یزید میں نے رسولؐ کو اسی منہ پر منہ رکھتے دیکھا تھا۔ (تذکرہ خواص الامتہ)

(۲۲۵) ابن زیاد کی بربریت

سر امام حسینؑ جب دربار ابن زیاد میں لایا گیا تو اس نے حجام کو بلا کر سر امام سے یہ گستاخی کی کہ جا بجا سے گوشت چھلوایا اور حرام مغز نکلوایا۔

(تذکرہ خواص الامتہ)

(۲۲۶) ابن زیاد پر پھٹکار

سر امام حسینؑ جب دربار ابن زیاد میں لایا گیا اس نے مسجد کوفہ میں لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور کہا ''خدا کا شکر ہے جس نے (نعوذ باللہ) کذاب ابن کذاب کو قتل کیا اور اس کے شیعوں کو قتل کرایا یہ سنکر ''عبداللہ بن عفیف ازدی'' بیتاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کذاب ابن کذاب تو اور تیرا باپ ہے۔ اے ابن مرجانہ اولاد انبیاء کو قتل کرتا ہے اور فاسقوں کی طرح سے باتیں بناتا ہے۔ ابن زیاد نے عفیف کے قتل کا حکم دیا عفیف نے اپنے قبیلہ کو آواز دی سات سو نوجوان تلواریں کھینچ کر جمع ہو گئے اور ابن زیاد پر حملہ کر دیا۔

ابن سعد بھی وہاں سے کہتا ہوا (نکلا کوئی بھی میرے مانند نہ ہوگا میں نے فاسق کی اطاعت کی۔ ابن زیاد ظالم وفاجر کا لڑکا ہے میں نے حاکم عادل امام حسینؑ کی نافرمانی کی اور قرابت بزرگ کا کچھ خیال نہ کیا۔

لوگوں نے ابن زیاد سے اس طرح سے نفرت شروع کر دی جس گروہ کی طرف یہ گذرتا منہ پھیر

لیتے جب مسجد میں داخل ہوتا لوگ جاتے اور جو اس کو دیکھ لیتا گالیاں دیتا۔
ابن زیاد کی ماں مرجانہ نے کہا او خبیث تو نے فرزند رسول کو قتل کیا اب تو کبھی جنت کی شکل نہ دیکھے گا۔

(طبقات ابن سعد تذکرہ خواص الامۃ)

(۲۲۷) زمانہ کی نیرنگی

''عبید بن عمیر'' کہتے ہیں تعجب ہے اسی قصر کوفہ میں تین سال کے اندر پہلے سر امام حسینؑ ابن زیاد کے پاس آیا اب ابن زیاد کا سر اسی مقام پر مختارؒ کے سامنے رکھا گیا پھر اسی مقام پر مختار کا سر مصعب بن زبیر کے سامنے رکھا گیا پھر مصعب بن زبیر کا سر عبدالملک بن مروان کے سامنے دیکھا گیا۔

(تذکرہ خواص الامۃ)

(۲۲۸) یزید پر پھٹکار

ابو برزہ اسلمی صحابی رسولؐ نے سر امام سے گستاخی کرنے پر یزید کو ملامت کی۔ تمام درباری مصیبت حسینؑ پر روئے، مجاہد بہ قسم کہتے ہیں کہ کوئی ایسا نہ تھا جو یزید کو گالی نہ دیتا ہو اور عیب نہ نکالتا ہو، اور جس نے یزید کو ترک نہ کر دیا ہو۔ سفیر روم نے بھرے دربار میں یزید اور اس کے دین پر لعنت کی داؤدی سردار نے دربار میں یزید پر لعنت کی۔

(تذکرہ خواص الامۃ)

ہند زوجہ یزید نے لعنت کی۔ زنان یزید نے حسینؑ پر ماتم کیا۔ اصحاب و تابعین مدینہ نے ام المومنین ام سلمہؓ کے پاس پرسہ دیا۔ حسن بصری ربیع بن حشم، عبداللہ بن زبیر مظلومی حسینؑ پر روئے۔ اور یزید اور اس کے ساتھیوں پر لعنت کی۔ (تذکرہ خواص الامۃ) قلم قدرت نے دیوار پر ایک بیت لکھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ''امت رسولؐ حسینؑ کو قتل کرے اور نانا کی شفاعت کی امیدوار ہو۔

(ابوبکر بیہقی، ابن شہر آشوب)

(۲۲۹) سر حسینؑ سے ہدایت

لشکری نیزوں پر شہداء کے سر کوفہ سے شام لے جا رہے ہیں۔ ایک دیر راہب سے گذر ہوتا ہے۔ جب اس راہب کو علم ہوا ایک شب کے لئے اس نے دس ہزار دینار دے کر سر امام حاصل کیا اور پانی سے دھو کر اس سر پر نور میں خوشبو لگائی۔ رات بھر روتا رہا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوا۔ صبح کو

سر لشکریوں کو واپس دیا سب فوجی شام روانہ ہوئے قریب دمشق چاہا اس روپیہ کو باہم تقسیم کریں۔ تھیلی کھولی دیکھا سب دینار ٹھیکریاں ہیں اور اس پر لکھ دیا ہے۔ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ'' اور دوسرے رخ پر لکھا ہے ''وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ''۔

(سیرت ابن ہشام، تذکرہ خواص الامۃ)

(۲۳۰) رسولؐ زادی کو لونڈی بنانے کی خواہش

جب برہنہ اولاد رسولؐ دربار یزید میں داخل ہوئے تو ایک شامی نے فاطمہ بنت الحسینؑ کو کنیزی میں یزید سے مانگا اور خود اور اشراف قریش نے جناب ربابؑ زوجہ امام حسینؑ سے نکاح کی خواہش کی۔

(سیرت ابن ہشام، تذکرہ خواص الامۃ)

(۲۳۱) قید خانہ شام

یزید نے اہلبیت حسینؑ کو ایک سال تک تنگ و تاریک قید خانے میں قید رکھا سال بھر کے بعد مدینہ روانہ کیا۔ خلافت و بغاوت کا اگر الزام ہو سکتا تھا تو حسینؑ پر عورتوں اور بچوں کی اسیری اور شدائد قید کے ان بیکسوں کا کیا قصور تھا۔

(۲۳۲) حسینؑ پر گریہ ماتم

(۱) ابن عباس نے بروز عاشور رسولؐ خدا کو خاک آلود گریہ کناں خواب میں دیکھا۔
(۲) ام سلمہؓ نے رسول خداؐ کو اس طرح سے خواب میں دیکھا۔
(۳) عمار بن ابی عمار نے رسول خداؐ کو اسی طرح سے خواب میں دیکھا۔
(۴) امام زہری نے جناب ام سلمہؓ سے جنون کا نوحہ نقل کیا ہے۔
(۵) امام شعبی نے اہل کوفہ سے جنوں کا نوحہ نقل کیا ہے۔
(۶) ہشام بن محمد نے قاتلان امام حسینؑ نے سنا کہ ان کو غیبی آوازیں حسینؑ پر نوحہ کرنے کی سنائی دیں۔

(اکام المرجان تذکرہ خواص الامۃ)

(۷) شعرائے وقت نے مرثیے کہے۔ مثل عقبہ بن عمرو عیسیٰ، عبداللہ بن خیر، سلیمان بن قتہ تابعی،

ابن ہیاویہ شاعر، جناب ام کلثومؑ بنت علیؑ زینبؑ بنت عقیلؑ بن ابی طالبؑ، سعید بن العاص وغیرہ۔

(۸) ملائکہ روئے (کامل الزیارۃ)

(۹) انبیاء روئے (کامل الزیارۃ)

(وحش وطیور روئے (کامل الزیارۃ) خون شہدا جس قدر زمین کربلا پر بہا اس سے بدر جہا زائد آج تک سیل اشک جاری ہے۔

(۲۳۳) انقلابات بعد شہادت

(۱) جس ناقہ پر سرامام حسینؑ رکھ کر شام لایا گیا جب اس کو نحر کیا تو گوشت اس کا ایلوے سے زائد تلخ تھا۔

(۲) بعد شہادت حسینؑ دنیا تین روز تک تاریک رہی پھر آسمان پر سرخی نمودار ہوئی۔

(۳) دو یا تین مہینہ تک از صبح تا غروب آفتاب دیوار پر خون نظر آتا رہا۔

(۴) کوئی پتھر زمین سے اٹھایا جاتا تو خون تازہ ظاہر ہوتا تھا۔

(۵) آسمان سے خون برسا جس کپڑے پر گرا ایسا داغ ہوا جو بغیر کاٹے جدا نہ ہوا۔

(ابن سیرین، تذکرہ خواص الامۃ، تفسیر ثعلبی کامل الزیارۃ)

(۲۳۴) سر اقدس کی بے نشانی

نعش بے سر امام کی تیسرے روز دفن ہوگئی لیکن سر اقدس کا ٹھیک پتہ نہیں مورخین میں اختلاف ہے۔

(۱) سر اقدس مدینہ آیا وہاں سے کربلا میں لاکر دفن کیا۔

(۲) سر اقدس جنت البقیع میں قبر جناب سیدہؑ میں دفن ہوا۔

(۳) سر اقدس دارالامارہ شام میں دفن ہوا۔ تاریخ واقدی تاریخ بلاذری)

(۴) فرات کے کنارے مسجد رقہ میں دفن ہوا۔

(۵) خلفاء فاطمین نے سر اقدس باب الغراوس سے عسقلان منتقل کیا وہاں سے قاہرہ لاکر دفن کیا جو آج تک زیارت گاہ ہے۔

(۲۳۵) حسینؑ کو سفر کوفہ سے روکنے والوں کا اپنی غلطی پر اعتراف

(۱) عبداللہ بن زبیر امام حسینؑ کو سفر کوفہ سے روکتے تھے۔ لیکن بعد شہادت امام حسینؑ مجمع عام میں

خطبہ پڑھا اس میں صاف اعتراف کیا۔

حسینؑ نے یزید فاجر وملعون اور ابن زیاد ملعون کے ہاتھ پر ہاتھ بیعت کے لئے نہیں دیا اور بہترین موت کو رذیل ترین زندگی پر ترجیح دی۔ خدا حسینؑ پر رحمت نازل کرے اور قاتل کو ذلیل ورسوا کرے اور لعنت کرے قتل کے حکم دینے والے پر اور قتل کے راضی ہونے والے پر۔

(تذکرہ خواص الامۃ)

(۲) سفر عراق سے روکنے والوں میں ابن عباس بھی تھے بعد شہادت حسینؑ یزید نے ابن عباس کو خط لکھا جس کا جواب ابن عباس نے دیا اور شہادت حسینؑ کو حق بجانب قرار دیا جس کا اقتباس یہ ہے'' اے یزید تو نے حسینؑ کو حرم خدا وحرم رسولؐ سے زبردستی نکالا اور ابن مرجانہ کو قتل حسینؑ کے لئے حکمنامہ لکھا۔

تو جلد بھول گیا اس بات کو کہ اپنے دوستوں کو قتل حسینؑ کے لئے حرم الٰہی وخانہ کعبہ میں تو نے بھیجا حسینؑ خوف شہادت سے عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ مجھکو یقین ہے خدا تم پر جلد ویسا عذاب نازل کرے جیسا کہ قوم عاد و ثمود پر اور قوم لوط پر نازل کیا تھا۔

(تاریخ واقدی، سیرۃ ابن ہشام، تذکرۃ خواص الامۃ)

(۲۳۶) قاتلان حسینؑ پر خدائی مار

(۱) امام زہری ''ناقل ہیں کہ قاتلان امام حسینؑ میں کوئی نہیں بچا جس پر دنیا ہی میں عذاب نہ نازل ہوا ہو کوئی مارا گیا کوئی اندھا ہوا۔ کسی کا چہرہ سیاہ ہوگیا۔ کسی کی ساری دولت چند روز میں ضائع ہوگئی

(تذکرہ خواص الامۃ)

(۲) ''ابن رماح'' نے کوفہ میں ایک اندھے کو دیکھا جس نے خواب میں رسولؐ خدا کو نفرین کرتے سنا اس لئے کہ اس نے کربلا کے مصائب دیکھے تھے۔ امامؑ کی مدد نہ کی۔ رسولؐ خدا نے اس کی آنکھ میں خون لگایا صبح جب اٹھا تو اندھا تھا۔

(تاریخ واقدی)

(۳) حرملہ بن کامل اسدی'' خوشرو جوان تھا واقعہ کربلا کے بعد میں مشکل ہوگئی چہرہ سیاہ ہو گیا۔ (تذکرہ خواص الامۃ)

(۴) ''سدی ناقل ہیں کہ ایک شخص شریک قتل امام تھا شب کو چراغ روشن کرنے کھڑا ہوا انگلیاں جلیں انگلیوں سے جسم میں آگ لگی جل کر مر گیا۔ (تذکرہ خواص الامۃ)

(۵) سلیمان بن صرد خزاعی ''اور مختار بن ابوعبیدہ ثقفی'' نے ہزاروں کوفی اور شامی قتل کر دیئے اور سخت ترین عذاب وتکالیف سے دوچار ہوا اور حسینی پیشینگوئیاں سب پوری ہوئیں۔

(۶) اسحاق بن جویہ حضرمی'' نے بعد شہادت امام حسینؑ کرتا اتار کر پہن لیا تھا تمام جسم کے بال گر گئے اور مبروص ہو گیا۔

(مناقب ابن شہر آشوب)

(۷) انحر بن کعب تمیمی'' نے زیر جامہ حسین کا لوٹا تھا وہ مشلول وزمین گیر ہو گیا۔ لہوف سید ابن طاؤس (اور تاریخ طبری میں ہے جاڑوں میں دونوں ہاتھوں سے اس کے پانی بہتا تھا اور گرمی میں لکڑی کی طرح دونوں ہاتھ خشک ہو جاتے تھے۔

(۸) اخفی بن جرتد'' نے امامؑ کا عمامہ لیا تھا مخبوط ہو گیا (لہوف) بجدل بن سلیم نے انگلی کاٹ کر انگوٹھی امامؑ کی لی تھی مختار نے اس کے دست و پا کاٹے۔ (لہوف)

(۹) عمر بن سعد نے امام کی زرہ لی تھی مختار نے اس کے قتل کے بعد وہ زرہ قاتل کو دیدی (لہوف)

(۱۰) امام کے خیموں سے ''ورس'' (ایک رنگین گھانس) لوٹی گئی۔ جس عورت نے اس کا استعمال کیا مبروص ہو گئی۔

(مناقب ابن شہر آشوب)

(۱۱) جس اونٹ پر ورس لدا ہوا تھا امام حسینؑ کی ملک وہ ورس خاک ہو گیا اور جب اونٹ نحر ہوا تو گوشت اس کا تلخ تھا۔

(۱۲) ایک شقی کربلا سے آیا جو امام کی شان میں گستاخی کرتا تھا اندھا ہو گیا

(دار قطنی، مناقب ابن شہر آشوب)

(۱۳) ابوعبداللہ دفعانی ناقل ہیں کہ ایک شب لوگ باہم ذکر کر رہے تھے کہ قاتلان امام حسینؑ میں سے ایک بھی نہ بچا جو کسی نہ کسی بلا میں مبتلا نہ ہوا، ان میں سے ایک بولا میں بھی انہیں میں ہوں مجھکو تو کچھ بھی نہ ہوا یہ کہہ کر چراغ کی بتی درست کرنے اٹھا ہاتھ میں آگ لگی اور تمام جسم کو گھیر لیا فرات

میں اس نے اپنے کو گرا دیا آگ پانی پر ٹھہری رہی جب سر پانی سے نکالتا آگ اس کے لپٹتی یہاں تک کہ ہلاک ہو گیا۔

(مناقب ابن شہر آشوب، امالی ابن بابویہ)

(۱۴) بنی جہم میں سے ایک شخص حضرت کو برا کہتا تھا دونوں آنکھیں اس کی اندھی ہو گئیں۔

(مناقب المناقب)

(۱۵) ''سدی'' ناقل ہیں ایک شخص کے جسم سے قیر کی بو آتی تھی اس نے کہا میں لشکر عمر سعد میں لوہے کی میخیں بنا کر دیتا تھا جس کا یہ اثر ہے۔ (امالی شیخ)

(۱۶) جن لوگوں نے نعش امام پامال کی تھی مختار نے ان کے دست و پا میں میخیں ٹھوک کر گھوڑے دوڑا دیئے اور بعد میں آگ میں جلا دیا۔ (تاریخ طبری)

(۱۷) خولی ابن یزید اصبحی کو مختار نے قتل کر کے آگ میں جلا دیا۔

(تاریخ طبری)

(۱۸) جناب عبدالرحمن بن عقیل شہید کربلا کے قاتلوں کی گردن زدنی مختار نے کی اور آگ میں جلایا۔

(تاریخ طبری)

(۱۹) حکیم بن طفیل'' قاتل جناب عباس کو مختار کے ساتھیوں نے تیر مار کر قتل کیا۔

(تاریخ طبری)

(۲۰) مرہ بن منقد'' قاتل جناب علی اکبرؑ ابن کامل'' کی تلوار سے قتل کرنا چاہا وہ بھاگ گیا لیکن دونوں ہاتھ شل ہو گئے۔ طبری

(۲۱) ''اخنس'' بن زید جس نے نعش امام کو پامال کیا تھا جل کر مرا (مدینۃ المعاجز)

(۲۲) قاتلان امام سے ایک شقی کو مختار کے حکم سے کتوں سے نچوا کر دست و پا کٹوائے گئے۔

(مدینۃ المعاجز)

(۲۳) طارق حجاج جس نے بحکم ابن زیاد سر امام سے گوشت کاٹا تھا دونوں ہاتوں میں مرض آکلہ ہوا اور ہاتھ کاٹے گئے۔ (مدینۃ المعاجز)

(۲۳۷) امام حسینؑ زندہ ہیں

(۱) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا حسینؑ اپنے رونے والوں کو دیکھتے اور خدا سے ان کے حق میں استغفار کرتے ہیں۔

(امالی ابن بابویہ، کامل الزیارۃ)

(۲) امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ میں اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ صحرا میں گیا ایک پیر مرد تھے امام زین العابدینؑ نے جھک کر سلام کیا دیر تک کچھ باتیں ہوئیں پھر وہ بزرگ تشریف لے گئے۔ دریافت پر فرمایا کہ وہ میرے جد بزرگوار امام حسینؑ تھے۔

(خرائج راوندی)

(۳) سر اقدس راہ کوفہ میں تلاوت سورہ کہف کرتا۔

(مناقب ابن شہر آشوب، ارشاد شیخ)

(۴) سر اقدس شام میں شاخ درخت سے آویزاں تلاوت آیۃ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلِبٍ يَنْقَلِبُونَ" فرماتا ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

(۵) راہ شام میں لوگوں نے سر اقدس کو کہتے سنا لا حول ولا قوۃ الا باللہ"۔

(مناقب شہر آشوب)

(۶) خولی کے گھر میں تمام شب آیۃ "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا" کی تلاوت کی۔

اگر عیسیٰ ابن مریم سولی پا کر تیسرے روز دفن سے زندہ ہو سکتے ہیں اور مریم مکدایہ کو دکھائی دے سکتے ہیں تو حسینؑ ابن علیؑ کے مذکورہ واقعات بہت سے مشاہدہ کرنے والوں کو بھی جھٹلائے نہیں جا سکتے۔ علاوہ ازیں ۱۸۸۲ء کی ریسرچ سوسائٹی" کی تحقیقات کو پڑھو انسائکلو پیڈیا ایڈیشن (جلد ۲۲ صفحہ ۵۴۱ سے اس کے مندرجہ واقعات کو پڑھو اس وقت پتہ چلے گا کہ تحقیق جدید بھی ایسے واقعات کی تصدیق کرتی ہے۔

(۲۳۸) حسینؑ کی نورانیت

خولی ابن یزید اصبحی نے سر امام کھانے کے ایک ظرف میں رکھ دیا تھا، رات بھر اس سے نور بلند رہا۔

(تاریخ بلاذری، تاریخ طبری)

راہ کوفہ میں لوگوں نے سر اقدس سے نور نکلتے دیکھا۔ راہب نے اپنے صومعہ سے نور نکلتے دیکھا۔"

موجودہ زمانے میں اسپتالوں میں ایسے مریض پائے گئے ہیں جن کے منہ اور سینہ سے الکٹری سٹی کی روشنی نکلتی تھی جس کا فوٹو نہیں لیا جا سکا اور سائنس دان متحیر ہے" سائنس ان ہی عقدوں کو حل کرتی ہے جن کے مبادی طے کر چکی ہو اور جو ابھی اسرار غیر منکشفہ ہیں، وہاں سائنس گنگ ہے اور ایسے خلاف فطرت مظاہرے خاص مخلوق کے نہیں جھٹلائے جا سکتے جنکی خلقت بھی خلاف فطرت ہوئی ہو۔ اور ہر طرح سے اعلیٰ خلقت کا ہوں اور انسانی کامل و اشرف المخلوقات ہوں۔

فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ

(سرفراز لکھنؤ، جلد ۱۳ رشمارہ ۱ رکیم محرم الحرام ۱۳۵۶ھ (محرم نمبر) مطابق ۱۵ رمارچ ۱۹۳۷ء)

حسینی کارنامے کے خصوصیات

حسینی مشن موجودہ زمانے میں کس قدر ضروری ہے

اور نوع انسانی کی موجودہ مشکلات میں حسینی تعلیم سے کیا عقدہ کشائی ہوتی ہے؟

سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

دنیا میں حق کے راستے پر بہت سی قربانیاں پیش ہوئی ہیں۔ ظلم کی آگ میں ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانی جانیں جل کر خاک ہوئیں۔ اور زمین کا تختہ اکثر بے گناہوں کے خون سے رنگین ہوا ہے مگر انسانی تاریخ میں حسینی کارنامے کو جو خصوصیات حاصل ہیں وہ دنیا کے پردے پر کسی دوسرے واقعہ کو حاصل نہیں، کیوں؟ قربانیاں زیادہ تر انفرادی رہی ہیں جیسے سقراط کا جام زہر پی لینا۔ یسوع مسیح کا بقول نصاریٰ صلیب پر چڑھا دیا جانا اور بہت سے انبیاء و مرسلینؑ کا قتل ہو جانا۔ مگر کربلا کا واقعہ انفرادی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہاں ایک رہنما تھا جو قطب کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کے گرد ایک جماعت تھی جو کرہ کی طرح گردش کر رہی تھی پھر اس جماعت میں جوان، بوڑھے، بچے ہر طبقے کے لوگ تھے ان میں آزاد غلام، عربی غیر عربی، قریش غیر قریش ہر قبیلہ اور ہر نسل کے آدمی تھے جن میں مشترک نقطہ سوائے ایک اتحاد مقصد کے کچھ نہ تھا ان میں سے ہر ایک رہنما کی ہستی اور اس کے مسلک پر اپنے کو قربان کر رہا تھا اور رہنما ان میں ہر ایک کی مصیبت کو برداشت کر کے اپنے کو سخت ترین موقع کی آزمائش کے لئے تیار کر رہا تھا وہ سخت موقع وہ تھا جب آس پاس کوئی نہ رہا تھا اور

صرف ایک اکیلے حسینؑ کی ذات تھی مگر اب بھی اس اکیلے انسان کے عزم و ارادہ میں وہی جلال اور استحکام تھا جو مددگاروں کے موجود ہونے کے عالم میں موجود تھا۔ چراغ بجھ گیا مگر اپنی روشنی چھوڑ گیا وہ روشنی جو ہزاروں تاریکیوں کے پردے میں اب تک جگمگا رہی ہے۔

ظلم کی آگ نے لاکھوں بستیاں ویران کر دیں مگر مظلومیت میں کبھی شعور اقتدار، اختیار اور فرائض کی انجام دہی میں اطمینانی سکون و وقار کا یہ مظاہرہ نظر نہیں آیا جو کربلا کے میدان میں نظر آیا تھا۔ بات آسان تھی، یزید کی بیعت، مگر وہ اتنی دشوار تھی کہ ایک جان نہیں بلکہ پوری جماعت اور کنبہ بھر کی جان اور آبرو کا چلا جانا اس کے مقابلہ میں آسان سمجھا جا رہا تھا۔ دشمن کی گولہ باری آج بھی ہزاروں شہر تہس نہس اور ویران کر دیتی ہے مگر ان سب لوگوں میں جن کی جانیں چلی جاتی ہیں ہر ایک کا ضمیر اس مصیبت کی برداشت پر مستحکم نہیں ہوتا، نہ وہ اختیاری طور پر اس کو گوارا کرتا ہے۔ ان میں سے بہت سوں کا بس چلے تو جس قیمت پر بھی ہو اپنے کو اس مصیبت سے بچا لیں مگر اس جماعت کو کیا کہا جا سکتا ہے جس میں سے ہر ایک موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسلک کی حقانیت پر یقین کر کے خوشی خوشی آگے بڑھ رہا تھا۔ ایسی جماعت جن میں سے کسی ایک پر بھی عمل میں کمزوری کا دھبا نہیں آیا۔ ایسی جماعت کربلا کے سوا کبھی یکجا نہیں ہوئی۔ غداری اور مخالفانہ سرگرمی کو جانے دو۔ نیک نیتی اور خلوص کا اختلاف جماعت میں نظر آنا تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے مگر اس کے بھی نتائج عمل و ہم آہنگی اور نتیجہ کے استحکام پر جتنا اثر ڈالتے ہیں اسے کسی بڑے مقصد کے زعیم و قائد ہی کے دل سے پوچھا جا سکتا ہے۔

دنیا میں کوئی چھوٹی سی چھوٹی جماعت ایسے اہم اقدام کے موقع پر جو کربلا والوں نے کیا اتنی ہم آہنگ نہیں رہی جتنے کربلا کے وہ مجاہدین تھے۔ وہاں اختلاف خیال کا وہم و گمان ناممکن تھا بلکہ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ پوری جماعت نے اپنے تصور، خیال، ارادہ عزم اور اقدام کو مستغرق کر دیا ہے ایک انسان کے خیال، ارادہ اور عزم میں ایسے قائد اور ایسی جماعت کی مثال دنیا کے پردہ پر نظر

نہیں آتی۔ کربلا کے میدان میں صنف اناث نے اپنے فرائض کے حدود میں مردوں کے ساتھ جتنا نمایاں اور منظم حصہ لیا ہے وہ بھی کربلا کے واقعہ کے خصوصیات میں سے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شہادت حسینؑ کے مقصد کی تکمیل کردی اہل حرم نے جنہیں حسینؑ اسی وقت کے لئے اپنے ساتھ لائے تھے۔ حسینؑ اوران کے ساتھیوں کی اس خاموشی کو جوموت کے ہاتھوں چھا گئی تھی ان اہل حرم نے اپنی قید اور اسیری کے عالم کی تبلیغ سے ایک وسیع اور ہمہ گیر اعلان واشاعت کی شکل میں منتقل کردیا جو حسینؑ بن علیؑ کے مقصد کی تکمیل اور یزید کی شکست پر آخری مہر تھی۔

واقعہ کربلا میں بوڑھے، جوان، بچے اور عورتیں سب ایک حفاظت حق کی مشین میں پرزوں کی طرح متحرک تھے جن میں سے کوئی ایک بھی اپنے فرائض میں کوتاہی کا مرتکب نہ تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے محل پر اپنا کام احساس فرض کی تحریک سے انجام دیا ورنہ حسینؑ تو عصر عاشور شہید ہو چکے تھے اور ان کے ساتھ والا بھی کوئی موجود نہ رہا تھا۔

اب کون تھا جو پسماندہ بیکس اور بے بس خواتین کو اسی راستے پر گامزن بناتا جو امامؑ کے پیش نظر تھا۔ کچھ نہیں وہی احساس فرض جو مردوں میں قائم تھا وہی جوانوں اور بچوں میں تھا اور وہی اب عورتوں میں کارفرما تھا۔

یہ فرض شناسی، خلوص عمل اور ہم آہنگی جس جماعت میں پیدا ہو جائے وہی میدان مقصد میں کامیاب نظر آئے اور یہی جنس وہ ہے جو دنیا میں ہمیشہ کمیاب رہی اور آج بھی کمیاب ہے بلکہ نایاب ہے۔ کربلا کا واقعہ صرف ایک دردانگیز حادثہ نہیں ہے بلکہ وہاں فرض شناسی اور اخلاقی تعلیمات کے وہ گراں بہا نمونے ہیں جو اگر کسی بڑے اطمینان اور سکون کے وقت پر ہوتے تب بھی قدر کے قابل ہوتے چہ جائیکہ وہ ایسے پر اضطراب عالم اور ماحول میں تھے جبکہ عام انسانوں کے ہوش بجا نہیں رہ سکتے۔ کربلا کا واقعہ اس حیثیت سے بھی بے نظیر ہے کہ سب سے پہلے اس نے جبروت وتشدد کے مقابلہ میں بے کسی اور بے بسی کی جنگ کا نمونہ پیش کیا۔ طاقت کا مقابلہ طاقت سے تو ہمیشہ ہوتا رہا مگر

طاقت کا مقابلہ کردار سے پہلے پہل کربلا کے میدان میں کیا گیا۔

یہی مقابلہ کی نوعیت وہ تھی جسے ایک ناقص درجہ پر ہندوستان کی نجات کے لئے اختیار کیا گیا۔ مگر باوجود یکہ یہاں مقابل کے ظلم وتشدد کا درجہ اتنا سنگین نہ تھا جو انسانوں کی بیش قیمت جانوں تک پہنچتا پھر بھی افراد میں وہ ہمرنگی وہم آہنگی نظر نہ آسکی جو اس قسم کے مقابلہ کی کامیابی کا اصل راز ہے۔

اس کے ساتھ واقعہ کربلا میں یہ خاص خصوصیت رہ گئی کہ وہاں طاقت کے مقابلہ میں بیکسی اور بے بسی کے ساتھ وہ ''سپردگی'' نہ تھی جو ظالم کی ہمت افزائی کی باعث ہوسکتی ہے بلکہ وہاں حفاظت خوداختیاری کے اس فطری آئین پر پورا عمل کیا گیا جو اسلام کا بنیادی قانون ہے۔ اس لئے واقعہ کربلا میں ایک ایسی نوعیت پیدا ہوگئی ہے جسے دنیا آج تک نہ دہرا سکی ہے، نہ دہرائے جانے کی آئندہ امید ہے۔

کمزور افراد فنا کے گھاٹ اترتے ہیں تو سچ مچ اس زندگی کے اعتبار سے فنا ہی ہوجاتے ہیں بہت سی قومیں جن میں قوت مدافعت نہ تھی۔ ختم ہوئیں اور ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئیں۔ آج بھی قوموں کا مٹنا اور آبادیوں کا تہس نہس ہونا آنکھوں کے سامنے ہے۔

مگر کربلا والوں نے جس آن بان اور عزم وثبات کی شان کے ساتھ عزت دارانہ طریقہ پر جان دی اس نے ان کی موت کو حیات بنا دیا اور حیات بھی لازوال جو رہتی دنیا تک قائم ہے اور یہ خود ایک مستقل ثبوت ہے اس کا کہ تاریخ عالم میں کوئی مثال ان کے بعد ان سے بڑھ کر تو کیا ان کے لگ بھگ اور قریب بھی نہیں نظر آئی ورنہ ہمیشہ حال کا نقش ماضی کو فراموش بنا دیتا اور اثر کو ختم کردیتا ہے۔ ماضی کی یاد کا اس شدت کے ساتھ قائم رہنا کہ حال کا کوئی نقشہ اس نقش کو مٹا نہ سکے اس کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی نظیر تاریخ عالم کے واقعات میں ناپید ہے۔

آج جبکہ دنیا مادہ کی دلدادہ ہو رہی ہے اور مادی اغراض کے لئے ظلم وتشدد کا سیلاب پوری قوت کے ساتھ بڑھ رہا ہے تو ضرورت ہے کہ کمزور اقوام میں وہ عزم، وہ ثبات، وہ استقلال پیدا ہو جس سے اس ظلم وتشدد کے مقابلہ میں ایک آہنی دیوار کھڑی ہو سکے اس کے ساتھ افراد اور جماعتوں میں ہم آہنگی پیدا ہو۔ پرخلوص کوشش اور پرعزم اقدام یہی مقصد میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔ دنیا ظلم کے بوجھ سے کراہ رہی ہے۔ حسینیت کا پیغام کمزوروں کے دل کا سہارا ہے۔ نیت بخیر ہو، مقصد میں حقانیت ہو، ارادہ میں استحکام ہو، قربانی کا پرخلوص جذبہ ہو، پھر دیکھیں کون نمرود، فرعون، یزید، ہلاکو یا ہٹلر اس روح کو مفتوح کر سکتا ہے جو حقانیت کی فضا میں پرواز کر رہی ہے۔ جسم تلواروں سے ٹکڑے بھی ہو سکتے ہیں اور گولیوں سے جل کر خاک بھی بن سکتے ہیں مگر اصول اور مقصد فنا نہیں ہوگا اگر صحیح وقت پر صحیح جذبہ کے ماتحت منظم طریقہ پر قربانی عمل میں آ گئی ہو۔

حسینؑ کا سا اقدام عمل، عام انسانی سطح سے بالاتر ہے اس لئے اس کی توقع کرنا فضول ہے مگر حسینی ثبات واستقلال اور عزم وارادہ کی روشنی میں امکانی حد تک قدم آگے بڑھانا ہی دنیا کے موجودہ مشکلات کا، جب کہ کمزور اقوام پر زبردست جماعتیں چھاپہ مار رہی ہیں، واحد علاج اور صحیح حل ہے۔ اٹھیے اور اس وقت جبکہ حسینی کارنامہ کو تیرہ سو برس پورے ہو رہے ہیں تمام دنیا کو حسینیت کا پیغام پہنچائیے۔ اسی پیغام میں زندگی کا راز مضمر ہے اور موت کے ہولناک سناٹے میں وہ نوید حیات بخشتا ہے۔

ہاں یہی وقت ہے کہ توپوں کی گھن گرج کی آواز اور گولیوں کے دھماکوں کی ہولناک صدا میں مظلوم اقوام تک حسینؑ کا نام اور کام پہنچا دو۔ ان کے بیٹھے ہوئے حوصلے بلند ہو جائیں گے، ڈوبتی ہوئی نبضیں ابھر آئیں گی اور اکھڑی ہوئی سانسیں ٹھہر جائیں گی۔ کچھ نہیں کر سکتے ہو تو نوع انسان کی یہی خدمت انجام دو۔ دل کی طاقت سے بازوؤں میں بھی سکت ہوتی ہے اور ہواؤں کا رخ بدل جاتا ہے۔ والسلام

علی نقی النقوی عفی عنہ

۲۷ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

[ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ، محرم نمبر ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء ص، ۹]

❀❀❀

ہندوستان کے مغل بادشاہوں کی عزاداری

مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، پاکستان

عزائے حسین کا ایک طریقہ تو وہ تھا جو آل محمدؐ کے گھر سے شروع ہوا اور وہی مرثیہ خوانی، نوحہ وماتم سارے حسینیوں میں رائج ہوئی۔ ایک دوسرا طریقہ ہندوستان کا رائج کردہ ہے اس میں بہت سی چیزیں بعض عقیدت مندوں کی یادگاریں ہیں جو مصر وعراق وایران سے یہاں آئے۔ ہندوستان کے مغل بادشاہوں کا سلسلہ ان کے جد اعلیٰ امیر تیمور پر ختم ہوتا ہے یہی امیر تیمور ''تعزیہ'' کا موجد مانا جاتا ہے۔

امیر تیمور دنیا کے سلاطین میں واقعی ''شہنشاہ اعظم'' تھا۔ اس کی تلوار یورپ اور دیوار چین تک چمکی۔ اگر اس کی موت اسے شکست نہ دے دیتی تو چین اس کا پائیں باغ ہوتا۔ تیمور کے اجداد لٹیرے ہوں گے لیکن وہ خود امیروں کے گھر میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں چنگیز خاں کے اولاد میں سے تھی۔ اور باپ ''امیر طراغا'' امیر الامراء تھا۔ باپ کی طرح بیٹا بھی مسلمان تھا اور صوفیاء سے زیادہ ائمہ کا معتقد تھا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے امام علی رضا علیہ السلام کی آستان بوسی کی تھی۔

امیر تیمور ۱۷ رمضان ۷۳۶ھ یوم چہار شنبہ تخت نشین ہوا اور بلخ کی جامع مسجد میں ۱۴ رمضان

کواس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔اس وقت تیمور کی عمر ۳۵ برس کی تھی۔اس نے باقاعدہ توسیع ملک کا پروگرام بنایا۔فتح عراق کے بعد وہ سال میں کم از کم ایک مرتبہ زیارت روضہ سید الشہداءؑ کو ضرور جاتا تھا۔اس خاص عقیدت کا سبب خود اس نے ''تزک تیموری'' میں لکھا ہے جسے شہزادہ مرزا حیدر شکوہ تیموری نے نظم کیا ہے:۔

چو تیمور وقیصر بمیدان جنگ
صف آراستہ ہر دو سو بید رنگ
کہ ناگاہ سادات ذوالاحترام
بشارت کناں باشکوہ تمام
رسیدند از کربلا ونجف
چو فوج ملائک کشیدند صف
یکے زاں علم داشت بہر امیر
مسمیٰ بہ ''بیضا'' چو مہر منیر
بگفت اے تمرخاں بگیرایں لوا
کہ آوردم ازحکم خیبر کشا
تصرف نہ اہل قلم کردہ اند
کہ صاحبقراں خود رقم کردہ اند
برزم آں علم سرچو طوبیٰ کشید
بہ پرچم نسیم ظفر، می وزید

(مثنوی شوکت حیدری)

موصوف ہی 'علم حیدری' میں لکھتے ہیں کہ جب دمشق پر حملہ کیا اور دمشق کے کوچہ و بازار دیکھے تو

محبت حسینیؑ جوش پر آئی اور قصاص خون حسینؑ کی نیت سے قتل عام کا حکم دے دیا غرض کثرت مشاغل کی وجہ سے کچھ دنوں تک زیارت کے لئے حاضر دربار سید الشہداءؑ نہ ہوسکا تو دو تربتیں حسینؑ کے نام سے بنوائیں اور ان کی زیارت سے سکون حاصل کرنے لگا۔ (تعزیہ حسینؑ)

شہزادے صاحب کہتے ہیں کہ تیمور نے 'تزک' میں یہ دونوں واقعے لکھے ہیں لیکن اس کے مترجم افضل بخاری نے جہاں اور بہت سے تغیرات کئے وہاں یہ چیزیں بھی تحریف سے نہ بچیں اس روایت کے بارے میں اس سند کے علاوہ موصوف اپنے بزرگوں کی توثیق بھی بیان کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ 'آگرہ' میں اب تک تیمور کا تعزیہ رہتا ہے اور قلعہ سے اٹھتا ہے۔اسی طرح تربت امام حسینؑ وامام حسنؑ کے نام سے لکڑی کے ایک چوخانے میں کچھ خاک شفا تربت کے نام سے 'لاہور' کی جامع مسجد کے تبرکات میں جسے تیمور ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے محفوظ ہے۔

ہندوستان میں تیموری بادشاہوں میں 'ہمایوں' بابر کی طرح کھلم کھلا شیعہ تھا اس لئے یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں نے عزائے حسینؑ سے کافی دلچسپی لی ہوگی۔افسوس ہے کہ تفصیلات ہمیں معلوم نہ ہوسکے۔ہمایوں کے بعد ہندوستان میں مستقل طور پر مغل راج شروع ہوا۔یہاں دو تین سو برس سے ایک خاص قسم کی اسلامی حکومت تھی۔صوفیاء علماء اور تمام مسلمان اہل سنت تھے۔یہ عالم تھا کہ فیروز شاہ جس طرح ہندوؤں کے معابد کے انہدام کو اپنے لئے باعث فخر جانتا تھا اسی طرح شیعہ مذہب ان کے کتب خانوں اور علماء کے تباہ وقتل پر بھی فخر کرتا تھا۔اسی طرح مجدد الف وغیرہ تھے چنانچہ اکبر کی پرورش اور تعلیم مخدوم الملک، صدر الاسلام اور شیخ عبدالغنی جیسے متعصب علماء کے ہاتھوں ہوئی، جب ہوش سنبھالا ہندوؤں کی آمیزش نے اسے ہندو رکھا نہ مسلمان۔، اکبر کے بعد جہانگیر خود تو باپ کی طرح آزاد تھا لیکن نور جہاں تمام مراسم انجام دیتی رہتی اور جہانگیر اس قدر متاثر تھا کہ آخر جز وکل کا اختیار نور جہاں ہی کو تھا۔

چنانچہ شیخ احمد سرہندی نے جہانگیر پر قبضہ حاصل کیا اور شیعہ علماء میں قاضی نور اللہ شوستریؒ شہید

کئے گئے۔شاہجہاں کے دور میں بھی اسی طرح حالات باقی رہے۔عالمگیر پھر مذہبی آدمی نکلا۔اس زمانے میں شیعوں پر سختیاں بہت ہوئیں۔وہ اپنے ظاہر و باطن کی دورنگی کی وجہ سے اور کردار کی یک جہتی نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہو کر ایک مرتبہ عزاء پر پابندیاں لگاتا ہے۔اور پھر یہ بھی لکھتا ہے (وصیت نامہ) میری پہلی وصیت یہ ہے ''این عاصی غرق معاصی رانحیف وتقریش تربت مطہر ہ مقدسہ حسینیہ علیہ السلام نمائندکہ مفرقان بحارعصیاں رابغیر ازالتجابہ آں درگاہ مرحمت وغفران پناہ نیست،ومصالح ایں سعادت عظمیٰ نزدفرزند ارجمند بادشاہ زادہ عالی جاہ ہست،بگیرید''یعنی قبر میں خاک شفا بھی رکھی جائے اس لئے کہ گنہگاروں کی بخشش بغیر اس درگاہ سے توسل کے نہیں ہوسکتی۔اور اس سعادت عظمیٰ کی مصلحت عالی جاہ محمد معظم شاہ بہادر کے پاس ہے ان سے لے لیا جائے۔

عالمگیر کے بعد بہادر شاہ اول نے اپنی شیعت کا اعلان کیا،علامہ شبلی لکھتے ہیں ''نعمت خاں عالی نے وقائع نعمت خاں عالی میں سرتاپا عالمگیر کی ہجو لکھی،لیکن عالمگیر کے جانشین بہادر شاہ نے شیعیت کی مناسبت سے نعمت خان کو دانشمند کا خطاب دیا اور وقائع نعمت خان درس میں داخل ہوگئی۔

قلعہ کے امام باڑے کی تصویر میں نے دیکھی ہے جس میں ایک چھوٹی سی شہ نشین ہے جس میں آگے دو بڑے بڑے علم لگے ہوئے ہیں۔بیچ میں ایک جالی دار ترنبتی ضریح دکھائی دیتی ہے۔امام باڑے کے آگے ایک شامیانہ لگا ہے۔منشی فیض الدین قلعہ میں جاتے آتے تھے اور موثق ومعتمد لوگوں سے قطع نظر خود شاہزادہ مرزا محمد سلیمان شاہ نے ان کی تصدیق بھی کی ہے۔وہ اپنی کتاب ''بزم آخر''میں لکھتے ہیں:۔

''ولی عالم رائے عباسی،سیرت المتاخرین،تاریخ اسلام احسان اللہ،روابط ادبی ہند وایران، فتوحات فیروز شاہی''ص ۶۳ وقائع عالمگیری ص ۴۔۶۴ رانہوں نے خطبے میں ائمہ اثنا عشر کے نام داخل کئے تھے۔اور عوام کے ہنگامہ کی کوئی فکر نہ کی۔

''محرم کا چاند دکھائی دیا۔ماتم کے باجے بجنے لگے،سبیلیں رکھی گئیں،حسنؑ وحسینؑ کے فقیر بنے، سبز کپڑے پہنے گلے میں سبز کفنی جھولی ڈالی،جھولی میں الائچی دانے،سونف،خشخاش بھری،درگاہ میں جاکر سلام کیا،نیاز دی۔دس دن تک صبح کو کھانا،شام کو شربت فقیروں کو بانٹا۔

چھٹی تاریخ،آج بادشاہ لنگر میں کھینچیں گے۔دیکھو!چاندی کے دوپنچے بنے ہوئے،دو لکڑیوں پر لگے ہوئے لال،سبز کپڑے بندھے ہوئے۔ان کو شدّے کہتے ہیں،بادشاہ کے دونوں ہاتھوں میں ہے۔ایک چاندی کی زنجیر میں جکڑ کر دو چار قدم بادشاہ کو کھینچا۔اے لو!بادشاہ کے گلے میں ڈال دی دونوں شدے بدلے گئے۔

''ساتویں تاریخ ہوئی دیکھو ابرک کے کنول،ان میں شمعون روشن بانس کی کھپچیوں میں ٹٹیاں لال کاغذ سے منڈھی ہوئی،ان پر لال لال کنول،بیچ میں دغدغے روشن ہیں۔مہندی اور مالیدہ کے خوان بڑی بڑی طوغیں روشن ساتھ ساتھ میں آگے آگے تاشے،باجے،روشن چوکی والیاں پیچھے پیچھے بادشاہ اور بیگمات حبشنیاں،اور ترکنیاں خوجے وغیرہ سب چلے جاتے ہیں۔

لو!مہندی امام باڑے میں پہنچی۔آرائش سب کٹ گئی،مہندی،مالیدہ،طوغیں درگاہ میں چڑھا دیں۔

آٹھویں تاریخ ہوئی۔

''اے لو!بادشاہ حضرت عباسؑ کے سقہ بنے۔لال کھاروئے کی ایک لنگی بندھی ہوئی،شربت پلا رہے ہیں،اب شربت پلا چکے۔مالیدے پر نیاز دی،سب کو بٹوا دیا۔

آج دسویں تاریخ عشرہ کا دن ہے

''مٹی کے آبخورے لمبے گلے کے،بیچ میں سے پتلے،کورے کورے انکو کوزیاں کہتے ہیں،دودھ اور شربت ان میں بھرا گیا،لال لال کلاوے،ان کے گلوں میں باندھے،تازے تازے حلوے کے کونڈے بھر کر رکھے گئے،نذر ہوئی،دیکھو!چھوٹے چھوٹے بچے دوڑے چلے آتے ہیں۔''

وہ ظہر کا وقت ہوا،بادشاہ برآمد ہوئے۔موتی مسجد میں عاشورے کی نماز پڑھی،دیوان خاص

میں حاضری کی تیاری ہے۔ایک بڑا سا دسترخوان بچھا کر اس پر شیر مالیں چنی گئیں۔شیر مالوں پر کباب، پنیر، مولی کا ٹکڑا، پہلے آپ چکھا پھر ایک ایک شیر مال اور کباب وغیرہ پہلے ولی عہد پھر شہزادوں اور معززامیروں کو اپنے ہاتھ سے دیا، باقی سب بٹ گئیں۔

''اے لو! وہ جامع مسجد سے تبرکات پالکی میں رکھے ہوئے، آگے آگے سپاہیوں کے تمن باجا بجتا ہوا آئے۔ بادشاہ تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔تبرکات پالکی سے نکال کر چوکی پر رکھے گئے، حضرت محمد مصطفیٰؐ کا جبہ اور نعلین آنکھوں سے لگائیں، حضرت علیؑ کے ہاتھ کا قرآن شریف سر پر رکھا بوسہ دیا۔حضرت امام حسینؑ کی خاک شفا کو آنکھوں سے لگا دیا پھر حضرتؐ کے موئے مبارک کو گلاب اور خوشبو میں غسل دیا۔

''لو اب زنانہ ہوا، بیگمات آئیں، تبرکات کی زیارت کی، بادشاہ اور بیگمات محل میں داخل ہوئیں۔تبرکات اسی طرح پالکی میں باجے گاجے سے جامع مسجد گئے۔شام کو اسی طرح محل کی درگاہ کے تبرکات کی زیارت کی۔

''دیکھو گوٹا بٹ رہا ہے، بن ڈلیاں، آپس میں بٹ رہا ہے، اکثر سلاطین قلعہ میں تعزیہ داری کرتے تھے اور فقیر پیک بنتے تھے۔کوئی نشانچی، کوئی نقیب بنتا تھا، کوئی تاشا، کوئی ڈھول، کوئی جھانجھ تعزیوں کے آگے بجاتا تھا، کوئی مرثیے پڑھتا تھا۔

مرثیہ خواں کو درگاہ سے چار طشتریاں، پن چکنی ڈلیاں بھنے ہوئے خربوزے کے بیج اور دھنیے کی ملا کرتی تھیں۔بڑی دھوم دھام سے علم اٹھاتے تھے۔

بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار دہلی نے اپنے بھتیجے ''مرزا حیدر شکوہ'' کی معرفت لکھنؤ کی درگاہ حضرت عباسؑ میں علم بھیجا تھا، جو سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب قبلہ کے ہاتھوں بڑے تزک واحتشام اور شاہی جلوس کے ساتھ درگاہ میں چڑھایا گیا۔

بادشاہ کے اس اعلان شیعیت ومظاہرہ عقیدت سے دلی میں تہلکہ مچ گیا۔اور بادشاہ کو یہاں

تک مجبور کر دیا گیا کہ انہوں نے ان واقعات سے انکار کر دیا۔حکیم احسن اللہ خاں صہبائی نے غالبؔ سے ایک مثنوی کہلائی۔جس میں علم والے واقعہ کی تکذیب اور شیعوں کے عقائد پر طعن کیا گیا تھا۔مرزا حیدر شکوہ کو جھوٹا کہا گیا بلکہ اس معاملہ میں ریزیڈنٹ لکھنؤ کو کچھ ہدایات بھی ہوئے۔

شہزادے صاحب نے ایک رسالہ ''علم حیدری در عقائد تیموری'' لکھا جس میں بتلایا کہ تیمور سے اب تک تمام مغل بادشاہ شیعہ تھے اور تقیہ میں بسر کرتے تھے ہر ایک کے بارے میں شواہد پیش کئے اور بتایا کہ بہادر شاہ اول نے کھلم کھلا اعلان کیا اور ائمہ اثنا عشر کے نام داخل خطبہ کئے پھر ظفر کے تمام خطوط اور گفتگو بالتفصیل لکھی ہے۔مرزا حیدر شکوہ صاحب ہی نے ''کلمات طیبات'' کی رو میں ''شوکت حیدری'' لکھی جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جناب بہادر شہ نامدار
کہ ہم عم ماہست وہم شہریار
تخلص ظفر کنیش بوظفر
ظفر بے سپہ، دارد آں نامور
ازاں بادشہ تابہ صاحبقراں
پدر بر پدر ہست شاہ جہاں
بداد وہش کار فرمودہ اند
ہمہ شیعیان علیؑ بودہ اند
خصوصاً بہادر شہ نامدار
مسمیٰ ہمہ شاہ عالی تبار
زشمشیر زنگ تقیہ زدود
بگیتی رواج تشیع نمود

دل خرومازیں بیش تر
قوی بستہ بدبرتعصب کمر
خلاف بزرگان خودپانہاد
بدرگاہ ہم دست غارت کشاد
تبہ کردچوں تعزیہ خانہ را
تہی ساخت ازخیرکاشانہ را
ازاں روزجز نام وحرمت نماند
دراں سلطنت ہیچ عزت نماند
چناں کاراعظام موقوف شد
کہ ہم نذر حکام موقوف شد
رہ دیں چودریافت آں بادشاہ
طلب کردمارابصد عزوجاہ
زافتران وامثال عزت فزود
بالطاف شاہی تفقد نمود
مرابس کہ ازخویش ہم رازدید
زحضاربدکیش خلوت گزید
چومحفل تہی شدزہراہرمن
بفرمودازمن داراں انجمن
بہ تعبیر آں گشت چوں اہتمام
ہماں وقت بااعتقاد تمام

بآل محمدؐ تولا نمود
زاعدائے آنہا تبرانمود
بہ صد شکریہ آں علم ساختہ
زمانہ چو افربرداشتہ
فرستاد در لکھنؤ بادشاہ
پئے نذردرگاہ عرش اشتباہ
دگرشقہ خاص خیرکتاب
بنام جناب ہدایت مآب
بعلم وعمل مقتدائے انام
سمّی محمد علیہ السلام
بمامرحمت گشت و ازدست ما
رسیدہ بدرگاہ آں مقتدا
چودرلکھنؤ آمدم ازحضور
فریبی نمودم ازاصحاب زور
چناں طبع رامنحرف ساختند
کہ کردۂ خودرانہ پنداشتند
چوآں قوم بدکیش ناچارکرد
ز ارسال و اصدار انکار کرد
چوں توقیرشاہی غلط ساختند
بنام من ایں قرعہ انداختند

نہ انکار نصب علم کردہ اند
بنامم چو تابش رقم کردہ اند

اس جھگڑے نے بہت طول کھینچا۔طرفین سے برابر بیت بازی ہوتی رہی آخر میں جناب مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ نے ''خطاب فاصل'' لکھ کر اس کو ختم کیا اور مرزا غالبؔ نے اپنی طرف منسوب کردہ مثنوی سے برأت کردی۔غرض ''ہنگام رست وخیز بے جا'' نے دنیا بدل دی مغل تخت وتاج چھن گیا۔مگر ان کی بہت سی یادگاروں کی طرح سیدالشہداءؑ کے سلسلہ میں کئی چیزیں ان کی یادگار میں باقی ہیں۔سچ ہے ؎

''نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گذاشت''

(ماخوذ از ''سرفراز'' لکھنؤ، محرم نمبر سنہ ۱۳۷۱ھ)

شیعہ اور عزاداری

فخر قوم خان بہادر مولوی سید کلب عباس نقوی ایڈوکیٹ

عزاداری شیعوں کا جزو ایمان ہوگئی ہے۔درحقیقت یہ جماعت اس حدیث کی معنوی تصدیق ہے جس میں حسین مظلومؑ کی عزا برپا کرنے کے لئے ایک مخصوص گروہ کے پیدا کرنے کا اعلان بزبان رسولؐ پاک کیا گیا ہے۔اس جماعت کی تاریخ اور اس ملت کے سوانح، معرکہ کربلا کے بعد سے آج تک اس امر کی تصدیق کر رہے ہیں کہ اس ملت کی ہر فرد کے خمیر میں عزائے حسینؑ شامل ہے اور یہ ملت عزائے حسینؑ کے لئے ہر چیز جان، مال عزت سب کچھ قربان کرنے پر تلی رہتی ہے۔قرن اول کے جان آزما واقعات کو ترک نظر کردیجئے پھر بھی اس کے بعد کیا کیا کوششیں عزائے حسینؑ کے مٹانے کے لئے نہیں ہوتی رہیں مگر عزائے حسینؑ کو زوال نہ ہوا، ترقی ہی ہوتی رہی۔

گو مٹاتے رہے پر نقشِ امامت نہ مٹا
آپ ہی مٹ گئے وہ جو تھے مٹانے والے

یہ بھی عزائے حسینؑ کا معجزہ ہے کہ اس کی اشاعت مٹانے کی شدت کے نسبت سے مقابلتاً دوبالا رہی۔مولانا صفیؔ نے اسلام کے لئے جو لکھا ہے وہ بجنسہ عزائے مظلوم پر صادق آتا ہے صرف چند لفظ تبدیل کرنے پڑتے ہیں۔

مظلوم کے ماتم میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی اُبھرتا ہے جتنا کہ دباتے ہیں

بالفاظ دیگر بقائے اسلام ''شہادت حسینؑ'' کے مترادف ہے اور مظلومیت پر تشدد اس کی اشاعت کا ذریعہ ہے۔ دوسرا معجزہ عزائے حسینؑ کا یہ ہے کہ اس کی ابتدا میدان کربلا ہی سے اور دشمنوں کے حلقہ سے شروع ہوئی۔ سید الشہداؑ نے فرمایا تھا "انا قتیل العبرہ" (میں کشتہ گریہ و زاری ہوں) ہر معنی میں یہ قول صادق نکلا۔ حسین علیہ السلام کی مظلومیت پر اپنے روئے، غیر روئے، دوست روئے، دشمن روئے، لڑنے والے روئے، مارنے والے روئے، راہ گذر روئے، تماشائی روئے، درباری روئے، زنداں کے پاسبان روئے، قاتل کے گھر والے روئے، کون نہیں رویا۔

تیسرا معجزہ عزائے حسینؑ کا یہ ہے کہ اس کے لئے کیا کیا تدبیریں دشمنان حسینؑ نے نہیں کیں کہ نشان قبر مظلوم باقی نہ رہے مگر نشان قبر ''بے نشان'' ایسا ابھرا کہ روحانیت کی انگوٹھی کا ہیرا بن کے چمکا۔ سرزمین کربلا چمکی اور کربلا مرجع خلائق بن گئی۔ جہاں آج بھی باغیوں کا معزول کردہ بادشاہ جب جبہ سائی اور گریہ زاری کرتا ہے تو آناً فاناً فضا بدل جاتی ہے، دشمن دوست ہو جاتے ہیں، بغاوت رحمت بن جاتی ہے اور مظلومیت کا فیض اسے پھر برسر اقتدار کر دیتا ہے۔

(ملاحظہ ہو خود نوشت سوانح موجودہ شاہ ایران)

ہندوستان میں تعزیہ داری کی ابتداء شیعہ عقیدہ رکھنے والوں کے ہاتھ سے نہیں ہوئی، بلکہ تیمور کے عہد میں ہوئی اور نشان قبر حسینؑ نقش ثانی تعزیہ کی شکل میں نمایاں ہوا۔ جو آج تک ہمارے بھارت کے گوشہ گوشہ میں نظر آتا ہے اور یہ یادگار شیعہ ہی نہیں، ہندو، مسلمان عیسائی سب ہی مناتے ہیں۔ طریقہ عزا مختلف ہو مگر یادگار اس مظلوم حسینؑ کی ہے جس کا نام کوہ میں، دشت میں، جنگل میں، آبادی میں، شہر میں، دیہات میں، خلوت میں، جلوت میں، جلسوں میں، جلوسوں میں، کرتب دکھانے میں، بانک پٹا کھیلنے میں، شادی میں، غم میں، ہر جگہ اور ہر موقع پر لیا جاتا ہے اور

جسے بلاتفریق مذہب وملت رہبر انسانیت مانا جاتا ہے۔

عزائے حسینؑ کا ہندوستان میں پھیلنا یہ بھی معجزہ کی نوعیت رکھتا ہے۔ مٹھی بھر شیعہ یہاں آئے۔ کل ہند کے فاتح ہو کر کبھی نہیں آئے۔ لیکن اغیار کے ہاتھوں عزائے حسینؑ کی اشاعت اس غیر شعوری عنوان سے ہوئی کہ تعزیہ داری دوسروں کا مذہب بن گئی، اندور میں، گوالیار میں، کیا عزاداری کی اشاعت شیعوں کے ہاتھوں ہوئی ہے؟ نہیں۔ چھوٹے اور گمنام عزاداروں کی جھوپڑیوں سے اس کی ابتداء ہوئی۔ اور مولاؑ کی روحانی نصرت نے ان راجدھانیوں کے راجاؤں کے دل میں ایسی جگہ لے لی کہ انہوں نے عالیشان حسینئے بنوائے، لنگر خانے جاری کئے اور عزائے حسینؑ کا انتظام غیر شیعہ منتظمین سے کرایا۔ اب تک عالی شان عمارتیں اور عزاخانے اور ان کے تعزیوں کے جلوس لاکھوں عقیدتمندوں کو ایک جگہ حسینی پروانوں کی صورت میں اکٹھا کر دیتے ہیں اور وقار حسینیت کو دوبالا کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہر مظاہرہ کچھ رسمی صورتیں اختیار کر لیتا ہے جو عقیدہ اور مذہب سماج اور معاشرت، مقامی رجحانات اور جغرافیائی خصوصیات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں، مگر یہ سب باتیں مقصد کو نہیں بدلتیں البتہ عنوان مظاہرہ کو مختلف النوع بنا دیتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اس مظاہرہ غم نے بعض غیر اقوام میں مظاہرہ مسرت کی شکل اختیار کر لی کیونکہ ان کے یہاں اچھی موت شادی ہے اور باعث تہنیت ہے۔ اسی طرح بعض مسلمانوں کے نزدیک شہادت امام حسینؑ، اسلام کی بڑی فتح ہے جس پر شادیانہ بجانے چاہئیں اور اللہ کی اس نعمت پر روزہ رکھ کر اظہار شکر کرنا چاہئے۔ بعض جماعتوں میں شہادت حسینؑ کو جنگی اہمیت دی گئی ہے اور اس کی یادگار کو کرتبوں اور جسمانی ورزشوں کے مظاہرہ کے ذریعہ سے منایا جاتا ہے۔ بعض جگہوں پر امام حسین علیہ السلام کے نام پر قربانی کی جاتی ہے اور پرشاد بانٹا جاتا ہے۔ غرضیکہ معاشرہ اور سماج، عقیدہ اور رواج سے متاثر ہو کر اپنے اپنے طریقہ پر مختلف جماعتیں عزاداری کرتی ہیں مگر اس کا خیال ماحول کے اثرات کے ماتحت نہیں

ہوتا کہ اس میں اصل مقصد تو نہیں فوت ہو رہا ہے اور نہ اس کا کہ مظاہرہ نوعیت شہادت کے مغائر تو نہیں جا رہا ہے۔

ہمارے فرقہ شیعہ میں عزاداری کا عنوان ایران کی مروجہ رسمیات اور طریقہ عزاء سے زیادہ تر متاثر ہوا اور بعض رسمیں خود ہندوستان کے رسم ورواج کی بنا پر پیدا ہوگئی ہیں اور بعض نشر واشاعت کے اصولوں اور ضرورتوں کے مطابق جاری ہیں۔ ان میں سے جن کو عالمگیر کہنا چاہئے حسب ذیل ہیں۔

۱- امام باڑہ کی تعمیر، اس میں شہ نشین بلند کرسی پر قائم کرنا، اس میں علم نصب کرنا، تعزیے اور ضریح اور تابوت رکھنا، ان کے سامنے فرش بچھانا، خوشبو وعطر وغیرہ سے اس کو زیب وزینت دینا۔ امام باڑہ جس میں عام طور پر مجالس ہوں اور ہر شخص کو حق شرکت وزیارتِ تبرکات عزا ہو، اور مخصوص طور پر بحیثیت حسینیہ استعمال ہوتا ہو، وقف عام ہے البتہ اگر سکونتی گھر میں کوئی حصہ عزاداری کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے تو وہ وقف خاص ہے مگر بدقسمتی سے الہ آباد ہائی کورٹ کا جسٹس نعمت اللہ مرحوم کا ایک جونپور کے کیس کا فیصلہ جو آل انڈیا رپورٹر الہ آباد سکشن بابت ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۱۰۱۳/ پر شائع ہوا ہے جس کے فریق محمد یوسف بنام محمد شفیع ہیں اس میں ہر امام باڑہ کو وقف عام نہیں مانا گیا ہے بلکہ یہ طے کر دیا گیا ہے کہ ہر شیعہ اپنے گھر میں عزاداری کے لئے ایک حصہ مخصوص کر دیتا ہے، اس لئے مجلس اور ماتم اور جلوس نکلنے سے کوئی مکان وقف عام نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ مشہور مصنف و شارح قانون مسٹر ملا نے اسی بنا پر ایک غلط نوٹ اپنی کتاب میں لگا دیا ہے کہ ہر شیعہ کا گھر امام باڑہ ہے مگر وقف نہیں ہے۔ اسی طرح سے بعض عدالتی تجویزوں میں یہ لکھا گیا ہے کہ شیعوں کے یہاں امام باڑہ اور مسجد ایک ساتھ نہیں ہوتے حالانکہ لکھنؤ میں امام باڑہ آصفی، امام باڑہ حسین آباد، امام باڑہ کوڑ جہان آباد، امام باڑہ گورکھپور، امام باڑہ فیض آباد، امام باڑہ بنگلہ اور چوپال نصیر آباد، ضلع رائے بریلی اور سیکڑوں اور مقامات پر شیعوں کے امام باڑے اور مسجدیں ساتھ ہی ساتھ ایک ہی احاطہ میں ہیں۔ دراصل مقصد تعمیر، محل تعمیر اور استعمال، اس امر کا معیار ہیں کہ امام باڑہ وقف عام

ہے کہ نہیں۔ خدا کرے کہ عدالت عالیہ سپریم کورٹ کسی اپیل میں اس مسئلہ کو صاف کر دے، ورنہ ہر مقدمہ میں یہ جھگڑا آئے دن اٹھتا رہے گا۔

۲- مجالس کا انعقاد

یعنی عام عزاداروں کا ذکر شہادت ومصائب وفضائل امام حسینؑ وشہدائے واسیران کربلا کے لئے جمع ہونا اور اس میں ایسا ذکر منبر پر یا تحت منبر کرنا، قبل یا بعد مجالس تبرک یا شربت یا چائے کا تقسیم ہونا اور بعد مجلس نوحہ خوانی و ماتم کرنا اور آخر میں زیارت شہدائے کربلا کا پڑھنا۔ ذکر شہادت ومصائب وفضائل کا مروجہ طریقہ ایران میں روضہ خوانی، فارسی زبان میں مرثیہ خوانی، نوحہ خوانی اور سینہ زنی تھی۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی وہی طریقے رائج ہوئے اور یہاں کی علاقائی زبانوں میں اسی عنوان سے ذکر شہادت جاری کیا گیا۔ روضہ خوانی کی جگہ حدیث خوانی اسی عنوان کی جاری ہوگئی۔ جس کا مقصد محض رونا رلانا تھا۔ فلسفہ شہادت کا بیان کرنا یا تاریخی اور مذہبی معلومات کا بیان کرنا یا مواعظ کا اس میں شامل ہونا، یہ باتیں محض چند علماء تک محدود تھیں۔ مناظرہ کی چاشنی حدیث خوانی کی مقبولیت کا ایسا اہم جز ہوگئی جیسے دال میں کھٹائی اور بغیر اس کے سامعین کو کوئی بیان ہی پسند نہیں آتا۔ بالآخر اس میں خطابت کی فنکاری داخل ہوگئی جس کے خطیبِ اعظم اور پیش رو مولانا سبط حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ ہوئے اور اب تو یہ طریقہ بیان اتنا عام ہوگیا کہ اس کے باقاعدہ اجتماع ہزاروں کی تعداد میں ہر شیعہ بستی میں ہوتے ہیں اور اس نے دیگر اصناف ذاکری کو بالکل چھالیا ہے۔ بلکہ تقریباً ختم کر دیا ہے۔ گذشتہ صدی میں خدائے سخن میر انیسؔ اعلی اللہ مقامہ اور شہنشاہ مرثیہ گوئی مرزا دبیرؔ نور اللہ مرقدہٗ نے مرثیہ خوانی کو ایسا مقبول عام بنایا کہ ان کی تصنیفات نے وظائف وادوار کی جگہ لے لی اور ان کے مضامین آیت وحدیث کے درجہ پر پہنچ گئے اور صحت وعدمِ صحت کے نظریہ یا طبعی یا جغرافیائی ماحول کے نقطۂ نظر سے ان پر تنقیدی نظر ڈالنا بالکل فراموش ہوگیا۔

جیسے یہ کہ احادیث کے مغائر و متناقص مضامین ہم کو اس قدر ذہن نشین ہو گئے ہیں کہ اب ان کے خلاف کسی حدیث کا سننا ناگوار ہوتا ہے۔ مرثیہ گوئی نے دو اصناف ذکر مصائب و فضائل کے پیدا کر دیئے۔ ایک تحت اللفظ خوانی اور دوسرے سوز خوانی اور انہیں کے ذیل میں نوحہ خوانی جو مجلس غم کا (ضمیمہ ہے) اس میں پیدا کر دیا اور چونکہ نوحہ خوانی میں اجتماعی خواندگی اور سینہ زنی ہوتی ہے جس کے لئے ہم آہنگی اور ہم نوائی ضروری ہے اس لئے اس صنف کی مقبولیت تحت اللفظ خوانی اور سوز خوانی سے بڑھ گئی اور آج کل تو اس کی اتنی کثیر التعداد انجمنیں بن گئی ہیں کہ کوئی عزا خانہ نوحہ خوانی کے بغیر اپنی مجلس نہیں کر سکتا۔ سوز خوانی نے ہمارے ادب میں جو اضافہ کیا اور سوز خوانی اس کے آگے مدھم پڑ گئی ہے تحت اللفظ خوانی نے اور نوحہ خوانی نے جس طرح سے حامیان سماع اور دلدوز گان موسیقی میں مجلسوں کی مقبولیت بڑھائی اس سے ہم سب واقف ہیں۔ دراصل مروجہ ذاکری تمام شیعہ بستیوں میں زیادہ تر انہی اصناف پر اب بھی مشتمل ہے اور اگر یہ اصناف ذاکری عام نہ ہوتیں تو ہماری مجلسیں مسمیٰ ہو جاتیں۔ موجودہ خطابتی دور اور خطابت نواز مذاق کے باوجود اقتصادی مجبوریوں اور خطیبوں اور حدیث خوانوں کی کمیابی نے اب بھی تحت اللفظ خوانوں اور سوز خوانوں کی ضرورت کو باقی رکھا ہے چنانچہ عشرہ محرم اور اربعین اور بیست و یکم کے موقع پر ان کی اہمیت بہت نمایاں ہو جاتی ہے۔

۳۔ جلوس عزا

علم اور تعزیے کے جلوسوں کے ذریعہ سے عزاداری کے نشر و اشاعت کی ابتدا کا طرۂ امتیاز شیعوں ہی کے سر ہے۔ اب تو ساری دنیا میں یہ طریقہ جلوسی پروپیگنڈہ کا اتنا عام ہو گیا ہے کہ کوئی یہ محسوس ہی نہیں کرتا کہ اس کی منظم بنیاد شیعوں کے ہاتھ سے حسینی مشن کے سلسلہ میں پڑی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جو منظم و موثر انداز جلوس عزا کا ہے اسی کا اتباع خفیف خفیف سی ضمنی اور مخصوص

تبدیلیاں کر کے آج کل تمام جماعتیں کر رہی ہیں۔ آج بھی ہمارے جلوس عزا کی سنجیدہ مگر پر جوش فضا ہمارے جلوسوں کا پر غم مگر دلکش منظر ہمارے جلوسوں کی ہم آہنگی اور ان کی ترتیب ان کو پر اثر اور جاذب نظر بنا دیتی ہے اور اس مظلوم کی لاثانی قربانیوں کی اور اس فدیہ انسانیت کی خدمات کی داستان کو تازہ کر دیتی ہے۔ ان جلوسوں کی روک تھام میں بھی فرقہ وارانہ عصبیت نے کچھ کم کام نہیں کیا ہے۔ محض ان کے متعلقہ اور مشمولہ سامان عزا نے جو نہایت معصوم انداز کے تھے کیا کیا کشیدگیاں نہیں پیدا کیں۔ پالی ضلع گیا (بہار) میں علم مبارک میں مشکیزہ لگانے پر مولانا خیرات احمد مرحوم کو ہائی کورٹ تک مقدمہ لڑنا پڑا۔ پانی پت، لاہور، شاہ گنج (آگرہ) میں اور دیگر مقامات پر ذوالجناح کے جلوسوں کے ساتھ ہونے پر مزاحمتیں اور عدالتی کاروائیاں ہوئیں اور غول بندی کے ساتھ ان جلوسوں میں شارع عام پر ماتم کرنے کے لئے اورنگ آباد (ضلع بلند شہر) اور نصیر آباد (ضلع رائے بریلی) اور خاص شہر رائے بریلی میں عدالت اپیل اور پریوی کاؤنسل تک مقدمات چلے۔ بالآخر پریوی کاؤنسل نے ۱۹۲۵ء میں منظور حسن کی اپیل پر اورنگ آباد کیس میں یہ طے کر دیا کہ ہر شہری کو شارع عام پر اپنے مذہبی جلوس میں لوازمات و معمولات نکالنے کا حق ہے الا ایسی صورت میں کہ نقض امن کا اندیشہ ہو اور امن عامہ کے برقرار رکھنے کے لئے مجسٹریٹ احکام انسدادی صادر کرے۔ مگر اب بھی آئے دن ہم ان جلوس ہائے عزا کے متعلق نزاعات سے دو چار ہوتے ہیں اور اپنی اقلیت سے اپنے جائز مذہبی حقوق برتنے سے معذور رہتے ہیں۔ ہماری مذہبی آزادی جو آئین ہند کی دفعہ ۲۵ کے رو سے گارنٹی ہو چکی ہے اس کا بھی احترام سواد اعظم نہیں کرتا اور ان کی پامالی کھلے بندوں کی جاتی ہے۔ ہمارے جلوس ہائے عزا کے عنوان کے غیر دل آزار اور معصومانہ مظاہرات غم شاید ہی کوئی اور جماعت کرتی ہو مگر پھر بھی ان کی شرکت کو بعض تفرقہ انداز بدعت قرار دے کر ممنوع قرار دیتے اور ان کا مقاطعہ کرتے ہیں۔ ہر مذہبی اقلیت کو اپنے فرائض مذہبی اپنے طریقہ پر ادا کرنے کی آزادی ہمارے دستور ہند نے دی ہے مگر عملاً قوت دار جماعت کا

جبر وتشدد ان کے نفاذ میں مانع ثابت ہوتا ہے۔ اکثر رجسٹر ہائے سرکاری میں ہمارے جلوسوں کے ریکارڈ یا ان کے راستے درج نہیں کئے گئے ہیں۔ جن سے آئے دن نزاعات پیدا ہوتی رہتی ہیں ہم کو ان ریکارڈوں کی صحیح ترتیب دلانے کی طرف توجہ کرنا چاہئے۔ ورنہ 'قلم در کف دشمن' ان کو ختم کردے گا۔

گذشتہ صدی تک ہماری عزاداری زیادہ تر جماعتی یا جمہوری عنوان کی رہی۔ یعنی ہر آبادی میں ایک یا زائد مرکزی عزاخانے رہے۔ جس میں اس حلقہ کی آبادی مشترکہ عزاداری کرتی رہی اور افراد اپنا رسدی حصہ دادودہش کا پیش کش کر کے یکجائی عزاداری کرتے رہے مگر بیسویں صدی میں مرکزی تنظیم ختم ہوگئی اور انفرادیت کا دور دورہ شروع ہوا۔ شخصی عزاداری کا زور ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک وہ عزادار صاحب ثروت واثر رہا۔ وہ بڑے رونق سے ہوتی، رہی جب اس کا زوال ہوا اس کا بھی زوال ہوگیا۔ شیعوں کی اقتصادی پستی تو محتاج ثبوت نہیں۔ ان کے یہاں دو طبقے تھے ایک صاحب جائداد اور ایک صاحب قلم، موروثی جائدادوں کی تقسیم نے ان کی املاک کو پہلے ہی ٹکڑے کر کے موجودہ نسلوں کے لئے اس کو ناکافی بنادیا تھا صرف وہ جائدادیں جواز روئے قانون ناقابل تقسیم تھیں سالم باقی رہ گئی تھیں۔ شیعوں کے طبقہ میں خصوصاً اودھ میں ایسی املاک کی تعداد کافی تھی مگر خاتمۂ زمینداری کی اسکیم نے ان کو بھی صاف کردیا اور ہزاروں افراد جو ان سے مستفیض ہوتے تھے، نان شبینہ کو محتاج ہوگئے۔ اہل قلم جو تھے ان کو ملازمتوں کے فقدان کی وجہ سے ان کے حصول میں عالمگیر مشکلات درپیش ہیں۔۔۔ ان پر مستزاد برادران وطن کا مقابلہ ہے۔

پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس بے زری میں عزت سادات بھی گئی

پہلے ہی ہماری ملت میں ایک کمانے والا دس کھانے والے تھے۔ اب تو کل کے کل محتاج ہیں۔ اقتصادی مشکلات یہاں تک بڑھ گئی ہیں کہ ان کا اثر ہمارے اخلاق پر پڑ رہا ہے اور ہم کسب معاش

کے مذموم طریقوں کو بھی مفلسی کی وجہ سے اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ اقتصادی مشکلات کا اثر من حیث الجماعت ہمارے معاشرے پر پڑ رہا ہے اور اس میں عام انحطاط تمام اقطاع ملک میں رونما ہے۔ مذہبی ضروریات اور فرائض پر بھی اس اقتصادی انحطاط کا اثر نمودار ہے۔ ہمارے امام باڑے، مساجد اور کربلائیں ویران اور منہدم ہورہے ہیں اور ہم ان کی تعمیر، مرمت اور آبادی نہیں کرسکتے۔ ہمارے بچے ابتدائی مذہبی تعلیم، قرآن کی خواندگی، اصول دین وفروع دین کی واقفیت اور زبان کی انسیت ان سب باتوں سے محروم ہوتے جاتے ہیں اور ہمارا اسلامی تمدن اور معاشرہ ختم ہورہا ہے حتی کہ ہمارے موجودہ بچے سلام، نوحے اور مرثیہ بھی نہ اردو میں پڑھ سکتے ہیں، نہ لکھ سکتے ہیں۔ پہلے ہندی میں انہیں نقل کراتے ہیں تب پڑھتے ہیں۔ جب یہ حال اردو والے ذخیرہ مذہبی کے متعلق ہماری نئی پود کا ہے تو فارسی اور عربی کی کتابوں کا کیا ذکر کیا جائے۔ انہیں اقتصادی مشکلات کی وجہ سے مجالس میں جو اہتمام ہوا کرتا تھا اور جلوسوں کی جو زیب وزینت ہوتی تھی اس میں بھی قابل لحاظ بے رونقی اور کمی پیدا ہوگئی ہے۔ امام باڑوں کا سامان عزا جو پرانا اور فرسودہ ہوگیا ہے اور عمارت جو بوسیدہ ہوگئی ہے یا زمین دوز ہوگئی ہے اور کربلائیں جو ویران ہوگئی ہیں ان کی زبوں حالی کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔ ہاں جو رسمیں جاری ہوگئی ہیں ان کا ادا کرنا نماز سے بڑھ کر فرض ہے۔ محرم کی چاند رات کو طوق وہنسلی پہنانا، ہتھکڑی بیڑی پہنانا، کانوں میں، در پہنانا، دلدل کو دال جلیبی کھلانا، ایام محرم میں طرح طرح کی حاضریاں مرغن کھانوں اور مٹھائیوں کی کرنا اور ان کو خوش حال بڑے لوگوں کو کھلانا، یہ اگر نہ ہو تو اللہ، رسولؐ، امامؑ سب روٹھ جائیں گے۔ مگر مقامی معابد، مساجد، مکاتب، عزاخانے سب برباد پڑے رہیں گے۔

دور حاضر میں ایک مذاق یہ پھیل گیا ہے کہ چاہے دس گھر کی بستی ہو مگر وہاں سالانہ مرکزی مجالس ضرور منعقد کی جائے گی اور مانگ جانچ کر اور ان کے انعقاد کو مقامی وقار کا سوال بنا کر ان کے لئے چندہ اکٹھا کیا جائے گا اور اس کے بعد ایک لمبا چوڑا اشتہار طبع کرا کر اس میں بہت سے خود ساختہ

خطابات عطا کر کے واعظین وخطبا کی آمد کا اعلان کیا جاتا ہے۔مہمان بلائے جاتے ہیں۔ پلاؤ، زردہ کھلایا جاتا ہے اور ہزاروں روپیہ ان دعوتوں پر واعظین وخطباء کے سفر خرچ پر اور جلسہ کے فریب وزینت اور انتظامات پر صرف کیا جاتا ہے اگر ان نام نہاد تبلیغی جلسوں کی تعداد کا صحیح شمار لگایا جائے تو میرے شمار کے مطابق ان کی تعداد تمام ہندوستان میں ہر سال پچیس ہزار سے کم نہیں ہوگی اور اگر ان کے مصارف کا اوسط نکالا جائے تو فی جلسہ کسی طرح پانچسو روپیہ سے کم نہ ہوگا۔مجموعی خرچ ایک کروڑ پچیس ہزار روپیہ پر ہوتا ہے۔ پھر جب ان جلسوں کی افادیت دیکھی جائے تو سوائے ''نشستند وگفتند وبرخاستند'' کے کچھ اور نہ ملے گی۔اس میں ایک اور اضافہ کیا جاسکتا ہے'' داد بیان دادند وخوشوقت شدند'' نہ تو ان مجالس کے مقالات کا کوئی ریکارڈ رکھا جاتا ہے نہ جن موضوعات پر تقریریں ہوتی ہیں ان کو شائع کیا جاتا ہے،جس سے اندازہ ہوسکے کہ آیا محض شاعرانہ خطابت اور دل پذیر روایات کے مطابق وہ تقریریں ہوئیں یا ان میں کوئی ٹھوس اور مفید مطلب بھی تھے۔ دماغی تفریح کا سامان تو البتہ ہوجاتا ہے اور نئے نئے مسودات پرانے منقولات واقتباسات پر مشتمل خطباء کی زبان سے ان کے مخصوص انداز میں سننے کو مل جاتے ہیں مگر ان کو جمع کیا جائے تو ہر خطیب کی شعلہ بیانی چند مسودات کے موضوعات کے اندر محدود نظر آئے گی اور یہ معلوم ہوگا کہ کسی مشہور شاعر کی پرانی نظم یا کوئی پرانا گریموفون کا ریکارڈ بج رہا ہے ان تقریروں کا افادی اثر ملت جعفریہ پر کیا ہوتا ہے اس کا پتہ اس افتراق ونفاق،مقدمہ بازی جنگ وجدل سے آسانی سے کیا جاسکتا ہے جو ان مجالس کے انعقاد کے مقاموں پر باقی رہتی ہے اور خود شرکائے مجالس سے جو بدعنوانیاں رونما ہوتی ہیں ان سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شاید کثرت تنبیہ نے ان کے اثر کو زائل کر دیا ہے۔سال میں ہر صوبہ میں ایک یا دو مقام پر ایسے مجالس کا انعقاد ضرور نتیجہ خیز ہوسکتا ہے۔لیکن جیسے ہر ضلع میں صنعتی نمائشیں منعقد ہوتی ہیں اسی طرح ضلع وار،قریہ قریہ، دیہہ دیہہ مجلسوں کا منعقد کرنا اور وہاں کے مقامی عزاخانوں،کربلاؤں،مسجدوں کو آباد کرنا اور بچوں کی ضروری مذہبی اور دینی تعلیم

کا نظر انداز کرنا اور اپنی اقتصادی پستی کے دور کرنے کی کوئی فکر نہ کرنا یہ تو ہماری ملت کے مذہبی وملی بقا پر تیشہ زنی کرنا ہے۔

شہادت حسینؑ کا مقصد بقائے دین حقہ تھا اور حسینؑ مظلوم کی صحیح اور سچی یادگار یہی ہے کہ بچوں کو ان کی زبان میں دینیات اور اصول دین کی تعلیم دی جائے۔ان کو زیور علم سے آراستہ کیا جائے تا کہ وہ اس قابل بن سکیں کہ مجالس عزا کے بیانات کو اور فلسفہ شہادت کو سمجھ سکیں اور اس طرح عزاداری سید الشہداؑ کو عزاخانوں اور کربلاؤں کو برقرار اور آباد رکھ سکیں ورنہ اگر وہ ذکر حسینؑ سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رکھیں گے تو یہ ذکر کس کے سامنے ہوگا! وہی مثل ہوگی۔

''زبان یار من ترکی است ومن ترکی نمیدانم''۔

ہم جب ہم اپنے شعائر مذہبی سے نابلد ہوگئے تو پھر عزاداری کیسے باقی رہے گی شیعیت کے ساتھ عزائے حسینؑ وابستہ ہے شیعہ ہی نہ رہے تو عزاداری کہاں رہے گی۔

ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر ۱۳۸۲ھ

عزاداری اور شاہانِ اودھ

عالیجناب صادق حسین صاحب خنداں لکھنوی

شاہان اودھ کے بارے میں انگریزوں نے عوام کو بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا اور چونکہ اس کی رد میں کوئی اقدام نہیں کیا گیا اس لئے عام طور سے لوگ شاہان اودھ کی غربا پروری، فنون لطیفہ کی ترقی، ان کی مذہبی، علمی، اور ادبی خدمات سے بڑی حد تک ناواقف رہے۔ شاہان اودھ نے وہ احسانات اس سلسلے میں کئے ہیں جنہیں کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ ان کی خدمات اتنی ٹھوس اور بنیادی تھیں کہ وہ کسی قوم و مذہب کے لئے مخصوص نہ تھیں، ان کے فیض سے ہر قوم نے استفادہ کیا ہے۔ یہاں صرف شاہان اودھ کے عہد میں عزاداری کے فروغ پر کچھ لکھا گیا ہے۔

محرم کے سلسلے میں شاہان اودھ کی دماغی کاوشوں اور مذہبی شغف کا نتیجہ تھا کہ اودھ خصوصاً لکھنؤ میں پورے طور پر سوگوارانہ فضا بن جاتی تھی اور عام طور سے لوگ سبز و سیاہ کپڑوں میں ملبوس ہو جاتے تھے اور اس طرح رنگریزوں کا کام بڑھ جاتا تھا۔ وہ دن رات کپڑے رنگنے میں مصروف ہو جاتے۔ شہر بھر میں ہر امیر غریب کے گھر میں تعزیہ داری اور قلعی ہونا بھی ناگزیر تھی۔ مہینہ بھر پہلے سے مزدور دن رات مکانوں، حویلیوں اور محلات میں چونہ کاری میں لگ جاتے اس طرح وہ سال بھر کے لئے کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیتے تھے۔ محرم شروع ہونے پر مجالس کا سلسلہ شروع ہوتا۔ فرش

کے لئے دریاں، چاندنیاں، قنات، نمگیرے، چینی کے پیالے، پلیٹیں اور دوسرا سامان دن رات کرائے پر چلتا۔ مجلسی تکلفات سے لوگوں کو تہذیب اور نشست و برخاست کی تعلیم ملتی، اگر ذاکرین و واعظین سے ایک طرف روحانی و مذہبی معلومات حاصل ہوتیں تو دوسری طرف تحت اللفظ خوانی میں شعر و شاعری کا کمال نظر آتا۔ سوز خوانی میں گلے بازی کا فن معراج پر نظر آتا اس طرح ہر ذوق کے آدمی کو روحانی سکون کے ساتھ ساتھ ذہنی تسکین بھی حاصل ہو جاتی۔

مجالس میں تقسیم تبرک کے سلسلے میں کسگروں کا کام بھی چمک جاتا۔ وہ چپنیاں، ہانڈیاں طباق، پیالے اور سبیلوں کے آبخورے اور دوسری چیزیں جو سال بھر تیار کرتے محرم میں سب فروخت ہو جاتیں۔ اب باورچیوں کو لیجئے جو تقسیم تبرک اور غربا میں تقسیم طعام کے لئے روساء امراء و دوسرے صاحب استطاعت افراد کے یہاں شب و روز پختیں پکاتے اور دیگیں، مٹکے، اور دوسرے ظروف مسی کا کرایہ الگ وصول کرتے، نانبائی روٹیاں اور شیرمالیں وغیرہ مجلسوں میں تقسیم کے لئے رات دن پکاتے، منافع کا زیادہ حصہ حلوائیوں کے حصہ میں آتا تھا، جہاں سے ہر امیر و غریب تقسیم تبرک کے لئے شیرینی ضرور خریدتا۔ عزاخانوں میں سلگانے کے لئے اگربتی، کیوڑہ، گلاب، شمعیں، طوغیں، سہرے اور قلادہ مالی فروخت کرتے۔ سادے کار، چاند، چھلے، علی بند، شوق بند، تختیاں اور دوسرا منتی سامان، چاندی سونے کے علم رات دن بناتے اور فروخت کرتے۔ تعزیوں کے تاجر تو ہزاروں کماتے ان کے علاوہ سینکڑوں کا سب کسی نہ کسی حیثیت سے حصہ لیتے۔ باجے والے، جلوس والے، ماہی مراتب، جھنڈی والے، اونٹ والے، روا، میدہ، شکر، میوے والے، آرائش والے، چاول والے دودھ والے، خوب خوب کماتے، اب اگر اقتصادی ترقی کے پیش نظر شاہان اودھ کی قائم کردہ رسومات کو دیکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف انہاک عزاداری میں اس کو فروغ دینے اور اس کی شان و شوکت کو بلند کرنے میں انہوں نے پورے طور پر غلو سے کام لیا تو دوسری طرف بے شمار افراد کے لئے ان کی تجارتوں، ان کے فن اور ان کی معیشت کو

زندہ کر دیا اور فنون لطیفہ کی ترقی ان کے پیش نظر رہی۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ شاہان اودھ نے جیسی عزاداری کی اور جس قدر انہوں نے اپنے دور حکومت میں اسے فروغ دیا وہ سیکڑوں برس میں بھی انجام نہ پاتا۔ شاہی جلوس اس شان و شوکت سے اٹھتے تھے کہ ہر قوم کے لاکھوں آدمی زیارت کو آتے۔ چنانچہ آج بھی شاہی ضریح کا جلوس، شاہی مہندی کا جلوس اور داروغہ واجد علی کی مہندی کا جلوس دیکھنے لاکھوں عوام آتے ہیں اور ان مناظر کو دیکھ کر ایک طرف امام مظلومؑ کی عظمت کا نقش اور دوسری طرف ایک سوگوارانہ فضا کا تاثر لے کر جاتے ہیں۔

اکثر مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ تعزیہ کے موجد امیر تیمور صاحب قراں تھے۔ اگرچہ موصوف عقیدتاً حنفی تھے مگر ابتدا میں حنفی سنیوں میں تعزیہ داری کو زیادہ فروغ ہوا لیکن اس کی زیادہ ترقی اور فروغ دکن کے شیعہ تاجداروں اور اودھ کے ایرانی النسل حکمرانوں نے دیا۔

اودھ میں نواب سعادت علی خاں برہان الملک نواب محمد مقیم حیدر جنگ اور نواب شجاع الدولہ مرزا محمد جلال الدین حیدر کو اس سلسلے میں زیادہ خدمت کا موقع نہیں ملا غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ نوابین موصوف شاہان مغلیہ کے دامان دولت سے وابستہ تھے۔ اور سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی نواب شجاع الدولہ کا ایک عظیم الشان امام باڑہ فیض آباد میں موجود ہے۔

فیض آباد اس وقت اودھ کا صدر مقام تھا، اس میں مجلسیں ہوتی ہیں اور پہلی محرم کو ضریح اقدس جلوس کے ساتھ لا کر رکھی جاتی ہے اور اسی طرح عاشور کو دفن ہوتی ہے۔

لکھنؤ میں عزاداری کے عروج کے بانی نواب آصف الدولہ مرزا محمد یحییٰ علی خاں عرف مرزا امانی ہیں۔ نواب نے بوجوہات چند در چند ۱۱۷۵ھ کو لکھنؤ کو پایۂ تخت قرار دیا اور اپنا شہرۂ آفاق امام باڑہ آصفی ۱۷۸۴ء میں احاطہ مچھلی بھون لکھنؤ میں تعمیر کرایا، حافظ کفایت اللہ مہندس نے نقشہ تیار کیا تھا (حافظ صاحب کو بعض نے دہلوی اور بعض نے شاہ جہاں پوری تحریر کیا ہے) امام باڑہ سات برس

میں ۱۷۹۰ء میں ایک کروڑ کی لاگت سے تعمیر ہوا۔ اس کے وسطی ہال میں تعزیہ داری ہوتی تھی۔ یہ ۳۰۳ فٹ لمبا اور ۵۳ فٹ چوڑا اور ۶۳ فیٹ بلند ہے اور دنیا کے اعلیٰ ترین دالانوں میں سے ہے جس میں لوہے لکڑی کے بغیر اتنی بڑی بے مثال ڈانٹ جوڑی گئی ہے۔ امام باڑہ کے حدود میں ایک ضعیفہ کا مکان آ گیا تھا جس کی وجہ سے عمارت میں نقص پیدا ہو گیا۔ بڑھیا اپنا مکان دینے پر رضامند نہ ہوتی تھی۔ بالآخر وہ اس شرط پر راضی ہوئی کہ مکان کے عوض میں دوسرا مکان بنوا دیا جائے اور اس کے نام کا تعزیہ رکھا جائے۔ نواب نے اس کی یہ دونوں شرطیں منظور کر لیں۔ چنانچہ جب امام باڑہ تیار ہوا اور تعزیہ داری شروع ہوئی تو داہنی طرف صحنچی میں نواب نے بڑھیا کا تعزیہ رکھا اور تا حیات رکھا جو آج بھی اسی مقام پر رکھا جاتا ہے۔

امام باڑہ کی تکمیل کے بعد ۵/ لاکھ روپیہ سالانہ نواب اس کی آرائش و زیبائش پر صرف کرتے تھے۔ متعدد چھوٹے بڑے تعزیے سونے چاندی کے بنوائے تھے۔ شیشے آلات کی مد میں سفید رنگیں، جھاڑ و فانوس بلا کنول و کنول دار امام باڑہ کی زینت تھے۔ تمام بڑے دالانوں کی چھتیں اور فرش شیشہ آلات سے پٹے پڑے تھے، حد یہ ہے کہ زیارت کرنے والوں کو اندر جگہ نہ ملتی تھی وہ کھلے ہوئے چبوترے پر بیٹھ کر زیارت کرتے تھے۔

اتنے ساز و سامان سے بھی نواب کی سیری نہ ہوئی اور جب ڈاکٹر بلبن ولایت جانے لگے تو نواب موصوف نے ایک سبز اور ایک سرخ تعزیہ جھاڑوں اور دیگر شیشہ آلات کی فرمایش کی۔ چنانچہ یہ سامان بھی آ گیا اور ایک فرمائشی تعزیہ بھی آیا۔ دوسرے کے لئے آئندہ سال کا وعدہ ہوا۔ ۱۸۷۴ء میں شاہ غازی الدین حیدر کے عہد میں پادری ہیر بسلسلۂ سیاحت لکھنؤ بھی آئے تھے انہوں نے امام باڑہ آصفی کی بابت لکھا ہے:

ایک پاک و طاہر عمارت میں بکثرت جھاڑ لٹک رہے تھے جن کی چمک دمک سے آنکھوں میں خیرگی پیدا ہو رہی تھی جو جھاڑ بہت وزنی اور لٹکانے کے قابل نہ تھے وہ فرش پر رکھے ہوئے تھے۔

ان جگمگاتے ہوئے فرشی جھاڑوں کے نیچے کا حصہ بہت گھیر دار تھا اور اوپر کی جانب بہت گاؤ دم ہوتے چلے گئے تھے ان کے بیچ بیچ میں نقرئی مرصع کار روضے تعزے جو آٹھ دس فٹ بلند ہوں گے رکھے گئے تھے۔

ان کے علاوہ نوابان اودھ کے زمانے میں زردوزی پٹکے جن پر آیات قرآنی کڑھی ہوئی تھیں، بڑے بڑے نقرئی پنجے جن پر بخط طغرا اسماء پنجتن پاکؑ وغیرہ کندہ تھے، مقدس ڈھالیں جن پر اسماء باری تعالیٰ نقش تھے اور ان پر مرصع کاری کی گئی تھی، خراسانی تلواریں، نیزے اور بھالے مشہور زمانہ سپہ سالاروں کے عمامے اور چند مخصوص طور کے متبرک تیر بھی امام باڑہ کی زیب و زینت تھے۔

آصف الدولہ نے ۱۷۹۷ء میں انتقال کیا اور اپنے تعمیر کردہ امام باڑہ میں سپرد خاک کئے گئے۔

اربعین تک عزاداری

نواب آصف الدولہ کے بعد نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں بہادر نہایت منتظم، مدبر اور دانشور حکمراں تھے۔ مگر انہوں نے کوئی امام باڑہ یا کربلا اپنی یادگار نہیں چھوڑی ہے۔ مسند نشینی سے ۵ برس کے بعد وہ سرطان کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور غسل صحت کے بعد ایک شاندار جلوس کے ساتھ درگاہ حضرت عباسؑ گئے۔ وہاں کی حالت دیکھ کر خاموش ہو گئے کیوں کہ اس وقت درگاہ ایک خام مکان میں تھی۔ یہ مکان مرزا فقیرا کا تھا۔ مرزا کو ایک رات خواب میں بشارت ہوئی تھی کہ فلاں مقام پر دریا کے کنارے کھودو چنانچہ مرزا موصوف نے اس پر عمل کیا اور زمین سے چند علم برآمد ہوئے۔ مرزا فقیرا نے اپنے مکان میں امام باڑہ بنا کر وہ علم نصب کر دیئے اور اہل حاجت کی مرادیں آنے لگیں۔ چنانچہ نواب بعد صحت یہاں سلام کرنے آئے تو درگاہ اسی خام مکان میں تھی، نواب نے فوراً اس کی تعمیر کا حکم دے دیا اور موجودہ درگاہ بہ صرف کثیر نہایت شاندار طریقہ سے تعمیر ہوئی جس میں نہایت کشادہ صحن اور عظیم الشان پھاٹک تعمیر ہوا۔

قتیلؔ نے تاریخ کہی

ایں گنبد جدید بنائے سعادت است

درگاہ کی آرائش و زیبائش میں بھی کثیر رقم صرف ہوئی۔ یہ درگاہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔ نواب سعادت علی خاں نے صحت کے بعد اربعین تک عزاداری بڑھائی جس کی تقلید میں عام طور سے ایام عزا اربعین تک بڑھا دئے گئے۔ ۱۸۱۴ء میں نواب سعادت علی خاں نے انتقال کیا۔ قیصر باغ کی ڈھال پر نواب اور ان کی بیگم کے عالی شان مقبرے آج بھی موجود ہیں جس میں عشرہ محرم کو صبح روزانہ مجالس ہوتی ہیں۔

نواب سعادت علی خان کے بعد ان کے بیٹے غازی الدین حیدر تخت نشین ہوئے۔ غازی الدین حیدر نے اپنے عہد حکومت میں امام باڑہ نجف تعمیر کرایا یہ عمارت دریا کنارے حضرت گنج کے قریب ہے اور یہ اصلی نجف اشرف روضۂ حضرت امیر المومنینؑ کی ہو بہو نقل ہے۔

زمانۂ محرم میں جو آرائش و زیبائش اس عمارت کے اندرونی حصہ میں ہوتی تھی، اس کی شان و شوکت کی کیفیت الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتی، اس کی دیواریں خوشنما شیشہ آلات سے آراستہ تھیں۔ سو سو موم بتیوں والے جھاڑوں، زرد، نیلی اور سبز رنگ کی ہانڈیاں روشنی کی تڑپ کو حد اعتدال پر قائم رکھتی ہیں۔ عمارت کے درمیان میں سبز بلوری تعزیہ رکھا تھا جس کے چاروں طرف مومی شمعیں روشن تھیں۔ تعزیے کے داہنی جانب ایک بڑے قدومات کا شیر تھا اور بائیں جانب ایک مچھلی جو نشان فرمانروائی و شہریاری ہے۔ بیش قیمت پٹکے بہ تعداد کثیر جن پر بیش بہا علم لگے تھے۔ امام باڑہ میں روضۂ اقدس کی نقل، خیمہ گاہ حضرت امام حسینؑ اور پھاٹک وغیرہ، یہ تینوں چیزیں نقرئی تھیں اور چاندی کی میز پر رکھی تھیں۔ اس کے علاوہ مختلف زمانوں کے بیش قیمت اسلحہ اور ڈھالیں زرہ بکتر اور نیزے بہت سلیقے سے سجے تھے۔ شاہ نے ایک کروڑ روپیہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بطور قرض ایک روپیہ فیصدی سالانہ جمع کر دیئے اور اس کی رقم سے مصارف نجف مقرر کئے۔ شاہ غازی الدین حیدر کا تعزیہ ان کی

بیوی ملکہ آفاق کی کربلا میں دفن ہوتا جو کربلائے نصیرالدین حیدر کے قریب ہے۔ ۷/اکتوبر ۱۸۳۷ء کو شاہ کا انتقال ہوا اور اپنے ہی امام باڑہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی تین بیویاں مبارک محل، سرفراز محل اور ممتاز محل بھی وہیں دفن ہیں۔ ایام عزا میں شاہ کی طرف سے بہت نفیس تبرک تقسیم ہوتا تھا۔

شاہ نصیرالدین حیدر کو اپنے برسر اقتدار ہونے کی طرف سے کچھ مایوسی تھی ان کا خیال تھا کہ نواب محسن الدولہ سریر آرائے حکومت ہوں گے۔ چنانچہ نصیرالدین حیدر نے بھی منت مانی کہ اگر مجھے تخت شاہی نصیب ہوا تو اربعین تک عزاداری کروں گا۔ چنانچہ نصیرالدین حیدر کی مراد بر آئی۔ اور ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو نصیرالدین حیدر کا بخت بیدار ہوا، انگریزوں نے انہیں کو شاہ مرحوم کا وارث تخت و تاج قرار دیا، چنانچہ شاہ نصیرالدین نے اربعین تک عزاداری کا باقاعدہ سنگ بنیاد رکھا اور اسے عوام میں کافی طور سے رواج دیا۔ اور اس طرح عزاداری کی بنیاد اربعین تک مستحکم ہوگئی۔

شاہی تعزیہ جو غازی الدین حیدر کے عہد میں لندن سے بن کر آیا تھا سبز بلور کا ڈھلا ہوا تھا اور اس پر سنہرا مینا کیا ہوا تھا۔ اس زمانہ میں امام باڑوں میں روشنی بکثرت ہوتی تھی اس روشنی میں کارچوبی کام کی چمک دمک اتنی تیز ہوتی تھی کہ آدمی کی نظر چکا چوندھ ہو جاتی تھی۔ علموں کے طلائی و نقرئی پنجوں کی جگمگاہٹ اور ان کے بھاری پٹکوں کی سجاوٹ، زردوزی کام گنگا جمنی کرن کی جھالروں کی زیبائش اور ان کی وجہ سے در و دیوار کی آب و تاب گویا سارا امام باڑہ بقعۂ نور ہو جاتا تھا اور روشنی کی کثرت سے رات کو دن کا سماں نظر آنے لگتا۔

نصیرالدین حیدر کے زمانہ میں فالی پارکس ایک فرانسیسی خاتون بہ سلسلہ سیاحت لکھنؤ بھی آئی تھیں انہوں نے محرم کے زمانے کے حالات اپنے سفرنامہ میں لکھے ہیں:۔

''نہایت شاندار اور بیش قیمت تعزیے عزاخانوں میں محفوظ رکھے رہتے ہیں اور کم قیمت تعزیہ کربلا میں دفن کر دیئے جاتے ہیں، بکثرت سنی اور ہندو تعزیہ رکھتے ہیں۔ تعزیہ مختلف شکلوں اور چیزوں کے بنائے جاتے ہیں شاہی تعزیہ جو سبز بلور کا ڈھلا ہوا ہے ایام عزا میں زیارت کرائی جاتی

ہے تعزیے بلور کے مینا کار، ہاتھی دانت، آبنوس، صندل چاندی کے ٹھپے دار اور پتھروں کے بنے ہوتے ہیں۔ غریبوں کے تعزیے رنگین ابرک کے ہوتے ہیں۔''

مرزا رجب علی بیگ سرور، 'فسانہ عجائب' میں عہد نصیری کی عزاداری کے بارے میں کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

''دوازدہ امامؑ کی درگاہ ایسی بنائی کہ چرخ گردوں کے خواب میں نظر نہ آئی بجز غم حسینؑ اندوہ غم نہیں، کوئی شاد و خرم نہیں، اربعین تک عزاداری ہوتی ہے۔ خلق خدا ماتم میں روتی ہے۔ لاکھوں روپیہ اس راہ میں صرف ہوتا ہے، ہر معصوم کی ولادت اور فاتحہ پر لاکھ لاکھ روپیہ صرف ہوتا ہے اس کی ہمت کے آگے فیاضیان گذشتہ پر حرف ہے۔

امام باڑہ اور درگاہ اب قائم نہیں ہے۔ درگاہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں منہدم ہوگئی۔

چونکہ یہ زمانہ خوش حالی اور فارغ البالی کا تھا۔ اسی لئے ہر شخص اپنا تعزیہ شاندار جلوس کے ساتھ اٹھانے پر زور دے رہا تھا۔ اسی عہد میں کریمن ڈومنی نے بھی بڑی دھوم دھام سے تعزیہ داری کی۔ اس کی رسائی قریب قریب ہر محل میں تھی۔ مجالس میں ہر ادنی اعلیٰ شرکت کرتا۔ محلات کو بھی مدعو کیا جاتا۔ کریمن نے اپنے تعزیے میں یہ جدت کی کہ صرف عورتیں ہی شرکت کرتیں۔ ۱۳ محرم کو رات گئے اس وقت تعزیہ اٹھایا جاتا جب سڑکوں پر سناٹا ہو جاتا دس بارہ ہزار عورتیں تعزیہ میں شرکت کرتیں، تعزیہ مصری کی بغیہ میں دفن کیا جاتا، جلوس مختصر ہوتا، جلوس کے آگے اور پیچھے شاہی گارد کے سپاہی ہوتے۔ عہد و اجدی تک یہ تعزیہ اسی خدم و حشم سے اٹھتا رہا۔ اس کے بعد ایک نائی نے تعزیہ اٹھانا شروع کر دیا۔

ثقات لکھنؤ راوی ہیں کہ شاہان اودھ میں نصیرالدین حیدر پہلے پہل اپنا تعزیہ میر خدا بخش کی کربلا لے گئے۔ ایک مرتبہ محرم برسات میں پڑا اور بارش کا امکان پیدا ہو گیا۔ بادشاہ نے محل سرا سے کربلا تک نفیس شامیانے نصب کرا دیئے۔ نصیرالدین حیدر نے ۷/جولائی ۱۸۳۷ء کو انتقال کیا اور اپنی تعمیر کردہ کربلا واقع ارادت نگر میں دفن کئے گئے، اسی کربلا میں ان کی محبوب بیوی قدسیہ محل

بھی دفن ہیں۔

نصیرالدین حیدر کے بعد ثریا جاہ نواب نصیرالدولہ محمد علی شاہ نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا اور تخت نشین ہوئے۔ بروقت تاج پوشی شاہ کا سن اکسٹھ ۶۱ سال یا بقول دیگر ۵۳ سال کا تھا۔ کبرسنی اور فیل پا کے علاوہ دیگر عوارض جسمانی بھی لاحق تھے۔ چنانچہ اپنا وقت آخر سمجھ کر کار خیر کی طرف متوجہ ہوئے اور تخت نشینی کے دوسرے سال سے امام باڑہ حسین آباد کی تعمیر شروع کرادی۔ زمانہ شہزادگی میں ان کی ایک لڑکی بطن نواب ملکہ جہاں سے ہوئی تھی جو صغرسنی میں جاتی رہی اور جمنیا باغ میں مدفون تھی، امام باڑہ حسین آباد بھی جمنیا باغ میں تعمیر ہوا اور اس انداز سے تعمیر ہوئی کہ مرحومہ لڑکی کی قبر اس کے صحن میں آ گئی۔

محمد علی شاہ نے ۲۳ر نومبر ۱۸۳۹ء کو ۳۶ لاکھ روپیہ بشرح منافع ۵ روپیہ فیصدی سالانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو قرض دیا جس کا منافع ۱۴ ہزار سالانہ ہوتا ہے۔ اس رقم کو شاہ نے مصارف حسین آباد کے لئے وقف کیا۔ یہاں یکم محرم سے ۹ر محرم تک عظیم پیمانہ پر روشنی ہوتی ہے جسے لاکھوں آدمی دیکھنے کو آتے ہیں اور روزانہ صبح کو مجالس ہوتی ہیں جس میں پخت تقسیم کی جاتی ہے۔ ساتویں کو مہندی کا جلوس اٹھتا ہے۔ پہلی محرم کو ضریح زبردست جلوس کے ساتھ حسین آباد لائی جاتی ہے۔ ۱۰ر محرم کو اسی عظیم الشان جلوس کے ساتھ کاظمین لے جا کر دفن کی جاتی ہے۔ ضریح بھی اپنی انفرادیت کی وجہ سے ہندوستان بھر میں مشہور ہے جو موم سے بنائی جاتی ہے۔ محمد علی شاہ نے ۱۶ر مئی ۱۸۴۲ء کو اس دنیا سے انتقال کیا اور امام باڑہ حسین آباد میں دفن ہوئے۔

محمد علی شاہ کے بعد جحاہ امجد علی شاہ تخت نشین ہوئے۔ یہ بھی بہت متشرع بادشاہ تھے۔ صرف پانچ سال حکومت کی۔ ان کے عہد حکومت میں کوئی نئی ترقی نہیں ہوئی، نہ انہوں نے کوئی نئی عمارت تعمیر کرائی البتہ ان کے عہد میں میر انیسؔ نے ترک فیض آباد کر کے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی اور شیدیوں کے احاطہ میں فردکش ہوئے۔ یہ محلہ لوہے والے پل کے مغرب کی طرف جہاں اب ریل کا پل ہے

واقع تھا۔ اسی قبرستان میں میر انیسؔ کے والد میر خلیقؔ کی قبر ہے جس کا نشان نہیں ملتا۔ میر صاحب کی عمر ۴۲ سال کی تھی اور مرثیہ میں شہرت پا چکے تھے۔

دیانت الدولہ کو میر صاحب سے بڑی عقیدت تھی جس کی بنا پر انہوں نے اسی محلہ میں ایک امام باڑہ اور ایک محل سرا تعمیر کرائی جہاں میر صاحب سے پہلی مجلس پڑھوائی اور محل سرا میر صاحب کی نذر کردی۔ ۱۸۵۷ء تک میر صاحب اسی حویلی میں رہے۔ اس کے بعد راجہ بازار میں آ گئے۔ بعدہٗ گھسیٹن سے ایک مکان سبزی منڈی میں خرید کر وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ امجد علی شاہ نے ۱۳ر فروری ۱۸۴۷ء کو انتقال کیا۔

امجد علی شاہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے واجد علی شاہ تخت نشین ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد کی قبر پر جو حضرت گنج میں بنی تھی ۷ لاکھ روپیہ صرف کر کے ایک مقبرہ تعمیر کرایا جو حسین آباد کی نقل ہے جس کا نام سبطین آباد رکھا۔ محرم میں اس میں بھی روشنی ہوتی تھی، قیمتی قالین اور بیش بہا شیشہ آلات سے آراستہ تھا ۱۸۵۷ء کے غدر میں بلوائیوں نے تمام سامان لوٹ لیا یا برباد کر دیا اس امام باڑہ میں کسی تاریخ واجد علی شاہ اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھتے تھے۔

شاہان اودھ میں ایک واجد علی شاہ ہی ایسے بادشاہ ہوئے ہیں جو اعلیٰ پایہ کے شاعر، مدبر، دانشور اور مقبول حکمراں تھے۔ ایک اندازے کے مطابق جو اس وقت کی تحقیقات کا نتیجہ ہے، واجد علی شاہ کی تصنیفات کی تعداد سو ہے جو ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ واجد علی شاہ نے بھی بڑی حوصلہ مندی اور دریا دلی سے عزاداری کی۔

قیصر باغ کی سفید بارہ دری جو دراصل امام باڑہ ہے قصر البکا نام تھا اس میں بڑے اہتمام سے عزاداری ہوتی تھی یہاں ۹ تعزیہ چاندی کے تھے جو بڑے خوشنما تھے اور ایک ضریح خاک پاک کی رکھی تھی، خود شاہ ۴ر محرم کو اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھتے تھے۔ اور مجالس عزا بڑے اہتمام سے منعقد کراتے۔ یہی، وہ امام باڑہ ہے جہاں میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے یکجا اپنے اپنے مراثی پڑھے۔ اس

سے قبل یا بعد ایسا اتفاق نہ ہوا۔محرم میں نقری اوٹوں پر سیاہ کپڑا لپیٹ کر اس کی کھونٹیوں پر نقری و طلائی علم جواہر نگار پنجے، آب دار خنجر اور مرصع قبضوں کی بیش بہا تلواریں وغیرہ زیارت کے لئے سجی جاتی تھیں۔ چالیس دن تک زبردست روشنی کا اہتمام رہتا۔

نویں محرم کو غیر معمولی طور پر صاف وشفاف روشنی ہوتی۔غربا اور مساکین کو شربت اور کھانے کے حصے اور ۶ رمحرم سے نہایت نفیس اور پر تکلف کھانوں کے حصے تورہ بندی کے طور پر وسیع پیمانہ پر تقسیم کئے جاتے۔آٹھویں کو سہ پہر سے شربت غربا میں تقسیم کیا جاتا، رات میں حضرت عباسؑ کی نذر ہوتی۔نویں محرم کی بہت ہی اہم تاریخ ہوتی تھی۔اس روز دن بھر مجالس منعقد ہوتی تھیں اور رات کو روساء وشرفا اور دیگر تعزیہ دار رعایا کے گھروں پر نہایت پر تکلف روشنی ہوتی تھی۔

ایام عزا میں اکثر امراء روساء وشرفاء علم وتعزیے کے جلوس بڑے تزک واحتشام سے نکالتے۔ دولت سرائے سلطانی میں بھی محرم کے موقع پر ہر سال بڑے بڑے درجنوں تعزیے جلوس کے ساتھ گشت کر کے رکھے جاتے۔یہ جلوس نہایت ہی تزک واحتشام سے نکلتے۔جلوس میں نوبت خانہ، سبیل اور متعدد ہاتھی جن پر پر تکلف جھولیں پڑیں ہوتیں، ماہی مراتب اور اونٹوں کی قطار جن پر علمبردار سوار ہوتے، سواروں اور پیادوں کی پلٹنیں، برق انداز، بلم بردار، بینڈ باجے جورزمیہ دھنیں بجاتے، اس کے بعد علم بردار، پھر دلدل، تابوت، ماتمی دستے نوحہ خوان اور عصا برداروں کے غول ہوتے جن پر روپیہ پانی کی طرح بہادیا جاتا۔

فاقہ شکنی

تاریخ کے مطالعہ سے اگر پتہ چلتا ہے تو عہد واجدی ہی میں فاقہ شکنی کا رواج عام طور سے شیعوں میں ہوا۔تاریخ کی روشنی میں اور کسی بادشاہ کے عہد میں فاقہ شکنی کی رسم کا پتہ نہیں چلتا۔

عاشور کے دن قصر سلطانی واجد علی شاہ میں جب تک سہ پہر کو تعزیہ دفن کر کے جلوس واپس نہ

آجاتا اس وقت تک کوئی نہ ایک لقمہ کھاتا اور نہ پانی پیتا حتی کہ شیر خوار بچوں کو بھی مائیں اس وقت تک دودھ نہ دیتیں جب تک گھر کے تعزیے دفن نہ ہوجاتے۔سہ پہر کو فاقہ شکنی ہوتی، اس کے بعد سب کھانا پینا شروع کرتے۔

اربعین کے بعد

عہد واجدی میں بخشو آرائش گر نے اپنی ضریح ۲۱ رصفر کو اٹھانی شروع کی۔اس طرح اس عہد میں ایک نئی تاریخ کا سنگ بنیاد پڑا اور عزاداریٔ مظلوم میں ایک نئی تاریخ کا اضافہ ہوا۔واجد علی شاہ نے مچھلی والی بارہ دری سے جلوس ضریح کی زیارت کی اور بخشو کو شرف حاضری بخشا۔اس کے مالی اعانت قبول نہ کرنے پر شاہی جلوس کی منظوری دی۔اس کے بعد سے بخشو کا تعزیہ شاہی جلوس کے ساتھ برابر اٹھتا رہا۔اس کا ڈھانچہ خود بخشو نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا۔یہ ضریح دفن نہیں کی جاتی اور گشت کرا کے واپس لائی جاتی ہے۔اس کے بعد آگے تاریخوں میں اضافہ ہونے لگا اور روساء وامراء نے اپنے تعزیے خاص اہتمام وجلوس سے اٹھانے شروع کئے۔یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ غدر کے بعد نواب اغن صاحب نے جو اس وقت کے روساء میں تھے اپنا تعزیہ ۸ ربیع الاول کو اٹھایا جو اگرچہ جلوس کے ساتھ اٹھتا تھا مگر بہت خاموش اور یہ تعزیہ 'چپ تعزیہ' کے نام سے مشہور ہوا۔صرف نقیب کوئی دلدوز نوحہ کا مصرعہ بلند آواز میں پڑھتا اور سامعین کے گریہ کا شور اٹھتا پھر سکوت طاری ہوجاتا۔یہ تعزیہ چاہ کنکر سے اٹھتا ہے اور کئی ہزار کے مجمع کے ساتھ کاظمین میں دفن کیا جاتا ہے۔ہزاروں آدمی زیارت کو آتے ہیں۔

بعد انتزاع سلطنت جب واجد علی شاہ مٹیا برج میں قید کئے گئے، انہوں نے عزاداری کا سلسلہ وہاں بھی شروع کیا۔ان کا قائم کردہ امام باڑہ آج بھی موجود ہے جہاں بڑی بڑی مجلسیں ہوتیں لکھنؤ کے اعلیٰ پائے کے ذاکرین مجالس میں ذاکری کرتے تھے۔بہر حال یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج جس اہتمام سے عزاداری کرتے ہیں اور جو انہماک اور شغف امام مظلومؑ کی عزا کے سلسلہ

میں نظر آتا ہے یہ سب شاہان اودھ کی دین ہے ورنہ ممکن تھا کہ عزاداری اس منظم طریقہ پر کرنے کے ہم لوگ اہل نہ ہوتے۔

- تاریخ اودھ و دیگر کتب
- سفرنامہ پادری ہبر صاحب
- عادات واطوار مسلمان ہند
- تفیضح الغافلین
- سفرنامۂ ڈاکٹر بلبن
- فسانۂ عجائب و دیگر کتب

(سرفراز لکھنؤ، محرم نمبر ۱۳۸۷ھ)